بسم الله الرحمٰن الرحيم

منية المريد فى ادب المفيد والمستفيد

تاليف

الشيح زين الدين بن على العاملى

المعروف بالشهيد الثانى

۹۱۱ھ تا ۹۶۵ھ

ترجمه و تلخيص

سيد تلميذ الحسنين رضوى

کتاب کا نام..منیۃ المرید

مولف..شہید ثانیؒ

مترجم..سید تلمیذ حسنین رضوی

کمپوزنگ..عامر رضوی

سنہ طباعت..

تعداد..ایک ہزار

مطبوعہ..اے۔بی۔سی آفسیٹ پریس۔دہلی

ناشر..تنظیم المکاتب، گولہ گنج لکھنؤ، ۱۸

قیمت..

عرض تنظیم

تحریک دینداری کے پہلے مرحلہ میں بانی تنظیم المکاتب خطیب اعظم مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ نے اگر چہ اپنی توجہ ''قیام مکاتب'' پر مرکوز رکھی تھی مگر آپ کا نصب العین اس قوم کی ہر فرد کو دیندار بنانا تھا۔ دینی معلومات کے بغیر دینداری کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔مکتب، مدرسہ، اسکول، کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ معلومات میں اضافہ کا بہترین ذریعہ مطالعہ ہے۔کتابوں کے معیار اور مطالعہ کے رجحان سے قوموں کی حیثیت متعین ہوتی ہے۔اسی لئے بانی تنظیمؒ نے روز اول نہ صرف یہ کہ مکاتب کے ساتھ شعبۂ نشر واشاعت کو تنظیم المکاتب کے بنیادی اہداف میں شامل فرمایا بلکہ قیام تنظیم المکاتب سے کافی عرصہ پہلے تنویر بکڈپو کے نام سے انھوں نے ایک نشریاتی ادارہ قائم کیا تھا جس سے متعدد کتب بھی شائع ہوئیں اور قیام تنظیم المکاتب کے بعد بانی تنظیمؒ نے اس کو تنظیم المکاتب میں ضم کردیا۔

خطیب اعظمؒ کی زندگی میں شعبۂ نشر واشاعت سے درسی کتب کے علاوہ حسب ضرورت وامکان متعدد علمی کتب شائع ہوئیں۔پھر اس ذمہ داری کو علامہ جوادیؒ نے سنبھال لیا اور ان کے رشحات قلم سے قوم فیضیاب ہوتی رہی۔علامہؒ مسلسل لکھتے رہتے تھے اور اپنی تصانیف کو ادارہ کے حوالہ کردیتے تھے۔

علامہ جوادیؒ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ کچھ متأثر ہوا، مگر اللہ کے کرم سے دوبارہ اس خدمت کی رفتار میں اضافہ ہوگیا ہے اور افاضل قم کے تعاون سے متعدد کتب کے ترجمے منظر عام پر آچکے ہیں۔

انتخاب واشاعت کتب میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ایک مومن کے لئے لازمی عقائد واحکام تفسیر وعلوم قرآن، حدیث وکلام، تاریخ وسیرت، اخلاق وتربیت جیسے تمام دینی موضوعات پر ہر سطح فکر کے لئے مواد فراہم ہوجائے۔

زیرنظر کتاب ''منیۃ المرید''.................................کی ایک نئی راہ دی ہے۔
امید ہے کہ اہل فکرونظر اس ذخیرہ سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔
اس کتاب کی اشاعت میں جن حضرات نے تعاون فرمایا ہم ان کے شکرگذار ہیں۔مترجم کتاب جناب مولانا سید مختار حسین جعفری صاحب پرنسپل حوزۂ علمیہ امام باقر گورسائی پونچھ ہمارے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جن کی کاوش سے زیرنظر کتاب کی اشاعت کا شرف ہمیں حاصل ہورہا ہے۔

والسلام
سید صفی حیدر
سکریٹری
۲۵/ذی القعدہ الحرام
۱۴۲۷ھ

فہرست

شہیدثانیؒ کی مختصر سوانح حیات ۱۵

عرض مترجم ۲۳

مقدمہ مولف ۲۵

مقدمہ ۲۷

فضیلت علم؛قرآن کریم کی روشنی میں ۲۷

فضیلت علم؛احادیث کی روشنی میں ۳۴

پہلا باب:معلم اور متعلم کے آداب میں ۴۷

پہلی فصل:معلم اور متعلم کی ذات سے متعلق آداب ۴۹

۱) تعلیم وتعلم کے وقت اپنی نیت کوخدا کے لئے خالص کرنا ۴۹

۲) آہستہ آہستہ اپنی معلومات پرعمل کرنا ۶۱

۳) ہرحال میں خداپرتوکل کرنا ۶۹

۴) حسن خلق ۷۲

۵) بلندہمتی ۷۳

۶) شعائراسلامی کی رعایت اوراحکام کی پابندی ۷۴

قسم دوم:درس وبحث کے دوران استاداورشاگردآداب ۷۹

۱) سعی پیہم ۷۹
۲) ہٹ دھرمی سے پرہیز ۸۰
۳) طلب علم میں تواضع وانکساری ۸۲
۴) حق بات پر سر تسلیم خم کر دینا ۸۳
۵) ہمیشہ با طہارت رہنا ۸۴
دوسری فصل: طالب علم سے مخصوص آداب ۸۵
پہلی قسم: طالب علم کی ذات سے متعلق آداب ۸۷
۱) حسن نیت اور طہارت قلب ۸۷
۲) اوقات فراغت کو غنیمت جاننا ۸۷
۳) طلب علم سے روکنے والے تعلقات سے قطع تعلق ۸۹
۴) ایک مدت تک شادی نہ کرنا ۸۹
۵) طلب علم سے روکنے والی معاشرت سے پرہیز ۹۰
۶) طلب علم پر حریص ہونا ۹۰
۷) بلند ہمتی ۹۱
۸) طلب علم میں ترتیب کی رعایت کرنا ۹۲
دوسری قسم: استاد کے متعلق طالب علم کے آداب ۹۵
۱) نیک اور صالح استاد کا انتخاب ۹۷
۲) استاد حقیقی باپ ۹۸
۳) جہل ونادانی ایک نفسانی بیماری ۹۹
۴) استاد کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھنا ۹۹
۵) استاد کی بات کا انکار نہ کرنا ۱۰۱

۶) استادکوعزت واحترام کے ساتھ مخاطب قرار دینا ۱۰۱
۷) ہراعتبار سے استاد کا خیال رکھنا ۱۰۲
۸) استاد کا شکریہ ادا کرنا ۱۰۲
۹) استاد کی سختیوں پر صبر کرنا ۱۰۳
۱۰) استاد سے پہلے کلاس میں حاضر ہونا ۱۰۴
۱۱) استاد کی اجازت کے بغیر اس کے پاس نہ جانا ۱۰۴
۱۲) پوری تیاری کے ساتھ استاد کے پاس جانا ۱۰۴
۱۳) پوری تیاری کے بغیر استاد کے پاس نہ پڑھنا ۱۰۵
۱۴) استاد کے حضور آداب ۱۰۵
۱۵) استاد کا انتظار کرنا ۱۰۵
۱۶) استاد سے اصرار نہ کرنا ۱۰۶
۱۷) استاد کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی بات کو غور سے سننا ۱۰۶
۱۸) استاد کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرنا ۱۰۶
۱۹) احترام واکرام کے ساتھ استاد سے بات کرنا ۱۰۷
۲۰) جلد بازی نہ کرنا ۱۰۸
۲۱) استاد پر سبقت نہ کرنا ۱۰۹
۲۲) استاد کی بات نہ کاٹنا ۱۰۹
۲۳) استاد کی باتوں کو غور سے سننا ۱۰۹
۲۴) بے موقع سوال نہ کرنا ۱۱۰
۲۵) شبہہ کی وضاحت کے لئے سوال کرنا ۱۱۰
۲۶) سوچ سمجھ کر جواب دینا ۱۱۱

۲۷) استاد کے سامنے کوئی چیز نہ پھینکنا ۱۱۱
۲۸) استاد کے احترام میں کھڑا ہونا ۱۱۲
۲۹) استاد کے ساتھ چلنے کی کیفیت ۱۱۲
۳۰) استاد کو سلام کرنے کی کیفیت ۱۱۳
تیسری قسم: دوران درس طالب علم کے آداب ۱۱۵
۱) تعلیم کا آغاز؛ حفظ قرآن سے ۱۱۵
۲) اپنی توانائی کا خیال رکھنا ۱۱۵
۳) اپنے ساتھ قلم رکھنا ۱۱۶
۴) اوقات کو تقسیم کرنا ۱۱۶
۵) پڑھائی کی شروعات کا وقت ۱۱۷
۶) حدیث اور علوم حدیث کی طرف توجہ ۱۱۷
۷) سعی پیہم ۱۱۸
۸) اپنے آپ کو کمال یافتہ نہ سمجھنا ۱۱۸
۹) کلاس میں حاضر ہونے کے آداب ۱۱۸
تبصرہ ۱۱۹
۱۰) کلاس میں بیٹھنے کے آداب ۱۱۹
۱۱) آنے والے کا احترام ۱۲۰
۱۲) استاد کی حمایت ۱۲۰
۱۳) استاد کے سامنے پڑھنے میں نوبت کی رعایت کرنا ۱۲۱
۱۴) کتاب اپنے ساتھ رکھنا ۱۲۱
۱۵) دوستوں کے ساتھ علمی مباحثہ کرنا ۱۲۲

تتمہ: طلاب کے درمیان ادب کی رعایت کرنا ۱۲۲
تیسری فصل: معلم سے مخصوص آداب ۱۲۷
☆ **معلم کی ذات سے متعلق آداب** ۱۲۷
۱) تدریس کی صلاحیت سے پہلے تدریس نہ کرنا ۱۲۷
۲) علم کو کم اہمیت نہ سمجھنا ۱۲۸
۳) اپنے علم پر عمل کرنا ۱۲۸
۴) زیادہ سے زیادہ حسن خلق سے پیش آنا ۱۲۹
۵) شاگردوں سے حسن ظن رکھنا ۱۲۹
۶) پڑھانے میں بخل نہ کرنا ۱۳۰
۷) قول وفعل کے درمیان مخالفت سے پرہیز کرنا ۱۳۰
۸) بغیر کسی جھجک کے اظہار حق کرنا ۱۳۱
☆ **طلبہ سے متعلق استاد کے آداب** ۱۳۳
۱) ادب سکھانے میں تدریج کا خیال رکھنا ۱۳۳
۲) شاگردوں کو علم کی طرف رغبت دلانا ۱۳۴
۳) شاگردوں کو بداخلاقی سے روکنا ۱۳۴
۴) طلاب سے نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آنا ۱۳۵
۵) تعلیم میں سخاوت سے کام لینا ۱۳۷
۶) شاگردوں کو واجب کی انجام دہی سے پہلے ۱۳۸
۷) طلاب کو تعلیم دینے پر حریص ہونا ۱۳۸
۸) طلب علم میں مشغول رہنے کی تشویق کرنا ۱۳۹
۹) دقیق مسائل بیان کرنا ۱۳۹

۱۰) بحث کے دوران شاگردوں کے ساتھ انصاف سے کام لینا ۱۴۱

۱۱) طلاب میں بعض کو بعض پر برتری نہ دینا ۱۴۱

۱۲) طلاب کو زیادہ روی سے روکنا ۱۴۲

۱۳) جن علوم سے ناواقف ہے طلاب کی سامنے ان کی برائی نہ کرنا ۱۴۲

۱۴) اگر شاگرد کسی دوسرے استاد سے سبق لے تو ناراض نہ ہونا ۱۴۲

۱۵) باصلاحیت طالب علم کو تدریس کا موقع دینا ۱۴۳

☆ **دوران درس، معلم کے آداب** ۱۴۵

۱) تدریس کے لئے وقار وسکینہ کے ساتھ گھر سے نکلنا ۱۴۵

۲) تدریس پر جاتے وقت ماثور دعا پڑھنا ۱۴۵

۳) کلاس میں حاضر افراد کو سلام کرنا ۱۴۶

۴) سکون واطمینان کے ساتھ بیٹھنا ۱۴۶

۵) قبلہ رخ بیٹھنا ۱۴۷

۶) تعلیم علم اور تبلیغ احکام کی نیت کرنا ۱۴۷

۷) پڑھاتے وقت ایک خاص حالت کی رعایت کرنا ۱۴۷

۸) ایسی جگہ بیٹھنا جہاں سے سب دیکھیں ۱۴۸

۹) ہمنشینوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنا ۱۴۸

۱۰) پڑھانے سے پہلے قرآن مجید کی چند آیات کی تلاوت کرنا ۱۴۹

۱۱) سبق کو سمجھانے کے لئے سب سے آسان طریقہ اپنانا ۱۵۰

۱۲) زیادہ اہم کو مقدم کرنا ۱۵۰

۱۳) سبق کو زیادہ طولانی نہ کرنا ۱۵۰

۱۴) فکر کو مشوش اور پریشان کرنے والا سبق نہ دینا ۱۵۰

۱۵) حاضرین کو تکلیف دینے والی کوئی چیز کلاس میں نہ ہو ۱۵۱
۱۶) سبق دیتے وقت طلاب کی مصلحت کا خیال رکھنا ۱۵۱
۱۷) آواز میں میانہ روی کا خیال رکھنا ۱۵۱
۱۸) کلاس کو سوءِ ادب سے محفوظ رکھنا ۱۵۲
۱۹) سوءِ ادب کرنے والے کی سرزنش کرنا ۱۵۲
۲۰) طلاب سے نرمی سے پیش آنا ۱۵۲
۲۱) اس کے پاس آنے والی اجنبی سے محبت سے پیش آنا ۱۵۲
۲۲) دوران درس آنے والے عالم کے احترام کا خیال رکھنا ۱۵۳
۲۳) جس چیز کے بارے میں نہیں جانتا اگر سوال کیا جائے تو ''نہیں جانتا'' کہنا ۱۵۳
۲۴) غلط فہمی کی طرف متوجہ کرانے میں جلدی کرنا ۱۵۴
۲۵) سبق ختم ہونے کی طرف متوجہ کرنا ۱۵۴
۲۶) سبق کو وعظ و نصیحت پر ختم کرنا ۱۵۵
۲۷) درس کو دعا پر ختم کرنا ۱۵۵
۲۸) طلاب کے اٹھنے کے بعد تھوڑی دیر ٹھہرنا ۱۵۵
۲۹) طلاب کو مرتب اور منظّم رکھنے کے لئے ایک چالاک ناظر مقرر کرنا ۱۵۶
۳۰) کلاس سے جاتے وقت ماثور دعا پڑھنا ۱۵۶
دوسرا باب: کتابت اور کتابوں کے بارے میں ۱۵۹
۱) لکھنے کی طرف رغبت دلانا ۱۵۹
۲) لکھنے میں خلوص نیت ایک ضروری امر ۱۶۱
۳) ضروری کتابوں کو مہیا کرنا ۱۶۲
۴) کتابیں عاریت پر دینا مستحب ہے ۱۶۲

۵) عاریتی کتابوں کی حفاظت کرنا ۱۶۳
۶) عاریتی کتابوں کی مرمت کرنا جائزنہیں ۱۶۳
۷) کتاب کی حفاظت کرنے کے آداب ۱۶۴
۸) کتاب عاریت لیتے یا خریدتے وقت اسے غور سے دیکھنا ۱۶۵
۹) بعض اہم جملوں کی کتابت ۱۶۵
۱۰) تحریر ۱۶۷
۱۱) مکتوب کو اصل کتاب سے ملانا ۱۶۸
۱۲) کتاب میں لازمی مقامات کی نشاندہی ۱۶۸
تیسرا باب: مناظرے کے بارے میں ۱۷۱
پہلی فصل: مناظرے کے شرائط اور آداب ۱۷۳
پہلی شرط: مقصد؛ حق تک رسائی اور اظہار حق ۱۷۳
دوسری شرط: خلوت میں ہو ۱۷۳
تیسری شرط: گمشدہ کا متلاشی ہو ۱۷۴
چوتھی شرط: مددگار کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے ۱۷۴
پانچویں شرط: عالم سے مناظرہ کرے ۱۷۵
دوسری فصل: مناظرہ کے آفات اور خطرات ۱۷۷
۱) حق سے روگردانی ۱۷۷
۲) ریاکاری ۱۷۹
۳) غیظ وغضب ۱۸۱
۴) حقد: (کینہ رکھنا) ۱۸۳
۵) حسد ۱۸۴

۶)قطع تعلقی اور رشتہ ناطہ توڑ لینا ۱۸۶
۷)جھوٹ اور غیبت ۱۸۷
۸)تکبر اور بڑائی کا اظہار کرنا ۱۸۹
۹)جاسوسی کرنا اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑے رہنا ۱۹۱
۱۰)لوگوں کی برائی پر خوش اور ان کی خوشی پر غمگین ہونا ۱۹۲
۱۱)خودستائی اور اپنے منہ اپنی تعریف ۱۹۴
۱۲)نفاق ۱۹۴
خاتمہ **۱۹۷**
پہلا مطلب: علوم شرعیہ کے اقسام کے بارے میں ۱۹۸
پہلی فصل: علوم اصلی ۱۹۹
دوسری فصل: علوم فرعی ۲۰۵
دوسرا مطلب: طلب علم کے احکام ۲۰۷
تیسرا مطلب: علوم کی ترتیب ۲۱۱
تتمۂ کتاب: شہید ثانیؒ کی طلبہ کو نصیحت اور انھیں خواب غفلت سے جگانا ۲۱۷

☆☆☆☆☆

شہید ثانیؒ کی مختصر سوانح حیات

سید محمد علی اسد رضوی

قرطاس تاریخ پر شہادتوں کی سرخ داستانوں میں سے یہ وہ داستان ہے جسے قلمبند کرنے کے لئے صاحب قلم ہونا ہی نہیں بلکہ نگاہ بصیرت کے ساتھ علم وعمل کی زینت اور روح کی طہارت بھی شرط ہے۔ کیونکہ آپ کے آغاز طفولیت سے لے کر لحظۂ شہادت تک زندگی کا ہر ایک ورق اس گوہر نایاب کے مانند ہے جس کی قیمت لگانا ہر کس وناکس کے بس میں نہیں ہے۔ لہٰذا اس قاعدہ کے تحت کہ: ''آب دریارا اگر نتواں کشید ہم بقدر تشنگی باید چشید'' چند سطریں پیش خدمت ہیں۔

شہید ثانیؒ آسمان علم ومعرفت کے وہ تابناک ستارے ہیں جنھوں نے اپنی بابرکت زندگی میں دنیائے علوم وفنون کے مختلف حصوں کو اپنے متعدد قلمی آثار کے ذریعہ جو رونق بخشی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ کیونکہ ایک طرف آپ کی تقریباً ۵۵ رسالہ مختصر حیات اور اس میں بھی علوم اہل بیتؑ کو دنیا کے مختلف خطوں سے حاصل کرنے نیز ان کی نشر واشاعت کی غرض سے دور دور کے مسلسل سفر اور ان کی صعوبتوں کو برداشت کرتے رہنا اور ساتھ ہی بارگاہ الٰہی میں شب زندہ داری اور عبادت وریاضت کی اس کیفیت کو برقرار رکھنا جو ایک بندۂ خالص کے شایان شان ہے اور دوسری طرف طب، ہیئت، فلسفہ، ریاضیات، عربی ادب، عقائد اور فقہ جیسے نہ جانے کتنے علوم میں آپ کی بیش بہا تحریریں (اگر چہ افسوس کہ ان میں سے بہت سے آثار حادثات زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں، لیکن) ان تمام پہلوؤں پر نگاہ ڈالنے کے بعد ہر ذی شعور یہ اقرار کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ وہ توفیق الٰہی ہے جس کا حساب ظاہری اعداد وشمار سے نہیں لگایا جا سکتا ہے۔

نام و نسب: زین الدین بن نورالدین علی بن احمد بن محمد بن جمال الدین بن تقی بن صالح بن مشرف عاملی جبعی، المعروف ''شہید ثانی''

ولادت: ۱۳/شوال المکرّم ۹۱۱ھ لبنان کے جبع نامی قریہ میں

شہادت: روز جمعہ، ماہ رجب ۹۶۵ یا ۹۶۶ھ، بمقام قسطنطنیہ

خاندان: آپ کی ذات والاصفات خاندانی اعتبار سے بھی ان کم نظیر شخصیتوں میں سے ہے جن کے نہ صرف اسلاف کی کئی پشتیں بلکہ بعد کی نسل میں بھی سلسلہ وار ایسی ہستیاں گذری ہیں جو اپنے زمانہ میں مرجع خلائق اور نادر روزگار رہی ہیں اسی وجہ سے آپ کے اس پاکیزہ خاندانی سلسلۂ فقاہت کو ''سلسلۃ الذہب'' کہا گیا ہے۔

آغاز حیات: بچپن ہی سے آپ کے چشم وابرو سے ذہانت اور روشن مستقبل کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں چنانچہ نقل ہوا ہے کہ نو سال کا عرصہ پورا ہونے سے پہلے ہی آپ نے تعلیم قرآن کو مکمل کرکے اپنے والد ماجد کے حضور میں فنون عربی اور علم فقہ کی تعلیم کا آغاز کیا لیکن قضائے الٰہی سے ابھی سن بلوغ کو بھی نہیں پہونچے تھے کہ (۹۲۵ھ میں) باپ کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا اور قسمت نے داغ یتیمی سے بھی آپ کو محروم نہ رکھا۔

آغاز سفر: باپ کی جدائی کا داغ دل پہ ضرور تھا لیکن وہ عزم وحوصلہ کا کوہ گراں کہ جس نے آغاز حیات ہی سے اپنے مولا وآقا کے ہاتھوں پہ مذہب کی خدمت اور پاسداری کی بیعت کر لی ہو بھلا کیونکر اپنے پائے ثبات میں لغزش پیدا ہونے دیگا چنانچہ تعلیمی سلسلہ میں ذرہ برابر خلل واقع نہ ہونے دیا اور اسی سال یعنی ۹۲۵ھ میں تحصیل علم کی غرض سے اپنے وطن سے ''میس'' نامی قریہ کی جانب ہجرت کی، گویا یہ آپ کی زندگی کا پہلا تعلیمی سفر تھا۔

دوسرا سفر: ''میس'' میں آپ نے اس وقت کے فاضل استاد علی بن عبدالعالی کرکی سے تقریباً آٹھ سال (۹۲۵ سے ۹۳۳ھ تک) کسب فیض کیا اور ''شرائع الاسلام''، ''ارشاد الاذہان'' اور ''قواعد الاحکام'' کے دروس حاصل کئے۔ آٹھ سال کی مسلسل جانفشانی کے بعد آپ نے علوم و معارف کے خزانوں کو مزید حاصل کرنے اور ان سے کسب فیض کرنے کی غرض سے ''میس سے'' ''کرک نوح'' کی جانب کوچ کیا جہاں آپ کے بعض بزرگ خاندان بھی موجود تھے۔ وہاں آپ صاحب ''مہجۃ البیضاء'' یعنی

سید حسن بن سید جعفر سے آشنا ہوئے چنانچہ عربی ادب، فقہ اور حدیث کے علوم حاصل کرنے کے لئے آپ نے ان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔

وطن واپسی: اسی دوران آپ شیخ علی میسی (جو آپ کے خالو تھے) کی دختر نیک اختر سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ تقریباً بارہ سال عالم غربت میں گذارنے کے بعد بالآخر وطن کی محبت نے دل میں کروٹیں لینا شروع کردیں۔ چنانچہ ۹۳۴ھ میں آپ اپنی جائے ولادت (جبع) واپس آئے اور ۹۳۷ھ تک وہیں قیام پذیر رہے لیکن اس دوران بھی نہ صرف یہ کہ درس ومباحثہ سے غافل نہیں رہے بلکہ اس کے علاوہ دور دراز سے آنے والے لوگوں سے ملاقات، ان کی حاجت روائی اور ان کے دینی مسائل کو حل کرنا آپ کا روز وشب کا مشغلہ تھا۔ لوگ شوق دیدار میں شمع کے گرد پروانوں کے مانند آپ کا حلقہ کئے اپنے دل کی کہانیاں سنایا کرتے اور آپ ان کے دکھ درد میں برابر کے شریک رہ کر حسب ضرورت ان کی مدد فرمایا کرتے تھے۔

وہ دریائے علوم آل محمدؐ کا غوطہ ور جس نے اپنے عیش وآرام اور شہرت ومقام کی پرواہ کئے بغیر صرف اس فرمان کے سایہ میں ''کہ علم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے''، زندگی کی راہ ہموار کی ہو، کیونکر کسی ایک مقام پر ٹھہر سکتا ہے چنانچہ ۹۳۷ھ میں آپ دوبارہ سامان سفر باندھ کر دمشق کے لئے روانہ ہوگئے۔

دمشق میں آپ نے ایک سال سے زیادہ قیام کیا اور اس دوران وقت کے مشہور محقق اور فیلسوف استاد شمس الدین محمد بن مکی سے فلسفہ، ہیئت، طب اور قراءات قرآن کے علوم حاصل کئے۔

دمشق سے مصر: آپ ایک آزاد فکر انسان تھے چنانچہ مختلف علمی اور ثقافتی مراکز اور ان کی تہذیب سے آشنائی پیدا کرنے کے لئے آپ نے مصر کا سفر کیا کیونکہ مصر اس زمانہ کے مختلف اسلامی علمی مرکزوں میں سے تھا۔ چنانچہ مورخین کا کہنا ہے کہ وہاں تقریباً اٹھارہ مہینے قیام کے دوران آپ نے اتنا علمی مواد اکٹھا کرلیا تھا جسے ایک چوتھائی صدی میں بھی جمع کرنا مشکل ہے۔

ظاہر ہے کہ آپ اس علمی مرتبہ پہ فائز تھے کہ موجودہ رائج علوم حاصل کرنے کے لئے کسی درس میں حاضر ہونا یا اس غرض سے کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے بلکہ آپ کا مصر کا دورہ اولاً مختلف ماہرین فن سے ان علوم کو سیکھنے کی وجہ سے تھا جو دوسری جگہ کماحقہ موجود نہیں تھے۔ ثانیاً مختلف فرق ومذاہب کے آراء ونظریات سے آشنائی پیدا کرکے حق وناحق کی تشخیص دینے کی غرض سے

تھا۔اسی وجہ سے آپ اس دوران منعقدہ مختلف علمی نشستوں اور مباحثوں میں شرکت کرتے اور صاحبان نظر سے تبادلۂ خیال فرماتے رہتے تھے۔

آپ کے اس سفر کے دوران چند نکات توجہ کے ساتھ قابل ہیں:

۱۔آپ کا یہ سفر ۹۴۳ھ یا ۹۴۴ھ میں واقع ہوا اور وطن سے مقصد تک پہونچنے میں تقریباً ایک ماہ کی مدت درکار ہوئی۔

۲۔ دوران سفر آپ سے متعدد کرامتیں ظاہر ہوئیں جیسے آپ ہی کے شاگرد ابن العود نے بیان کیا ہے۔

۳۔آپ کے ان تمام سفر کے اور گھریلو اخراجات کی ذمہ داری الحاج شمس الدین محمد بن بلال نامی شخص نے لی تھی۔ مذکورہ خیز خواہ شخص کے سلسلہ میں تاریخ میں کوئی تفصیل نہیں ملتی ہے البتہ حالات شہید ثانیؒ میں اتنا ضرور موجود ہے ۹۵۲ھ یا ۹۵۶ھ میں یہ مومن مع اپنی بیوی بچوں کے (جن میں ایک شیر خوار بھی تھا) شہید کر دیئے گئے۔

۴۔آپ کی خدمت میں یہ عرض کر دوں کہ وہ دور آج کے متعصب دور جیسا نہیں تھا بلکہ اہل سنت کا شیعہ علماء سے کسب فیض کرنا اور شیعوں کا اہل سنت اساتذہ کے دروس سے استفادہ کرنا ایک رائج طریقہ تھا نہ تو اس میں کوئی عیب تصور کرتا تھا اور نہ کسر شان۔ چنانچہ مصر کا ماحول ایسا ہی تھا بلا تفریق مذہب ہر قسم کے اساتذہ موجود تھے۔شہید ثانیؒ جو خود ایک انصاف پسند اور آزادانہ فکر کے حامل تھے اپنے بعض مصری اساتذہ کا ذکر کرنے کے بعد ان کی کافی تعریف و تمجید فرماتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی شخصیت تمام مسلک کے پیرووں کے نزدیک مقبول اور قابل احترام تھی اور آپ حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے ہر ایک کے مذہب کے حساب سے ایسے فتوے دیتے تھے۔

مصر سے حجاز اور حجاز سے وطن: چونکہ آپ کے سفر کی ایک طولانی فہرست ہے اور اس مختصر نوشتہ میں ساری تفصیلات بیان کرنا ممکن نہیں ہے لہٰذا اسے خلاصہ اور اشارہ کے طور پر آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۷ شوال ۹۴۳ھ میں آپ مصر سے حجاز کی جانب روانہ ہوئے۔ وہاں آپ نے حج و عمرہ و زیارات مقامات مقدسہ سے شرفیاب ہونے کے علاوہ ایک سال تک اپنے علمی مشاغل کو بھی برقرار رکھا۔اسی دوران

آپ کے وطن والوں کے شدید اصرار کی بنا پر ماہ صفر ۹۴۴ھ میں دوبارہ اپنے وطن واپس آ گئے۔ اس وطن واپسی کی منظر کشی تو نہیں کی جا سکتی ہے بس یوں سمجھئے کہ آپ کا وجود باران رحمت کے مانند تھا جو برسوں خشک زمین پر برس کر اسے سیراب کر دے چنانچہ آپ کے وجود سے وہ گئی ہوئی رونق واپس ہو گئی جو چند سال کے فاصلہ میں پیدا ہو گئی تھی۔ بس اس مرتبہ اپنے وطن میں مقیم رہے۔ البتہ اس دوران زیارت عتبات عالیات (عراق) اور بیت المقدس وغیرہ سے بھی شرفیاب ہوئے۔

مشرقی روم اور قسطنطنیہ: شہید ثانیؒ کے وجود میں حصول علم کے ساتھ نشر علوم اہل بیتؑ کا بھی جذبہ پایا جاتا تھا لہٰذا اسی مقصد کے تحت آپ نے مذکورہ سفر کا آغاز کیا۔ وہاں آپ کی مختلف علمی اور سیاسی شخصیتوں سے ملاقات کے نتیجہ میں سبھی آپ کے علمی رعب و دبدبہ سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے۔ اسی دوران آپ نے ایک رسالہ عقلی، فقہی اور تفسیری دس مسئلوں پر مشتمل تحریر کیا جسے محمد بن قطب الدین بن محمد بن محمد بن قاضی زادہ رومی المعروف ''قاضی عسکر'' کو ارسال کیا۔ قاضی عسکر وہاں ایک مشہور و معروف دانشور اور ادیب تھا۔ مذکورہ رسالہ پڑھنے کے بعد وہ آپ کا بے پناہ گرویدہ ہو گیا چنانچہ آپ کو اختیار دیا کہ شام، حلب اور بعلبک وغیرہ کے جس مدرسہ کو چاہیں انتخاب کریں اور لوگوں کو اپنے دریائے علم سے سیراب کریں۔ آپ نے بعلبک کے مدرسہ ''نوریہ'' کو انتخاب کیا۔

چند ماہ قسطنطنیہ میں رہائش کے دوران مشرقی روم (ترکی) کے ''اسکدرا'' نامی شہر (جس کے اور قسطنطنیہ کے مابین صرف ایک نہر کا فاصلہ تھا) کا سفر کیا اور حسب معمول اپنے تجربوں میں اضافہ کے ساتھ خدمت دین کے سلسلے کو جاری رکھا۔

شہید ثانیؒ بیک وقت مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے چنانچہ ایک زبردست ادیب، خوش فکر شاعر ہونے کے ساتھ نثر کی بھی مختلف اصناف پر قلم فرسائی کی مہارت آپ کو حاصل تھی۔ آپ جس جگہ کا سفر کرتے وہاں کی مختلف چیزوں کا بغور مطالعہ کرتے یہاں تک کہ معمولی سے معمولی چیز (مثلاً پانی کے ذائقے اور پھلوں کے رنگ) کو بھی تحریر میں لے آتے تھے۔

زیارت عتبات عالیات: ۹۵۲ھ میں آپ نے دوبارہ عراق کے سفر کا عزم کیا۔ اس سفر میں آپ کا مقصد مقامات مقدسہ کی زیارت، علماء سے ملاقات اور دوسرے علمی مشاغل تھے۔ آپ کے عراق پہنچنے کی خبر لوگوں میں عام ہو چکی تھی۔ چنانچہ آپ جس شہر میں بھی داخل ہوتے لوگوں کا جم غفیر سیلاب کے

مانند آپ کے استقبال کے لئے امنڈ پڑتا اور یہ چیز صرف مومنین ہی سے مخصوص نہیں تھی بلکہ مختلف فرقوں کے افراد بھی آپ کے دیدار کے متمنی رہتے تھے جس سے بخوبی یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے علماء اس زمانہ میں کس شہرت اور مقبولیت کے حامل تھے۔

آپ چونکہ علم نجوم کے بھی ماہر تھے لہٰذا کوفہ میں جانے کے بعد آپ کو اندازہ ہوا کہ لوگوں کے قبلے میں معمولی انحراف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کی سمت قبلہ کو درست کیا۔ سبھی نے آپ کی بات کو تسلیم کرلیا سوائے ایک شخص کے جس نے آپ کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی نماز سابق سمت کی جانب پڑھی۔ اسی رات اس نے عالم خواب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ مسجد کوفہ میں گئے اور اسی رخ پہ نماز ادا کی جسے شہید ثانیؒ نے بتایا تھا۔ چنانچہ وہ شخص اپنے کئے پر کافی پشیمان ہوا اور شہید ثانیؒ سے معذرت خواہی کی۔

عراق سے واپسی کے بعد آپ کچھ مدت تک بعلبک میں مقیم اور اس کے بعد دائمی طور سے وطن واپس ہو گئے۔

بعلبک وغیرہ میں آپ کے علمی اور ثقافتی کارناموں کی ایک مفصل فہرست ہے جسے یہاں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ مختلف فرق و مذاہب کے افراد اپنے مسائل الجھنے کی صورت میں بجائے اپنے علماء کے آپ کی جانب رجوع کرتے تھے۔

تصنیفات و تالیفات: مجموعی طور سے آپ کے قلمی آثار کی جو فہرست کتب اور رسائل کی شکل میں بیان کی جاتی ہے ان کی تعداد ۸۰ر کے آس پاس ہے جس میں عقائد، اصول فقہ، کلام، عرفان، اخلاق، فلسفہ، ہیئت، ریاضیات، ادبیات، تفسیر قرآن اور علوم حدیث وغیرہ کے موضوعات شامل ہیں۔

آپ کی شہادت کے اسباب: شیعوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر حال میں دو ناقابل انکار حقیقتوں کے اعتراف پر مجبور ہوتا ہے: **ایک** ان کے اندر انصاف اور حق پسندی کی خصلت جس کی بنیاد پر وہ بغیر کسی خوف و ہراس کے ہمیشہ سلاطین ظلم وجور کے مقابل ڈٹے رہے اور دوسرے ہر آزاد فکر رکھنے والے کے دل میں ہمارے تمام گذشتہ علماء کی محبت اور ان کی پیروی کا جذبہ پایا جانا چنانچہ جب بھی ذرہ برابر آزادی کا ماحول فراہم ہوا تو یہ چیز باقاعدہ نکھر کے سامنے آئی۔

سرزمین ایران کی طرف سلاطین کے شکنجوں سے پناہ حاصل کرنے کے اعتبار سے اور دوسری طرف حکومت آل بویہ وغیرہ (جو خود بھی شیعہ تھیں) کی مذہب وملت کے سلسلے میں بے نظیر خدمات کی وجہ سے

شیعوں کے لئے ایک پر امن اور ترقی کا مرکز تھا۔ ظاہر ہے کہ جو قوم دیواروں میں چن دئے جانے کے باوجود تخت وتاج کے پرخچے اڑا دینے کی طاقت رکھتی ہو اگر اسے معمولی سی قدرت حاصل ہو جائے تو نتیجہ کیا ہوگا اس کا اندازہ عثمانی حکومت کو باقاعدہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ بنی امیہ کا تختہ پلٹنے میں خراسانیوں کا جو کردار تھا وہ بھی اس کے پیش نظر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حلب وغیرہ جیسے شیعی علاقے پہلے ہی سے حکومت کی نظر میں تھے، مزید برآں مختلف گروہوں میں شہید ثانیؒ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور شہرت اور یہ مسلمات میں سے ہے کہ اپنے اپنے وقت کے فراعنہ کو ایک روحانی طاقت کے مقابلہ میں اپنے زر و جواہر اور تیغ و تبر کی طاقت کا خوب اندازہ ہوتا ہے لہٰذا اسے ہر لمحہ یہ خطرہ لاحق تھا کہ اگر یہ سیلاب رواں ہو گیا تو ہمارے ظلم و ستم کے قلعوں کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکے گا لہٰذا اس سے نجات کا واحد راستہ یہی ہے کہ اس جڑ کو ہی کاٹ دیا جائے جس کے زور پر یہ شاخ و برگ پھیل رہے ہیں۔ شہید ثانیؒ نے اپنی شہادت سے پہلے ہی باخبر ہو چکے تھے۔ چنانچہ نقل ہوا ہے کہ ایک مرتبہ استنبول سے گذر رہے تھے ایک مقام پہ پہنچنے کے بعد اپنے ہمرائیوں کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ''یہ وہ جگہ ہے جہاں عنقریب ایک ناحق خون بہایا جائے گا۔'' لوگوں نے آپ کی شہادت کے بعد اس امر کی تصدیق کی۔ یا اسی طریقہ سے ایک مرتبہ عالم خواب میں آپ نے سید مرتضیٰؒ کو دیکھا کہ انھوں نے محفل ضیافت منعقد کی ہے جس میں تمام گذشتہ علماء موجود ہیں چنانچہ انھوں نے شہید ثانیؒ کو بڑے احترام و اکرام سے شہید اولؒ کے بغل میں یہ کہتے ہوئے بٹھایا کہ ''یہ مقام آپ کا ہے۔''

کیفیت شہادت: حکومت کے زرخیز جاسوس ہمیشہ آپ کی تاک میں رہتے تھے لیکن یہ کام بہ آسانی ممکن نہیں تھا لہٰذا بظاہر ایک فرضی محاکمہ تیار کر کے آپ سے فیصلہ لیا گیا، آپ نے بھی حکم شریعت کے مطابق حق و ناحق کو معین کر دیا جو حکومت کے لئے ناسازگار قرار پایا چنانچہ آپ کی گرفتاری کا حکم صادر ہو گیا۔ اسی دوران آپ کو اپنے وطن کو ترک کر کے حج پہ جانے کا الہام ہوا، چنانچہ آپ سفر کے لئے روانہ ہو گئے، حکومت کے کارندے جب گرفتاری کے ارادے سے آپ کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ سفر حج کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ دشمن نے تعاقب کرنا شروع کیا یہاں تک کہ راستہ میں ایک مقام پر سب مل گئے چنانچہ اس نے آپ کو گرفتار کر کے لے جانے کا ارادہ کیا لیکن آپ نے حج تکمیل کرنے کی مہلت مانگی جس پر وہ راضی ہو گیا۔ الغرض حج مکمل ہوا اور حکومت کے نمکخوار نے حق نمک ادا کرنے کے لئے وہیں سے

آپ کو گرفتار کیا اور مقصد کی جانب روانہ ہو گیا۔ ابھی مقصد تک پہونچنے میں کچھ فاصلہ تھا کہ کسی نے آ کر اس ملعون کو خبر دی کہ جن کو تم گرفتار کر کے لائے ہو شہر میں ان کے چاہنے والوں کی تعداد بہت ہے لہٰذا تمہاری جان کو خطرہ ہے۔ اس شمر صفت انسان نے اسی مقام پر آپ کے سر کو تن سے جدا کر دیا اور اسے لیکر دربار میں پہنچا۔ لیکن چونکہ حاکم نے آپ کو زندہ گرفتار کر کے لانے کا حکم دیا تھا لہٰذا مذکورہ عمل، حکم سے سرپیچی قرار پایا اور حاکم کے حکم سے وہ ملعون واصل جہنم کر دیا گیا۔

عرض مترجم

میرا تعلق درس وتدریس سے ہے اور یہ سلسلہ پچاس سالوں پر محیط ہے۔ عرصۂ دراز سے میری خواہش تھی کہ ایسی کتاب تالیف کروں جو حصول علم میں طالب علموں کے لیے راہنما بن سکے اور وہ اساتذہ اور طلبہ دونوں کے لئے مفید ثابت ہو۔ میرے عزیز اور محترم حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید صفی حیدر صاحب قبلہ سے جب اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو انھوں نے کتاب **منیة المرید فی آداب المفید والمستفید** کی جانب توجہ مبذول کرائی اور فرمایا کہ اگر اس کتاب کا آسان اور عام فہم زبان میں ترجمہ ہو جائے تو اس مقصد کی تکمیل ہو سکتی ہے۔

کتاب **منیة المرید فی آداب المفید والمستفید** مشہور ومعروف عالم دین زین الدین بن نور الدین کی تالیف ہے جو "**شہید ثانی**" کے نام سے موسوم ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں قرآن اور احادیث کی روشنی میں تعلیم وتعلم کے وہ اصول وقوانین منضبط کئے ہیں جو ایک طالب علم کی بچپن سے لے کر آخر عمر تک تالیف وتصنیف درس وتدریس اور مسند قضا پر فائز ہونے تک رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

منابع تحقیق قرآن مجید وفرقان حمید، احادیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایات ائمہ کرام علیہم السلام اور پیشوایان دین و شرع مبین اور عقلاء وعلماء کے فرامین اور ارشادات ہیں۔

اس کتاب کی تالیف سے پہلے افاضل اور علماء نے اس موضوع سے متعلق متعدّد کتابیں تحریر کی ہیں جن میں:

۱۔کتاب **آراء اهل المدینة الفاضله والسیاسیة** ازفارابی
۲۔**رسالہ ایهاالولد** ازامام غزالی
۳۔**جامع بیان العلم و فضله** ازابن عبدالبر اُندلسی
۴۔**طراز الذهب فی آداب الطلب** ازسمعانی

شیعوں میں سب سے پہلے جس نے تعلیم وتربیت پر مستقل کتاب لکھی وہ خواجہ نصیرالدین طوسیؒ ہیں جن کی کتاب **آداب المتعلمین** ہے جونہایت مختصر ہے۔

اس کےعلاوہ کتاب **تذکرۃ السامع والمتکلم فی آداب العالم والمتعلم** ہے جسے قاضی القضاۃ بدرالدین حموی شافعی نے مرتب کیا تھااور یہ کتاب ذی الحجہ ۶۷۲ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی تھی اس کتاب میں پانچ ابواب ہیں۔شہید ثانیؒ نے غالبًا اس کتاب کو دیکھا تھا اور اسی کے مطابق اپنی کتاب **منیة المرید** کومرتب کیا ہے۔دونوں کتابیں منطقی ترتیب اورطبقہ بندی کےاعتبار سےاس موضوع سے متعلق دیگر کتب پرفوقیت اورترجیح رکھتی ہیں۔

میں نے کتاب **منیة المرید** کی **تلخیص** کا ترجمہ کیاہےجس کی ترتیب یہ ہے:

پہلاباب آداب معلم ومتعلم پر مشتمل ہے،جس میں تین فصلیں ہیں اور ہرفصل کی تین تین قسمیں ہیں۔

دوسراباب کتابت اورکتب پر مشتمل ہے۔

تیسراباب مناظرے کے بارے میں ہے۔

خاتمہ میں تین مطالب ہیں اورآخر میں **تتمۂ کتاب** ہے جس میں نصیحتیں اور بیدار کرنے کے لیے کچھ باتیں ہے۔

امید واثق ہے کہ یہ کتاب طالبان علم اورتشنگان علم ودانش کے لیےمفیداورسودمند ثابت ہوگی۔ترجمہ آسان اورعام فہم ہے۔احادیث پراعراب لگادیا گیاہے تاکہ پڑھنے میں آسانی ہو۔

قارئین کرام سےالتماس ہے کہ شہید ثانیؒ کی مرتب کردہ اس کتاب کواپنی طالب علمانہ زندگی میں مشعل راہ بنایئے اوران کے بیان کردہ اصولوں کواپنایئے۔

گرقبول افتندزهے عز و شرف

مقدمہ مؤلف

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا اور اللہ کی رحمت ہو اس کے بندہ، حبیب اور بنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو ہر سیکھنے اور سکھانے والے سے افضل ہیں اور ان کی آل پر اور ان اصحاب پر جنھوں نے اپنے آپ کو اخلاقِ پیغمبرؐ سے آراستہ کیا ہے اور ان پر سلامتی ہو۔

امابعد انسان کا کمال علم پر منحصر ہے، جس کے ذریعہ وہ آسمانی فرشتوں کی برابری کرتا ہے اور جس کے ذریعہ وہ دنیاوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اخروی درجات عالیہ کا بھی مستحق قرار پاتا ہے اور جس کے قلم کی روشنائی شہیدوں کے خون سے بڑھ کر ہوتی ہے اور جب وہ چلتا ہے تو فرشتے اس کے پیروں کے نیچے اپنے پروں کو بچھاتے ہیں اور ہوا میں پرندے اور پانی میں مچھلیاں اس کے لئے استغفار کرتی ہیں، جس کی ایک رات کی نیند عابد کی ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔

لیکن ہر علم قرب خداوندی کا سبب نہیں بنتا اور نہ ہی اس کا حاصل کرنا رضائے پروردگار کا باعث ہوسکتا ہے بلکہ اسے حاصل کرنے کے کچھ شرائط ہیں اور اس کی ترتیب کے کچھ ضوابط ہیں اور اس کے لباس سے آراستہ ہونے والے کے لئے کچھ آداب ووظائف ہیں اور طالب علم کو ان کا جاننا ضروری ہے اور مطلوب کو حاصل کرنے کے لئے ان کی طرف توجہ کرے تاکہ اس کی کوشش رائیگاں نہ جائے اور اس کی ہمت سست نہ ہو۔ اس علم شریف کے بہت سے طلب گار جنھوں نے حصول علم کی خاطر بہت کوششیں کیں اور اس کی جستجو میں کافی زحمتیں برداشت کیں اور اسے پانے کے لئے خود کو مشقت میں ڈالا لیکن ان میں سے بعض خاطر

خواہ فائدہ حاصل نہ کر سکے اور نہ ہی منزل مقصود تک ان کی رسائی ہو سکی اور ان میں سے بعض نے کافی وقت صرف کرنے کے بعد بہت کم علم حاصل کیا جبکہ وہ اس سے کم عرصے میں اس سے کئی گنا زیادہ علم حاصل کر سکتے تھے اور یہ علم ان میں سے بعض کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے مزید دوری، قساوت قلب اور تاریکی کا باعث بنا۔ حالانکہ ارشاد باری عزاسمہ ہے اور وہ اپنے قول میں صادق ہے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴾ (سورۂ فاطر/ ۲۸) ''اللہ کے بندوں میں صرف صاحبان علم ہی خوف خدا رکھتے ہیں۔'' پھر وہ کون سے اسباب اور رکاوٹیں ہیں جو انھیں کمال تک رسائی سے روک دیتی ہیں سوائے اس کے کہ انھوں نے حصول علم کے لازمی امور جیسے طلب علم کے شرائط، آداب اور دیگر احوال کی رعایت نہیں کی۔

ہم نے مناسب سمجھا کہ اس رسالہ میں شرائط اور آداب علم میں سے کچھ باتیں الگ الگ بیان کریں اور اس کے ساتھ ساتھ عالم اور طالب علم کی ذمہ داریوں کا بھی ذکر کریں۔ جو یقیناً ان لوگوں کے لئے بے حد مفید ثابت ہوں گی جو اس بارے میں غور وفکر سے کام لیں گے۔ اگر کوئی طالب علم انھیں اپنے لوح دل پر مرسوم کر لے اور انھیں ملحوظ رکھے، انھیں بار بار دہرائے تو وہ شرطیں طالب علم کو منزل مقصود تک پہنچا دیں گی کیونکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے کلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور ائمہ کرام علیہم السلام کے فرامین سے موخوذ ہیں۔ نیز انھیں علم ودانش کے ستون اور ان علماء سے لیا گیا ہے جو راسخون فی العلم ہیں اور میں نے اس کتاب کا نام ''منية المريد في آداب المفيد والمستفيد'' رکھا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور سخائے قدیم میں سے اس امر کا متمنی ہوں کہ اس کتاب کے ذریعہ میری ذات، میرے پسندیدہ اشخاص اور میرے احباب کو فائدہ پہنچے اور مسلمانوں میں سے جنھیں بھی اس کتاب تک رسائی کی توفیق ہو وہ بھی اس سے استفادہ کریں اور خدا اس کتاب کے عوض مجھے اجر جمیل اور ثواب جزیل عطا کرے اور روز قیامت مجھے سچائی کے ساتھ ثابت قدم رکھے۔ بے شک وہ سخی اور کریم ہے۔

یہ کتاب ایک مقدمہ چند ابواب اور ایک خاتمہ پر مرتب کی گئی ہے:

مقدمه

علم، عالم اور طالب علم کی فضیلت قرآن وحدیث کی روشنی میں اور خداوند عالم کے نزدیک ان افراد کی منزلت

فضیلت علم؛ قرآن کریم کی روشنی میں

یہ جان لو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری کائنات کی تخلیق کا سبب علم کو قرار دیا ہے خواہ وہ عالم بالا ہو یا عالم زیرین اور اس کی عظمت وجلالت کے لئے یہی کافی ہے کہ پروردگار عالم نے اپنی کتاب محکم میں صاحبانِ عقل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اللہُ الَّذِی خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنْ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللہَ عَلَى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیرٌ وَأَنَّ اللہَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾(۱)

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔ اس کے احکام ان کے درمیان نازل ہوتے رہتے ہیں تا کہ تم جان لو کہ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ کا علم ہر شے پر محیط ہے۔''

اور علم کی فضیلت کے لئے یہی آیت بطور دلیل کافی ہے بالخصوص علم توحید کے لئے جو ہر علم کی بنیاد اور ہر معرفت کا مدار ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے علم کو اعلیٰ شرف قرار دیا ہے اور فرزند آدم کو خلق کرنے اور اسے عدم کے اندھیروں سے نکال کر وجود کا نور عطا کرنے کے بعد سب سے پہلے اس پر یہی احسان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے نازل ہونے والے سورہ میں ارشاد فرمایا:

....

۱۔ سورۂ طلاق، آیت ۱۲۔

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ. خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اقْرَأْ وَرَبُّکَ الْأَکْرَمُ. الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ (۱)

''پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو علَق (جمے ہوئے خون) سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمھارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی اور انسان کو وہ سب کچھ بتا دیا جو اسے معلوم نہ تھا۔''

ذرا غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم و برتر کتاب کہ ''باطل نہ جس کے سامنے سے آ سکتا ہے نہ ہی پیچھے سے یہ خدائے حکیم و حمید کی نازل کردہ کتاب ہے۔'' کا آغاز کس طرح کیا ہے؟!

سب سے پہلے نعمت خلقت کا بیان ہے اس کے بعد نعمت علم کو بیان کیا ہے۔ اگر کوئی احسان یا نعمت ایسی پائی جاتی جو علم سے اعلیٰ ہوتی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نعمت خلقت کے بعد صرف علم کا ذکر نہیں کرتا (بلکہ دوسری نعمتوں کا بھی ذکر کرتا) اسی علم کے ذریعہ ہدایت کے نور اور رہنمائی کے راستے کو صراط مستقیم تک نکالا جو انسان کو کمال کی اعلیٰ منزلوں تک لے جاتا ہے اور معانی کے دقائق اور بلاغت کے حقائق سے آشنا کرتا ہے۔

اس سورہ کی ابتدائی آیتیں جن میں سے ایک آیت میں یہ ہے کہ انسان کی خلقت علقہ (جما ہوا خون) سے ہوئی ہے اور ایک آیت میں یہ ہے کہ پروردگار عالم نے اسے وہ سب سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا تو ان آیتوں کی ترتیب میں ایک بدیع اور خوبصورت نظم پیدا کرنے کی خاطر ان کے درمیان تناسب کے بارے میں چند باتیں بیان کی گئی ہیں: خداوندعالم نے پہلے انسان کی حالت اوّلیہ کا ذکر کیا ہے کہ وہ عَلَقہ تھا جو پست ترین شے ہے اور پھر اس کی آخری حالت کا بیان ہے یعنی اس کا عالم بن جانا جو بلند ترین مرتبہ ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنی پہلی حالت میں اس درجہ میں تھے جو نہایت پست تھا اور اب آخری حالت میں اس درجہ پر فائز ہو گئے ہو جو شرف اور نفاست میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے اور یہ سب اسی وقت صحیح ہے جب علم کو سب سے اعلیٰ و اشرف مرتبہ تسلیم کیا جائے۔ اگر علم سے زیادہ باشرف کوئی اور چیز ہوتی تو یہاں پر اس کا تذکرہ کرنا اولیٰ اور بہتر ہوتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ خداوندعالم نے فرمایا:

﴿وَرَبُّکَ الْأَکْرَمُ. الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾

۱۔ سورۂ علق/۱ تا ۵.

علم اصول فقہ میں یہ بات طے پا چکی ہے کہ کسی حکم کو کسی صفت کے ساتھ بیان کرنا اس بات کی غماز ہے کہ وہ صفت اس کی علّت ہے اور یہ بات دلالت کرتی ہے کہ خداوند عالم نے اکرمیت کو اپنے آپ سے مخصوص رکھا ہے اس لئے کہ اس نے انسان کو علم دیا ہے۔پس اگر کوئی شے علم سے زیادہ افضل اور عمدہ ہوتی تو اس کو''اکرمیت''جو کہ افعل تفضیل ہے کے ساتھ بیان کرنا زیادہ بہتر ہوتا۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے حق کو قبول کرنے اور اس پر باقی رہنے کی بنیاد تذّکر (نصیحت قبول کرنا) کو قرار دیا ہے اور تذّکر کو خوف خدا پر موقوف کیا ہے اور خوف خدا کو علماء میں قرار دیا ہے ارشاد باری ہے:

﴿سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَخْشَى﴾(۲)﴿وَإِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾(۳)

''عنقریب خوف خدا رکھنے والا سمجھ جائے گا۔''''بندگان خدا میں اللہ سے ڈرنے والے صرف صاحبان علم ہیں۔''

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم کا نام''حکمت''رکھ دیا ہے اور حکمت کو نہایت باعظمت قرار دیا ہے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾(۴)

''اور جسے حکمت دی گئی اسے بہت زیادہ خیر عطا کر دیا گیا۔''

''حکمت''کی تفسیر میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے حکمت میں قرآنی نصیحتیں،علم وفہم اور نبوت شامل ہے۔اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ﴾(۵)﴿وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾(۶)﴿فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾(۷)

''اور جسے حکمت دی گئی ہے اسے خیر کثیر عطا کیا گیا۔ہم نے یحییٰ کو بچپن میں نبوت دے دی تھی۔ہم نے آل ابراہیمؑ کو کتاب اور فہم کتاب عطا کی ہے۔''

ان تمام چیزوں کی بازگشت علم ہی کی طرف ہے۔(۸)

اور پروردگار نے صاحبان علم کو ہر چیز پر ترجیح دی ہے ارشاد باری ہے:

۱۔تفسیر رازی،ج/۲،ص/۱۸۶
۲۔سورۂ اعلیٰ/۱۰
۳۔سورہ فاطر/۲۸
۴۔سورۂ بقرہ/۲۶۹.
۵۔سورۂ بقرہ/۲۶۹
۶۔سورۂ مریم/۱۲.
۷۔سورۂ نساء/۵۴
۸۔ماخوذ از تفسیر رازی،ج/۲،ص/۱۷۹.

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لاَيَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ﴾(۱)

''اے نبیؐ! آپ کہہ دیجئے: کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں ان کے برابر ہو جائیں گے جو علم نہیں رکھتے ؟! بے شک صاحبان عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔''

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں دس چیزوں کے مابین فرق قرار دیا ہے:

خبیث وطیب: ﴿قُلْ لاَيَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ﴾(۲)

''اے نبیؐ فرما دیجئے کہ پاک اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں ہیں۔''

اور اندھے اور آنکھوں والے، اندھیرا اور نور، جنت اور جہنم، سایہ اور دھوپ ہرگز ایک دوسرے کے برابر نہیں ہو سکتے۔ (۳)

جب تم ان کی تفسیر میں غور کرو گے تو دیکھو گے کہ ان سب کا مرجع، علم ہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے صاحبان علم کو اپنا اور فرشتوں کا قرین قرار دیا ہے۔

﴿شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لاَإِلَهَ إِلاَّ هُوَ وَالْمَلاَئِكَةُ وَأُوْلُوا الْعِلْمِ﴾(۴)

''اللہ فرشتے اور صاحبان علم گواہی دیتے ہیں کہ سوائے اللہ کے کوئی اور معبود نہیں ہے۔'' اور مذکورہ قربت کے ساتھ ساتھ ان کے اعزاز و اکرام کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاَّ اللهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾(۵)

''اور اس کی تاویل کو اللہ اور راسخون فی العلم (پختہ علم رکھنے والے) کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا۔''

﴿كَفَى بِاللهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾(۶)

''کہہ دیجئے کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ گواہی کے لئے کافی ہے اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔''

﴿يَرْفَعِ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾(۷)

''خدا صاحبان ایمان اور جنھیں علم عطا کیا گیا ہے ان کے درجات کو بلند کرتا ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے چار طرح کے لوگوں کے لئے درجات کا ذکر کیا ہے:

۱۔سورۂ زمر/۹ ۲۔سورۂ مائدہ/۱۰۰

۳۔اشارہ ہے سورۂ فاطر آیات ۱۹ سے ۲۲ تک اور سورۂ حشر/۲۰ ۴۔سورۂ آل عمران/۱۸.

۵۔سورۂ آل عمران/۷ ۶۔سورۂ رعد/۴۳ ۷۔سورۂ مجادلہ/۱۱

۱۔ مومنینِ اہل بدر

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ...لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِم ﴾ (۱)

''صاحبان ایمان درحقیقت وہ لوگ ہیں جن کے سامنے ذکر خدا کیا جائے تو ان کے دلوں میں خوف خدا پیدا ہواور اس کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوجائے اور وہ لوگ اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔وہ لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دے ہوئے رزق میں سے انفاق بھی کرتے ہیں یہی لوگ واقعاً صاحبان ایمان ہیں اور انھیں کے لئے پروردگار کے یہاں درجات اور مغفرت اور باعزت روزی ہے۔''

۲۔ مجاہدین راہ خدا

﴿فَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً﴾(۲)

''اللہ نے اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں کے مقابل میں درجہ اور فضیلت عطا کی ہے۔''

۳۔ اعمال صالحہ بجالانے والے

﴿ وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُوْلَئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلٰى ﴾(۳)

''جو اس کے حضور صاحب ایمان بن کر حاضر ہوگا اور اس نے نیک عمل کئے ہوں گے اس کے لئے بلند ترین درجات ہیں۔''

۴۔ علماء

﴿يَرْفَعِ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَات﴾(۴)

''خدا صاحبان ایمان اور جن کو علم دیا گیا ہے ان کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے۔''

بدر والوں کو دوسرے مومنین پر کچھ درجات کے ذریعہ فضیلت حاصل ہے اور علماء کو دیگر تمام اصناف پر درجات کے ذریعہ فضیلت دی ہے،تو لازم ہے کہ علماء تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں علماء کو پانچ منقبتوں سے نوازا ہے:

۱۔انفال/۲۔۴ ۲۔سورۂ نساء/ ۹۵.

۳۔سورۂ طٰہٰ/ ۷۵ ۴۔سورۂ مجادلہ/ ۱۱

۱)ایمان

﴿وَالرَّاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ یَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ﴾(۱)

''اور جوعلم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔''

۲)توحید

﴿شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لاإِلَهَ إِلاَّ هُوَ وَالْمَلائِکَةُ وَأُوْلُوا الْعِلْمِ﴾(۲)

''اللہ،فرشتے اور صاحبانِ علم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔''

۳)گریہ اور غم

﴿إِنَّ الَّذِینَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ... وَیَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ یَبْکُونَ﴾(۳)

''جن کو اس سے پہلے علم دے دیا گیا جب ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے تو منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے کہ ہمارا رب پاک و پاکیزہ ہے اور اس کا وعدہ یقیناً پورا ہوگا اور سجدے میں گر کر گریہ وزاری کرتے ہیں۔''

۴)خشوع

﴿ وَیَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ یَبْکُون وَیَزِیدُهُمْ خُشُوعًا ﴾(۴)

''اور سجدے میں گر کر گریہ وزاری کرتے ہیں اور وہ قرآن ان کے خشوع کو بڑھا دیتا ہے۔''

۵)خوف خدا

﴿إِنَّمَا یَخْشَی اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾(۵)

''بلاشبہ اللہ کے بندوں میں جو خشیت الٰہی رکھتے ہیں وہ علماء ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو علم وحکمت دینے کے باوجود بھی انھیں حکم دیا:

﴿وَقُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً﴾(۶)

''اے پیغمبرؐ ! کہو پروردگارا! میرے علم میں اضافہ کر۔''

نیز ارشاد فرمایا:

۱۔سورۂ آل عمران/ ۷ ۲۔سورہ آل عمران/ ۱۸ ۳۔سورۂ اسراء/ ۱۰۷۔۱۰۹

۴۔سورۂ اسراء/ ۱۰۷۔۱۰۹ ۵۔سورۂ فاطر/ ۲۸ ۶۔سورۂ طٰہٰ/ ۱۱۴

﴿ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ﴾(۱)

''بلکہ یہ(قرآن)تو واضح آیتیں ہیں ان کے سینوں میں جنھیں علم عطا کیا گیا ہے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴾(۲)

''اور یہ وہ مثالیں ہیں جنھیں ہم تمام انسانوں کے لئے بیان کررہے ہیں لیکن ان کو صاحبان علم کے علاوہ کوئی اور نہیں سمجھتا ہے۔''

یہ فضائل علم کا ایک گوشہ تھا جسے پروردگار نے قرآن کریم میں نے بیان فرمایا ہے۔

....

۱۔سورۂ عنکبوت/۴۹ ۲۔سورۂ عنکبوت/۴۳

فضیلت علم، احادیث کی روشنی میں

فضیلت علم کے بارے میں بہت زیادہ احادیث ہیں جن کا حصر (احاطہ) کرنا ممکن نہیں۔

ان احادیث میں سے نبی اکرم ﷺ کے یہ اقوال ہیں:

۱) ''مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْراً یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ ''(۱)

''اللہ جسے خیر سے نوازتا ہے اسے دین میں (فقہ) سمجھ بوجھ عطا کر دیتا ہے۔''

۲) ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلیٰ کُلِّ مُسْلِمٍ ''(۲)

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض قرار دیا گیا ہے۔''

۳) مَنْ طَلَبَ عِلْماً فَادْرَکَہُ کَتَبَ اللّٰہُ لَہُ کِفْلَیْنِ مِنَ الْاَجْرِ وَمَنْ طَلَبَ عِلْماً فَلَمْ یَدْرِکْہُ کَتَبَ اللّٰہُ لَہُ کِفْلاً مِنَ الْاَجْرِ ''(۳)

''جس نے علم حاصل کیا اور اسے پالیا تو اللہ اس کے لئے اجر کے دو حصے لکھتا ہے اور جس نے علم حاصل کیا لیکن اسے نہ پاسکا تو اللہ اس کے لئے اجر کا ایک حصہ لکھ دے گا۔''

۴) ''مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَنْظُرَ اِلیٰ عُتَقَاءِ اللّٰہِ مِنَ النَّارِ فَلْیَنْظُرْ اِلیٰ الْمُتَعَلِّمِیْنَ ، فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا مِنْ مُتَعَلِّمٍ یَخْتَلِفُ اِلیٰ بَابِ الْعَالِمِ اِلَّا کَتَبَ اللّٰہُ لَہُ بِکُلِّ قَدَمٍ عِبَادَۃَ سَنَۃٍ وَبَنَی اللّٰہُ لَہُ بِکُلِّ قَدَمٍ مَدِیْنَۃً فِی الْجَنَّۃِ ،وَیَمْشِیْ عَلیٰ الْاَرْضِ وَھِیَ تَسْتَغْفِرُ لَہُ، وَیُمْسِی

....

۱۔صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ، سنن ترمذی، سنن دارمی، مجمع الزوائد، ج/۱،ص/۱۲۱، کتاب العلم

۲۔سنن ابن ماجہ، مجمع الزوائد، ج/۱،ص/ ۱۱۹۔۱۲۰، الکافی، ج/۱،ص/۳۰ کتاب فضل العلم

۳۔الترغیب والترہیب، ج/۱،ص/ ۹۶، مجمع الزوائد، ج/۱،ص/۱۲۳

وَيُصْبِحُ مَغْفُوْراً لَهُ وَشَهِدَتِ الْمَلَائِكَةُ اِنَّهُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ''(۱)

''جوجہنم سے آزادافراد کو دیکھنا پسند کرتا ہے اسے چاہئے کہ طالب علموں کو دیکھے،اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جب بھی کوئی طالب علم عالم کے دروازے پر آتا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر ہر قدم پر ایک سال کی عبادت کا ثواب لکھتا ہے اور ہر قدم کے بدلے میں جنت میں اس کے لئے ایک شہر بناتا ہے اور جب وہ زمین پر چلتا ہے تو زمین اس کے لئے استغفار کرتی ہے اور وہ بخشش کی حالت میں صبح وشام کرتا ہے اور فرشتے یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ طلبہ نار جہنم سے اللہ کے آزاد کردہ ہیں۔''

۵)مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَهُوَ كَالصَّائِمِ نَهارَهُ، الْقَائِمِ لَيْلَهُ، وَاِنَّ بَابًا مِنَ الْعِلْمِ يَتَعَلَّمُهُ الرَّجُلُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ اَنْ يَكُوْنَ اَبُوْقُبَيْسٍ ذَهَبًا فَاَنْفَقَهُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ''(۲)

''علم حاصل کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو دن کو روزے رکھتا ہے اور رات بھر عبادت کے لئے کھڑا رہتا ہے اگر کوئی شخص علم کا ایک باب سیکھتا ہے تو اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ کوہ ابوقبیس سونے کا بن جائے اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کردے۔''

۶)''مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ''

''جو اسلام کو زندہ کرنے کے لئے علم حاصل کرتا ہوا مرجائے تو اس کے اور انبیاء کے درمیان جنت میں صرف ایک درجہ کا فاصلہ ہوگا۔''(۳)

۷)''فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ سَبْعُونَ دَرَجَةً، بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ مِنْ حُضْرِ الْفَرَسِ سَبْعِيْنَ عَاماً وَذٰلِكَ لِاَنَّ الشَّيْطَانَ يَضَعُ الْبِدْعَةَ لِلنَّاسِ فَيُبْصِرُهَا الْعَالِمُ فَيُزِيْلُهَا، وَ الْعَابِدُ يُقْبِلُ عَلٰى عِبَادَتِهِ''(۴)

''عالم کو عابد پر ستر درجے زیادہ فضیلت حاصل ہے اور اس کے ہر دو درجے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ستر سال میں گھوڑا دوڑ کر طے کرے،اس کا سبب یہ ہے کہ شیطان لوگوں میں بدعت کی داغ بیل ڈالتا ہے اور جب عالم اسے دیکھتا ہے تو مٹا دیتا ہے اور عابد کو صرف اپنی عبادت سے کام رہتا ہے۔''

۱۔تفسیر رازی،ج/۲،ص/۱۸۰
۲۔تفسیر رازی،ج/۲،ص/۱۸۰
۳۔تفسیر رازی،ج/۲،ص/۱۸۰.
۴۔الترغیب والترہیب،ج/۲،ص/۱۰۲،ح/۲۶

۸)فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ، اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہُ وَ اَھْلَ السَّمٰاوَاتِ وَ الْاَرْضِ حَتَّی النَّمْلَۃِ فِی جُحْرِھَا، وَحَتَّی الْحُوْتِ فِی الْمٰاءِ لَیُصَلُّوْنَ عَلٰی مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَیْرَ''

''عالم کی فضیلت عابد پر وہی ہے جیسے میری فضیلت تمھارے ادنی ترین فرد پر ہے۔ بے شک اللہ، اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمینوں میں رہنے والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے بل میں اور مچھلی پانی میں لوگوں کو خیر اور اچھائی سکھانے والے پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔''(۱)

۹)''مَنْ خَرَجَ فِی طَلَبِ الْعِلْمِ فَھُوَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتیّٰ یَرْجِعَ''

''حصول علم کے لئے گھر سے نکلنے والا واپسی تک اللہ کی راہ میں جہاد کرتا رہتا ہے۔''(۲)

۱۰)''مَنْ خَرَجَ یَطْلُبُ بَابًا مِنَ الْعِلْمِ لِیَرُدَّ بِہٖ بَاطِلاً اِلَی الْحَقِّ وَ ضَالاًّ اِلیٰ ھُدیً کَانَ عَمَلُہُ کَعِبَادَۃِ اَرْبَعِیْنَ عَاماً.''

''جو شخص اس لئے گھر سے نکلتا ہے کہ علم کا ایک باب حاصل کرے اور اس کے ذریعہ کسی غلط کو صحیح راہ دکھادے اور گمراہ کو ہدایت پر لگادے تو اس کا یہ عمل چالیس سال عبادت کی مانند ہے۔''(۳)

۱۱)''لَاَنْ یَھْدِی اللّٰہُ بِکَ رَجُلاً وَاحِداً خَیْرٌ مِن اَنْ یَّکُوْنَ لَکَ حُمْرُ النَّعَمُ''

''اگر اللہ تمھارے ذریعہ سے کسی ایک فرد کو ہدایت دے دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تمھارے پاس سرخ اونٹوں کا ریوڑ ہو۔''(۴)

۱۲)مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

''لَاَنْ یَھْدِی اللّٰہُ بِکَ رَجُلاً وَاحِداً خَیْرٌ لَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا''(۵)

''اگر اللہ تمھارے ذریعہ سے کسی ایک فرد کو ہدایت بخش دے تو یہ تمھارے لئے دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔''

۱۳)''رَحِمَ اللّٰہُ خُلَفَائِی فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! وَمَن خُلَفَاؤکَ؟ قَال :الذِیْنَ یُحْیُوْنَ سُنَّتِی وَیُعَلِّمُوْنَھَا عِبَادَ اللّٰہِ''

''خدایا! میرے جانشینوں پر رحم فرما۔ دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپؐ نے

۱۔سنن ترمذی ج/۵،ص/۵۰، کتاب العلم ۲۔سنن ترمذی ج/۵،ص/۲۹، کتاب العلم.
۳۔امالی شیخ طوسی، ج/۲،ص/۲۳۱ ۴۔جامع بیان العلم وفضلہ ج/۱،ص/۱۴۷
۵۔تفسیر کبیر امام رازی، ج/۲،ص/۱۸۰؛ احیاء علوم الدین، ج/۱،ص/۹۶

فرمایا: جو میری سنت کو زندہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کے بندوں کو سکھاتے ہیں۔''(۱)

۱۴)''مَنْ دَعَا اِلیٰ هُدًی کَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ ،لَایَنْقُصُ ذٰلِکَ مِن اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَمَن دَعَا اِلیٰ ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلَ آثَامِ مَن تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ آثَامِهِمْ شَیْئاً.''

''جو ہدایت کی جانب بلائے گا اسے اتنا ہی اجر ملے گا جتنا پیروی کرنے والے کو ملتا ہے،اس سے ان کے اجر میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی اور جو گمراہی کی طرف بلائے گا تو اس کا بھی ویسا ہی گناہ ہوگا جیسا اس کی پیروی کرنے والے کا ہوتا ہے۔اس سے ان کے گناہوں میں ذرہ برابر کمی واقع نہ ہوگی۔''(۲)

۱۵)''اِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلاثٍ، صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهِ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُو لَهٗ''

''جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے،صدقۂ جاریہ،منفعت بخش علم،یا صالح اولاد جو مرنے والے کے حق میں دعا کرے۔''(۳)

۱۶)خَیْرٌ مَا یُخْلِفُ الرَّجُلُ مِنْ بَعْدِهِ ثَلاث: وَلَدٌ صَالِحٌ یَدْعُوْ لَهٗ وَ صَدَقَةٌ تَجْرِیْ یَبْلُغُهٗ اَجْرُهَا وَ عِلْمٌ یُعْمَلُ بِهِ مِنْ بَعْدِهِ''

''سب سے بہتر شے جسے انسان اپنے بعد چھوڑ کر جاتا ہے وہ تین ہیں:

صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے،صدقہ جاریہ جس کا اجر اسے ملتا رہے اور وہ علم جس پر اس کے بعد عمل کیا جائے۔''(۴)

۱۷)''اِنَّ الْمَلائِکَةَ لَتَضَعُ اَجْنَحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضیً بِمَا یَصْنَعُ''

''بے شک فرشتے طالب علم کے عمل سے خوش ہو کر اس کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔''(۵)

۱۸)''اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَ لَوْ بِالصِّیْنِ''

''علم حاصل کرو خواہ چین سے ملے۔''(۶)

....

۱۔جامع بیان العلم،ج/۱،ص/۱۵۵
۲۔سنن ترمذی،ج/۵،ص/۴۳،صحیح مسلم،ج/۴،ص/۲۰۶۰ کتاب العلم.
۳۔احیاء علوم الدین،ج/۱،ص/۱۰ ۴۔سنن ابن ماجہ،ج/۱،ص/۸۸
۵۔سنن دارمی،ج/۱،ص/۱۰۱ ۶۔احیاء علوم الدین،ج/۱،ص/۱۸

۱۹) ''مَنْ غَدا فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ اَظَلَّتْ عَلَیْهِ الْمَلائِکَةُ وَ بُوْرِکَ لَهُ فِی مَعِیْشَتِهِ وَ لَمْ یَنْقُصْ مِنْ رِزْقِهِ.''

''جوطلب علم میں دن گزارتا ہے فرشتے اس پر سایہ فگن رہتے ہیں، اس کے روزگار میں برکت ہوتی ہے اوراس کی روزی میں کمی واقع نہیں ہوتی۔''(۱)

۲۰) ''مَنْ سَلَکَ طَرِیْقاً یَلْتَمِسُ بِهِ عِلْماًسَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِیْقاً اِلیٰ الْجَنَّةِ''

''جوایسے راستے پر گامزن ہوجس میں وہ علم حاصل کرے تو اللہ اس کے لئے جنت کے راستے کو آسان بنادیتا ہے۔''(۲)

۲۱) ''نَوْمٌ مَعَ عِلْمٍ خَیْرٌ مِن صَلَاةٍ عَلیٰ جَهْلٍ''

''علم کے ساتھ سوجانا جہالت کے ساتھ نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔''(۳)

۲۲) ''فَقِیْهٌ اَشَدُّعَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ''

''ہزار عابدوں کے مقابلہ ایک فقیہ شیطان کے لئے زیادہ سخت ہوتا ہے۔''(۴)

۲۳) ''اِنَّ مَثَلَ الْعُلَمَاءِ فِی الْاَرْضِ کَمَثَلِ النَّجُومِ فِی السَّمَاءِ یُهْتَدیٰ فِی ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ فَاِذَا انْطَمَسَتْ اَوْشَکَ اَنْ تَضِلَّ الْهُدَاةُ''

''علماء کی مثال زمین میں ایسی ہے جیسے آسمان میں ستارے جن کے ذریعہ سے صحراؤں اور سمندروں کے اندھیروں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے اگر ستارے نہ ہوں تو امکان ہے کہ رہنمائی پانے والے گم ہو جائیں۔''(۵)

۲۴) ''مَاجُمِعَ شَیْ ءٌ اِلیٰ شَیْ ءٍ اَفْضَلَ مِنْ عِلْمٍ اِلیٰ حِلْمٍ''(۶)

''کوئی شے دوسری شے کے ساتھ ایسی افضل جمع نہیں کی گئی جیسا حلم کے ساتھ علم کو جمع کیا گیا ہے۔''

۲۵) ''مَا تَصَدَّقَ النَّاسُ بِصَدَقَةٍ مِثْلَ عِلْمٍ یُنْشَرُ''

''کسی انسان نے اس علم جیسا صدقہ نہیں دیا جسے نشر کیا جائے۔''(۷)

۱۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ج/۱،ص/۵۴
۲۔ سنن ترمذی، ج/۵،ص/۲۸
۳۔ کنز العمال، ج/۱،ص/۱۴۰
۴۔ سنن ترمذی، ج/۵،ص/۴۸
۵۔ الترغیب والترہیب، ج/۱،ص/۱۰۱
۶۔ جامع الصغیر، ج/۲،ص/۱۴۵
۷۔ الترغیب والترہیب، ج/۱،ص/۱۱۹

۲۶)''مَااَھْدٰی الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ اِلیٰ اَخِیْہِ ھَدِیَّۃً اَفْضَلَ مِنْ کَلِمَۃٍ یَزِیْدُہُ اللّٰہُ بِھَاھُدیً وَیَرُدُّہُ عَلیٰ رِدیً''

''کسی مرد مسلم نے اپنے برادر ایمانی کو ایسا ہدیہ نہیں دیا جو اس حکمت آمیز کلمہ سے افضل ہو، جس کے ذریعہ اللہ اس کی ہدایت میں اضافہ فرمادے اور اسے ہلاکت سے دور کردے۔''(۱)

۲۷)''اَفْضَلُ الصَّدَقَۃِ اَنْ یَعْلَمَ الْمَرْءُ عِلْماً ثُمَّ یُعَلِّمَہُ اَخَاہ''

''بہترین صدقہ یہ ہے کہ انسان علم حاصل کرے پھر اسے اپنے بھائی کو سکھائے''(۲)

۲۸)''قَلِیْلُ الْعِلْمِ خَیْرٌ مِنْ کَثِیْرِ الْعِبَادَۃِ''

''کم علم، زیادہ عبادت سے بہتر ہے۔''(۳)

۲۹)''ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے گئے تو آپؐ نے دیکھا کہ مسجد میں دو طرح کی نشستیں جمی ہوئی ہیں۔ایک نشست میں فقہ کی باتیں ہو رہی ہیں اور ایک نشست میں اللہ سے دعا کی جارہی ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا:

دونوں نشستیں اچھی ہیں (سب خیر ہیں) لیکن یہ لوگ محض اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور وہ لوگ سیکھ رہے اور جاہل کو سکھا رہے ہیں وہ لوگ افضل ہیں۔ مجھے تعلیم دینے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ پھر آنحضرتؐ بھی اس بزم میں بیٹھ گئے۔''(۴)

۳۰) یہ حدیث صحیح سلسلہ سند سے بیان کی گئی ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام اپنے آباء واجداد سے اور وہ نبی اکرمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، جہاں سے بھی علم ملے اسے حاصل کرلو، اور صاحبان علم سے علم طلب کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا سیکھنا نیکی ہے، اس کا حصول عبادت ہے، اس کا مذاکرہ تسبیح ہے، اس پر عمل کرنا جہاد ہے، جو نہیں جانتا اسے سکھانا صدقہ ہے اور جو مستحق ہیں ان کو علم عطا کرنا قربت خداوندی کا سبب ہے، اس لئے کہ اسی سے حلال وحرام کی پہچان ہوتی ہے اور یہی جنت کے راستے کا مینار ہے، وحشت میں مونسِ تنہائی، مسافرت میں ساتھی ،خلوت میں

....

۱۔جامع بیان العلم وفضلہ، ج/۱،ص/۳۷

۲۔سنن ابن ماجہ، ج/۱،ص/ ۸۹

۳۔جامع الصغیر، ج/۲،ص/۱۸۷ و جامع بیان العلم وفضلہ، ج/۱،ص/۲۰

۴۔الفقیہ والتفقہ ، ج/۱،ص/۱۷،سنن ابن ماجہ، ج/۱،ص/۸۳،احیاء علوم الدین، ج/۱،ص/۱۰

ہم کلام، راحت و مصیبت میں راہنما، دشمن کے لئے ہتھیار، احباب کے لئے زینت ہے، علم کے ذریعہ اللہ اقوام کو رفعت عطا کرتا ہے تو انھیں خیر میں قائد بنا دیتا ہے جس کے آثار کا پتا چلایا جاسکتا ہے، جن کی کارکردگیوں کی اقتدا کی جاسکتی ہے اور ان کی رائے تک پہنچا جاسکتا ہے، فرشتے صاحبان علم کی رفاقت کو پسند کرتے ہیں اپنے پَروں سے انھیں مس کرتے ہیں اور اپنے درود میں ان کے لئے برکت کی دعا کرتے ہیں۔ ہر خشک و تر ان کے لئے مغفرت طلب کرتا ہے، یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور اس کے جانور، خشکی کے درندے اور اس کے چوپائے۔ بے شک علم دلوں کی حیات ہے جہالت سے، آنکھوں کی ضیاء ہے ظلمت سے، بدن کی قوت ہے ضعف سے، یہ بندوں کو پسندیدہ افراد کی منزلوں اور نیکوکاروں کی مجلسوں اور دنیا و آخرت کے بلند درجات تک پہنچاتا ہے اور علمی گفتگو روزوں کے مساوی ہے اور اس کی درس و تدریس قیام کی مانند ہے، اسی کے ذریعہ رب کی اطاعت و عبادت ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ صلۂ رحمی کی جاتی ہے اور حلال و حرام کی معرفت ہوتی ہے، علم امام ہے اور عمل اس کا پیروکار، نیکوکاروں کو علم کا الہام ہوجاتا ہے اور بدبختوں کو اس سے محروم رکھا جاتا ہے، قابل مبارکباد ہے وہ جسے اللہ نے علم سے محروم نہیں رکھا۔‘‘(۱)

احادیث امیر المومنین علی علیہ السلام

۳۱)’’اے لوگو! جان لو کہ دین کا کمال یہ ہے علم حاصل کرو اور اس پر عمل کرو، آگاہ ہوجاؤ کہ تم پر علم کا حاصل کرنا مال حاصل کرنے کی بہ نسبت زیادہ ضروری ہے، مال کی تقسیم ہوچکی اور اس کی ضمانت دی جاچکی ہے اور عادل پروردگار نے اسے تمھارے درمیان تقسیم کر دیا ہے اور اس کی ضمانت لے لی ہے اور وہ عنقریب تمھیں مل جائے گا۔ جہاں تک علم کا تعلق ہے تو وہ صاحبان علم کے پاس محفوظ ہے اور تمھیں حکم دیا گیا ہے کہ اسے صاحبان علم سے حاصل کرو۔‘‘(۲)

۳۲)’’**اَلْعَالِمُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْمُجَاهِدِ وَاِذَامَاتَ الْعَالِمُ ثُلِمَ فِي الْاِسْلَام ثُلْمَةٌ لَايَسُدُّهَا اِلَّا خَلَفٌ مِنْهُ**‘‘(۳)

’’عالم، روزہ دار، عابد شب زندہ دار اور مجاہد سے افضل ہے۔ جب کوئی عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے جسے کوئی اور پر نہیں کرسکتا ہے سوائے اس کے کہ کوئی اس کا جانشین آجائے۔‘‘(۴)

۱۔ بحار الانوار، ج/۱، ص/۱۷۱
۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۰
۳۔ بصائر الدرجات، ص/۴، ح/۱۰
۴۔ معجم الادباء، ج/۲، ص/۱۸۲، دشور معالم الحکم/۲۴.

۳۳) ''کَفٰی بِالْعِلْمِ شَرَفاً اَنْ یَدَّعِیَهِ مَنْ لَایُحْسِنُه وَیَفْرَحُ بِهٖ اِذَانُسِبَ اِلَیْهِ وَکَفٰی بِالْجَهْلِ ذَمّاً یَبْرأُمِنْهُ مَنْ هُوَ فِیْهِ''

علم کے شرف کے لئے یہی کافی ہے کہ جوعلم میں مہارت نہیں رکھتا وہ بھی دعوائے علم کرتا ہےاور اگرعلم کی نسبت اس کی طرف دی جاتی ہےتو خوش ہوجاتا ہےاور جہالت کی مذمت کے لئے یہی کافی ہے کہ جوشخص جہالت میں ڈوبا ہوتا ہےوہ بھی اس سے بیزاری چاہتا ہے۔''(۱)

۳۴) امیرالمومنین علیہ السلام نے کمیل بن زیاد سے فرمایا:

''یا کُمَیْلُ ! اَلْعِلْمُ خَیْرٌ مِنَ الْمَالِ ،اَلْعِلْمُ یَحْرُسُکَ وَاَنْتَ تَحْرُسُ الْمَالَ وَالْعِلْمُ حاکِمٌ وَالْمَال مَحْکُوم عَلَیْهِ وَالْمَال تُنَقِّصُهُ النَّفَقَةُ وَالْعِلْمُ یَزْکُوْ عَلَی الْاِنْفَاقِ''

''اے کمیل !علم مال سے بہتر ہے کیوں کہ علم تمھاری حفاظت کرتا ہےاورتم مال کی حفاظت کرتے ہو، علم حاکم اور مال محکوم ہے، مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہےاورعلم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔''

۳۵) ''اَلْعِلْمُ اَفْضَلُ مِنَ الْمَالِ بِسَبْعَةٍ :اَلْاَوَّلُ اِنَّهُ مِیْرَاثُ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمَالُ مِیْرَاثُ الْفَرَاعِنَةِ الثانی :اَلْعِلْمُ لا یَنْقُصُ بِالنَّفَقَةِ وَالْمَالُ یَنْقُصُ بِهَاالثَّالِثُ:یَحْتَاجُ الْمَالُ اِلیٰ الْحَافِظِ وَالْعِلْمُ یَحْفَظُ صَاحِبَهُ الرَّابِعُ:اَلْعِلْمُ یَدْخُلُ فِی الْکَفَنِ وَیَبْقَی الْمَالُ اَلْخَامِسُ:اَلْمَالُ یَحْصُلُ لِلْمُؤمِنِ وَلِلْکَافِرِ وَالْعِلْمُ لا یَحْصُلُ اِلَّالِلْمُؤمِنِ السَّادِسُ:جَمِیْعُ النَّاسِ یَحْتَاجُوْنِ اِلیٰ الْعَالِمِ فِی اَمْرِ دِیْنِهِمْ وَلَایَحْتَاجُوْنَ اِلیٰ صَاحِبِ الْمَالِ السَّابِعُ:اَلْعِلْمُ یُقَوِّی الرَّجُلَ عَلَی الْمُرُوْرِ عَلَی الصِّرَاطِ وَالْمَال یَمْنَعُهُ .''

''علم سات اعتبار سے مال سے افضل ہے:

پہلا: علم انبیاء کی میراث ہےاور مال فرعونیوں کی وراثت ہے۔
دوسرا: علم خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا ہے جب کہ مال خرچ کرنے سے کم ہوجاتا ہے۔
تیسرا: مال کی حفاظت کرنی پڑتی ہےاورعلم خودصاحب علم کی حفاظت کرتا ہے۔
چوتھا: علم مرنے والے کے ساتھ کفن میں داخل ہوتا ہے جب کہ مال دنیا ہی میں باقی رہ جاتا ہے۔
پانچواں: مال مومن وکافر دونوں حاصل کرسکتے ہیں جب کہ علم (حقیقی) صرف مومن کوملتا ہے۔

۱۔نہج البلاغہ،ص/۴۹۶،قسم الحکم الحکمہ /۱۴۷،وتحف العقول/۱۱۸،واحیاءعلوم الدین،ج/۱،ص/۷

چھٹا: تمام لوگ دینی امور میں عالم کے محتاج ہوتے ہیں لیکن وہ مالدار کے محتاج نہیں ہوتے۔

ساتواں: علم پل صراط سے گذرنے کرنے کے لئے انسان کو قوی بناتا ہے جب کہ مال اسے گذرنے سے روک دیتا ہے۔(۱)

۳۶)نیز ارشاد فرمایا:

"قِيْمَةُ كُلِّ امْرِءٍ مَا يُعَلِّمُهُ "فِي لَفْظٍ اٰخَرَمَا يُحْسِنُهُ.

"ہر شخص کی قدر و قیمت اس کے علم کی بنیاد پر ہوتی ہے۔" یا دوسرے لفظوں میں جسے وہ اچھی طرح انجام دیتا ہے۔(۲)

۳۷)امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام سے روایت ہے:

"لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي طَلَبِ الْعِلْمِ لَطَلَبُوْهُ وَلَوْ بَسَفْكِ الْمُهَجِ وَخَوْضِ اللُّجَجِ اِنَّ اللّٰه تَعَالىٰ اَوْحىٰ اِلىٰ دَانِيَالِ اِنَّ اَمْقَتَ عِبَادِي اِلَيّ الْجَاهِلُ الْمُسْتَخِفُّ بِحَقِّ اَهْلِ الْعِلْمِ التَّارِكُ لِلْاِقْتَدَاءِ بِهِمْ وَاِنَّ اَحَبَّ عَبِيْدِي اِلَيّ التَّقِيُّ الطَّالِبُ لِلثَّوَابِ الْجَزِيْلِ وَاللَّازِمُ لِلْعُلَمَاءِ ،التَّابِعُ لِلْحُلَمَاءِ الْقَابِلُ عَنِ الْحُكَمَاءِ"

"اگر انسانوں کو پتا چل جائے کہ علم حاصل کرنے کا کیا فائدہ ہے تو وہ طلب علم میں لگ جائیں خواہ اس کی خاطر انھیں خون بہانا پڑے اور سمندر کے گہرائیوں میں اترنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت دانیال کو وحی کی: میرے بندوں میں میرے نزدیک سب سے ناپسندیدہ وہ لوگ ہیں جو جاہل ہیں، صاحبان علم کے حق کو ہلکا سمجھتے ہیں، ان کی اقتدا نہیں کرتے ہیں اور میرے بندوں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ہے جو پرہیزگار ہو۔ زیادہ ثواب کا طلب گار ہو، علماء سے رابطہ رکھتا ہو، حلیم افراد کا تابع ہو اور دانش مندوں کی باتوں کو ماننے والا ہو۔"(۳)

۳۹) امام باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

۳۸)امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے:

" عَالِمٌ يَنْتَفِعُ بِعِلْمِهِ اَفْضَلُ مِن سَبْعِيْنَ اَلْفَ عَابِدٍ"

۱۔تفسیر رازی، ج/۲،ص/۱۸۳۔۱۸۲۔ ۲۔نہج البلاغہ حکمت/ ۸۱ و غرر الحکم حدیث/۵۲۔۶۸
۳۔الکافی، ج/۱،ص/ ۳۵

وہ عالم جس کے علم سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے وہ ستر ہزار عبادت گذاروں سے افضل ہے۔'' (۱)

۴۰)امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''اِنَّ الَّذِیْ یُعَلِّمُ الْعِلْمَ مِنْکُم لَهُ اَجْرُ الْمُتَعِلِّمِ ،وَلَهُ الْفَضْلُ عَلَیْهِ فَتَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ مِنْ حَمَلَةِ الْعِلْمِ وَعَلِّمُوْهُ اِخْوَانَکُمْ کَمَا عَلَّمَکُوْهُ الْعُلَمَاءُ''

''تم میں جو بھی کسی کو تعلیم دیتا ہے اس کے لئے طالب علم جتنا اجر ہے اور معلم کو طالب علم پر فضیلت حاصل ہے۔ پس تم پر لازم ہے کہ حاملین علم سے علم حاصل کرو اور اپنے برادران ایمانی کو اسی طرح پڑھاؤ جس طرح علماء نے تمھیں علم سے آراستہ کیا ہے۔'' (۲)

۴۱)امام باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''لَمَجْلِسٌ اَجْلِسُهُ اِلیٰ مَنْ اَثِقُ بِهِ اَوْثَقُ فِی نَفْسِی مِنْ عَمَلِ سَنَةٍ''

وہ بزم جس میں، میں اپنے قابل بھروسہ شخص کے ساتھ بیٹھوں میرے نزدیک ایک سال کے عمل سے زیادہ مستند ہے۔'' (۳)

۴۲)ابوبصیر امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

''مَنْ عَلَّمَ خَیْراً فَلَهُ مِثْلُ اَجرِ مَنْ عَمِلَ بِهِ قُلْتُ فَاِنْ عَلَّمَهُ غَیْرَهُ یَجْرِی ذٰلِکَ لَهُ قَالَ اِنْ عَلَّمَهُ النَّاسَ کُلَّهُمْ جَریٰ لَهُ قُلْتُ فَاِنْ مَاتَ قَالَ وَاِنْ مَاتَ.''

''جو شخص کسی کو خیر کی تعلیم دے تو اسے اس پر عمل کرنے والے جیسا اجر ملے گا۔ میں نے سوال کیا کہ اگر وہ کسی اور کو سکھائے تو کیا اس پہلے سکھانے والے کو بھی ثواب ملے گا؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر وہ تمام انسانوں کو تعلیم دے پھر بھی اسے ثواب ملتا رہے گا۔ میں نے دریافت کیا: اگر وہ مر جائے؟ تو آپؑ نے فرمایا: اگر وہ مر جائے تب بھی اسے ثواب ملتا ہے۔'' (۴)

۴۳)امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''تَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ فَاِنْ لَمْ یَتَفَقَّهْ مِنْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَهُوَ اَعْرَابِیٌّ وَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ فِی کِتَابِهِ ﴿لِیَتَفَقَّهُوا فِی الدِّینِ وَلِیُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُونَ﴾

۱۔الکافی، ج/۱،ص/۳۳ وبصار الدرجات/۶ ۲۔الکافی، ج/۱،ص/۳۵،حدیث/۲
۳۔الکافی، ج/۱،ص/۳۹،حدیث/۵ ۴۔الکافی، ج۱،ص۳۵.

''تم لوگ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرو، اگر تم میں سے کسی نے دین سے واقفیت حاصل نہیں کی تو وہ اعرابی (بدو اور جاہل) ہے۔'' اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

''انھیں چاہئے کہ وہ دین میں فہم حاصل کریں اور پھر جب اپنی قوم کی طرف پلٹیں تو انھیں عذاب الٰہی سے ڈرائیں شاید وہ اسی طرح ڈرنے لگیں۔''(۱)

۴۴) امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُم بِالتَّفَقُّهِ فِى دِيْنِ اللّٰهِ وَلَا تَكُوْنُوا اَعْرَاباً فَاِنَّهُ مَنْ لَّم يَتَفَقَّهُ فِى دِيْنِ اللّٰهِ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اَلَيْهِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَمْ يُزَكِّ لَهُ عَمَلاً''

تمھیں چاہئے کہ اللہ کے دین کا فہم حاصل کرو اور اس سے ناآشنا نہ رہو اس لئے کہ جو دین خدا کا فہم حاصل نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت اسے نظر انداز کر دے گا اور اس کے عمل کو پاکیزہ نہیں بنائے گا۔''(۲)

۴۵) امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''لَوَدَدْتُ اِنَّ اَصْحَابِى ضُرِبَتْ رُؤُوْسُهُمْ بِالسِّيَاطِ حَتّٰى يَتَفَقَّهُوْا''

''میں اس بات کو پسند کرتا ہوں میرے اصحاب کے سر پر کوڑے مارے جائیں یہاں تک کہ وہ تفہیم دین حاصل کرلیں۔''(۳)

۴۶) نیز ارشاد فرمایا: علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ احادیث کا وارث قرار دیتے ہیں جس نے حدیث میں سے کچھ لے لیا اسے وافر حصہ مل گیا، تمھیں اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ تم حدیث کا علم کس سے حاصل کر رہے ہو۔ اس لئے کہ ہم اہل بیت علیہم السلام میں سے بعد میں آنے والی نسل سے ایسے انصاف پرور لوگ موجود رہیں گے جو حدیث میں غالیوں کی تحریفات اور باطل پسندوں کے علمی سرقے اور جاہلوں کی تاویلوں کو دور کرتے رہیں گے۔''(۴)

۴۷) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْراً فَقَّهَهُ فِى الدِّيْنِ''(۵)

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۵، حدیث/۱۱
۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۱، حدیث/۲
۳۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۱، حدیث/۷
۴۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۱
۵۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۲، حدیث/۲

''اللہ جب کسی بندے کے لئے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کا فہم عطا کرتا ہے۔''

۴۸)معاویہ بن عمار نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ایک شخص آپؑ کی حدیث نقل کرتا ہے اور اسے لوگوں کے درمیان نشر کرتا ہے اور اسے ان کے دلوں اور آپ کے شیعوں کے دلوں میں جاگزیں کرتا ہے اور ہوسکتا ہے آپ کے شیعوں میں سے ایک ایسا عابد بھی ہو جس کے پاس اس قسم کی روایت نہیں ہے تو ان دونوں میں کون افضل ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ہماری حدیث نقل کرنے والا۔ روایت کے ذریعہ ہمارے شیعوں کے دلوں کو مضبوط بناتا ہے وہ ہزار عبادت گذاروں سے افضل ہے۔''(۱)

۴۹)امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مَا مِنْ اَحَدٍ یَمُوْتُ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَحَبَّ اِلیٰ اِبْلِیْسَ مِنْ مَوْتِ فَقِیْهٍ''

''مومنین میں کسی کی موت بھی ابلیس کو فقیہ کی موت سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہوتی۔''(۲)

۵۰)امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اِذَامَاتَ الْمُؤْمِنُ الْفَقِیْهُ ثُلِمَ فِی الْاِسْلَامِ ثُلْمَةٌ لَا یَسُدُّهَا شَیْءٌ''

''جب کسی مومن فقیہ کی موت واقع ہوتی ہے تو اسلام میں ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے جسے کوئی شے پر نہیں کر سکتی۔''(۳)

۵۱)امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''اِذَا مَاتَ الْمُؤْمِنُ بَکَتْ عَلَیْهِ الْمَلَائِکَةُ وَبِقَاعُ الْاَرْضِ الَّتِیْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰهَ عَلَیْهَا وَاَبْوَابُ السَّمَاءِ الَّتِیْ کَانَ یَصْعَدُ مِنْهَا اَعْمَالُهُ وَثُلِمَ فِی الْاِسْلَامِ ثُلْمَةٌ لَا یَسُدُّهَا شَیْءٌ لِاَنَّ الْمُؤْمِنِیْنَ الْفُقَهَاءَ حُصُوْنُ الْاِسْلَامِ کَحِصْنِ سُوْرِ الْمَدِیْنَةِ بِهَا.''

''جب کسی مومن کا انتقال ہوتا ہے تو اس پر ملائکہ اور زمین کا وہ حصہ جس پر وہ عبادت کیا کرتا تھا اور آسمان کے وہ دروازے جس سے اس کے اعمال اوپر جاتے تھے اس پر گریہ کرتے ہیں اور اس کے مرنے سے اسلام میں ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے جسے کوئی بھی شے پر نہیں کر سکتی اس لئے کہ صاحب ایمان فقہاء، اسلام کے مضبوط قلعہ ہیں جس طرح شہر کی فصیل (چہار دیواری) شہر کی محافظ ہوتی ہے۔''(۴)

۱۔الکافی، ج/۱،ص/۳۳،حدیث/۹ ۲۔الکافی، ج/۱،ص/۳۸،حدیث/۱،۴

۳۔الکافی، ج/۱،ص/۳۸.

۴۔ الکافی، ج/۱،ص/۳۸،حدیث/۳

۵۲) نیز فرمایا: ''ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک شخص کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے دریافت یہ کون ہے؟ کہا گیا: علامہ، آنحضرتؐ نے فرمایا: علامہ کیا ہوتا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ عرب کے نسب اور واقعات سے واقفیت رکھنے والا اور جاہلیت کے ایام اور عربی اشعار کا جاننے والا۔ امامؑ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ فرمایا: ''یہ ایک ایسا علم ہے کہ اس کے نہ جاننے والے کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے اور جاننے والے کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا'' اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّمَا الْعِلْمُ ثَلاثَةٌ: آيَةٌ مُحْكَمَةٌ اَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ اَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ وَمَا خَلاهُنَّ فَهُوَ فَضْلٌ''

''علم بس تین طرح کا ہوتا ہے: ۱۔ محکم نشانیاں (اصول عقائد)، ۲۔ یا عادلانہ فریضہ (علم اخلاق)، ۳۔ یا استوار و قائم سنت (احکام شرعی) اور ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ فضل ہے۔'' (۱)

....

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۲، حدیث/۱

پہلا باب

معلم اور متعلم کے آداب

اس کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم: معلم اور متعلم کے درمیان مشترک آداب

دوسری قسم: طالب علم سے مخصوص آداب

تیسری قسم: معلم سے مخصوص آداب

پہلی فصل

معلم اور متعلم کے درمیان مشترک آداب

ان کی دو قسمیں ہیں:

- معلم اور متعلم کی ذات سے متعلق آداب
- درس و بحث کے دوران استاد اور شاگرد کے آداب

پہلی قسم

معلم اور متعلم کی ذات سے متعلق آداب

ا۔ تعلیم و تعلم کے وقت اپنی نیت کو خدا کے لئے خالص کرنا

پہلی چیز جو ان دونوں پر لازم ہے وہ یہ ہے کہ علم طلب کرنے اور اسے عطا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی نیّت کو خالص کریں اس لئے کہ اعمال کا دار ومدار نیّتوں پر ہے اور اسی نیت کی وجہ سے عمل کبھی تو (خزف) ٹھیکری کی مانند بے قیمت ہو جاتا ہے اور کبھی گوہر کی طرح ہو جاتا ہے جس کی منزلت کے سبب اس کی قدر قیمت کا تعین ممکن نہیں ہوتا ہے اور کبھی یہی عمل، بجالانے والے کے لئے وبال بن جاتا ہے اور اسے برائیوں کے دفتر میں مندرج کر دیا جاتا ہے خواہ اس کا تعلق واجبات سے ہی کیوں نہ ہو۔

لہٰذا طالب علم اور معلّم پر لازم ہے کہ اپنے عمل میں رضائے الٰہی، اس کے حکم کی تعمیل، اپنے نفس کی اصلاح اور بندگانِ خدا کو تعلیمات دینی کی طرف ہدایت کا ارادہ کریں اور اس علم کے ذریعہ متاعِ دنیا ان کا مقصود نہ ہو جیسے مال حاصل کرنا، یا جاہ و منزلت یا شہرت یا اپنے جیسے لوگوں سے امتیازی شان حاصل کرنا، یا معاصرین سے فخر ومباہات کرنا یا دینی بھائیوں کے مقابل میں بلندی چاہنا اور اس قسم کے دیگر فاسد اغراض ومقاصد جو خداوند عالم کی جانب سے رسوائی اور اس کی ناراضی کا سبب بنیں اس طرح وہ آخرت کے گھر اور دائمی ثواب سے محروم ہو جائے گا اور ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جو سراسر خسارے میں رہتے ہیں:

﴿الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾(۱)

....

۱۔ سورۂ کہف/۱۰۴۔

''جن کی تمام تر کوششیں دنیاوی زندگی میں برباد ہوگئیں جب کہ وہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ نیک عمل بجالا رہے ہیں۔''

اس سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اقوال کو ذیل میں بیان کیا جارہا ہے:

۱) ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَا نَوىٰ،فَمَنْ کَانَ هِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهُ اِلىٰ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ......''

''بے شک تمام اعمال کا دارومدار نیتّوں پر ہے، ہر شخص کو ویسا ہی اجر ملے گا جیسی اس کی نیّت ہوگی۔ اگر کسی نے اللہ اور رسول کی جانب ہجرت کی ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہے اور اگر اس کی ہجرت کا مقصد دنیا کا حصول یا کوئی عورت ہو جس سے وہ شادی کرنا چاہتا ہو تو اس کی ہجرت کا مقصود وہ ہوگا جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہے۔''(۱)

اور یہ حدیث اسلام کے اصول میں سے ہے، اس کی ایک بنیاد اور اس کا پہلا ستون ہے کہ یہی ایک تہائی علم ہے۔

بعض فضلاء نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ بندہ جب کچھ کسب کرتا ہے تو اس کا تعلق اس کے دل، زبان اور انگلیوں سے ہوتا ہے پس کسی شے کو حاصل کرنے کے تین طریقوں میں سے ایک نیت ہے اور یہ ان میں سب سے زیادہ وزنی ہے اس لئے کہ دوسرے دو اقسام کے برخلاف یہ فی نفسہ عبادت بن جاتی ہے۔

گذشتہ بزرگ علماء اور ان کے تابعین کی ایک جماعت اپنی کتابوں کا آغاز اسی حدیث سے کرنے کو پسند کرتے تھے تا کہ ہر مطالعہ کرنے والے کو حسنِ نیت اور اس کی صحت کی جانب متوجہ کیا جائے اور اس کے اہتمام کی جانب توجہ دلائی جائے۔

۲)''نِیَّةُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ''

''مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔'' اور دوسرے الفاظ میں اس طرح فرمایا ''اَبْلَغُ مِنْ عَمَلِهٖ'' یعنی اس کے عمل سے زیادہ رسا ہے۔(۲)

۳) ''اِنَّمَا یُبْعَثُ النَّاسُ عَلىٰ نِیَّاتِهِمْ''

....

۱۔صحیح بخاری، ج/۱،ص/۱۷.
۲۔الکافی، ج/۳،ص/۸۴،حدیث/۲.

''لوگوں کو ان کی نیتوں کی بنیاد پر مبعوث کیا جائے گا۔''(۱)

اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل نے خبر دی اور اللہ نے جبرئیل سے کہا:

''اَلْاِخْلَاصُ سِرٌّ مِنْ اَسْرَارِیْ اِسْتَوْدَعْتُهُ قَلْبَ مِنْ اَحْبَبْتُ مِنْ عِبَادِیْ''

''اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے میں اپنے بندوں میں جسے محبوب رکھتا ہوں اسے اس کے دل میں ودیعت کر دیتا ہوں۔''(۲)

۴) ''روز قیامت انسانوں میں پہلا شخص جس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا وہ ایک شہید ہوگا۔ اسے لایا جائے گا۔ اسے اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی اور وہ ان نعمتوں کو پہچانے گا پھر اس سے سوال ہوگا: تم نے ان نعمتوں کو پا لینے کے بعد کیا عمل کیا؟ تو وہ جواب دے گا: میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ تو کہا جائے گا: تم جھوٹ بول رہے ہو تمھارے جہاد کا مقصد یہ تھا کہ تمھیں ''جری'' کہا جائے اور تمھیں ایسا ہی کہا گیا۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔ اس کے بعد ایک شخص جس نے علم حاصل کیا اور اسے دوسروں کو سکھایا اور قرآن کی تلاوت کی، اسے لایا جائے گا۔ اسے نعمتیں یاد دلائی جائیں گی وہ ان نعمتوں کو پہچانے گا سوال ہوگا: تم نے ان نعمتوں کو پا لینے کے بعد کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم حاصل کیا اور اسے دوسروں کو سکھایا اور اظہار نعمت کے طور پر قرآن کی تلاوت کی تو کہا جائے گا: تم جھوٹ بول رہے ہو تم نے علم حاصل کیا تا کہ تمھیں ''عالم'' کہا جائے اور قرآن پڑھا تا کہ قاری کہلاؤ اور تمہیں ایسا ہی کہا گیا۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے۔''(۳)

۵) ''مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً مِمَّا يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ اِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ غَرَضاً مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عُرُفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ''

''جو شخص ایسا علم حاصل کرے جس سے خوشنودی پروردگار حاصل کر سکتا ہو لیکن وہ اسے اس لئے سیکھے کہ اس سے مال دنیوی حاصل کرے تو وہ روز قیامت جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ پائے گا۔''(۴)

۱۔ سنن ابن ماجہ، ج/۲، ص/۱۴۱۴۔
۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۴، ص/۳۲۲۔
۳۔ تفسیر قرطبی، ج/۱، ص/۱۸ و مسند احمد بن حنبل، ج/۲، ص/۱۳۲۲۔
۴۔ کنز العمال، ج/۱۰، ص/۱۹۳ و سنن ابن ماجہ، ج/۱، ص/۹۳۔۹۲۔

۶) ''مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً بِغَيْرِ اللّٰهِ وَاَرَادَ بِهٖ غَيْرَ اللّٰهُ فَلْيَتَبَوَّأ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ''

''جو شخص غیر خدا کے لئے علم حاصل کرے اور اس کا ہدف بھی اس کے حصول سے غیر خدا ہو تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔''(۱)

۷)''مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِیَ بِهٖ الْعُلْمَاءَ اَوْلِيُمَارِیَ بِهٖ السُّفَهَاءَ اَوْيُصَرِّفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ وَفِی رِوَايَةٍ: فَلْيَتَبَوَّأ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ''

''جو شخص علم حاصل کرے تا کہ اس کے ذریعہ علماء سے مقابلہ کرے یا احمقوں سے جھگڑا کرے یا لوگوں کی توجہات کو اپنی جانب مبذول کرے تو اللہ ایسے شخص کو جہنم میں ڈال دے گا۔'' اور ایک روایت میں یہ ہے کہ: ''اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم کو بنالے۔''(۲)

۸) تم علم اس لئے حاصل نہ کرو کہ اس کے ذریعہ احمقوں سے جھگڑا کرو اور علماء سے جدال کرو اور اس کے ذریعہ عوام الناس کا رخ اپنی جانب پھیر لو، تم اپنی گفتار سے وہ کچھ حاصل کرو جو اللہ کے پاس ہے اس لئے کہ وہ دائمی اور باقی رہنے والا ہے اور اس کے علاوہ ہر شے فنا ہو جانے والی ہے، تم دانائی کا سرچشمہ، ہدایت کا چراغ، گھروں کے محافظ، چراغ شب، دلوں کی علامت اور بوسیدہ لباس کے مانند رہو۔ آسمان والوں میں پہچانے جاؤ اور زمین والوں کے نزدیک مخفی اور گمنام رہو۔(۳)

۹) جو شخص چار چیزوں کے لئے علم حاصل کرے گا وہ واصل جہنم ہوگا: اس علم کے ذریعہ علماء کے مقابل فخر ومباہات کرے یا احمقوں سے جھگڑا کرے یا عوام الناس کا رخ اپنی جانب پھیر لے یا امیروں اور مالداروں سے کچھ حاصل کرے۔(۴)

۱۰) ''مَاازْدَادَ عَبْدٌ عِلْماً فَازْدَادَ فِی الدُّنْيَا رَغْبَةً اِلَّا ازْدَادَ مِنَ اللّٰهِ بُعْداً''

''جو بندہ علم زیادہ حاصل کرے اور اس کے ساتھ ساتھ دنیا سے اس رغبت بڑھ جائے تو اللہ سے اس کی دوری بڑھتی چلی جاتی ہے۔''(۵)

۱۱) ''كُلُّ عِلْمٍ وَبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَلَّا مَنْ عَمِلَ بِهٖ''(۶)

۱۔ سنن ترمذی، ج/۵، ص/۳۳ و سنن ابن ماجہ، ج/۱، ص/۹۵.
۲۔ کنز العمال، ج/۱۰، ص/۲۰۱. ۳۔ سنن دارمی، ج/۱، ص/۸۰.
۴۔ سنن دارمی، ج/۱، ص/۱۰۳. ۵۔ سنن دارمی، ج/۱، ص/۱۰۷.
۶۔ الترغیب والترہیب، ج/۱، ص/۱۲۷، حدیث/۱۴.

''ہر علم صاحب علم کے لئے روز قیامت وبال بن جائے گا مگر یہ کہ وہ اس علم کے مطابق عمل کرے۔''

۱۲)''اَشَدُّ النَّاسِ عَذاباً یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَالِمٌ لَمْ یَنْفَعْهُ عِلْمُهُ''

''روز قیامت تمام لوگوں میں سب سے شدید عذاب اس عالم پر ہوگا جس کے علم نے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔''(۱)

۱۳) ''مَثَلُ الَّذِیْ یُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَیْرَ وَ یَنْسِیُ نَفْسَهُ مَثَلُ الْفَتِیْلَةِ تُضِیْءُ لِلنَّاسِ وَ تُحْرِقُ نَفْسَهُ وَ فِیْ رِوَایَةٍ کَمَثَلِ السِّراجِ''

''ایسا شخص جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہے اور اپنے آپ کو بھلا دیتا ہے اس کی مثال چراغ کی اس بتی کی طرح ہے جو لوگوں کو روشنی پہنچاتی ہے اور اپنے آپ کو جلاتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ''اس کی مثال چراغ جیسی ہے۔''(۲)

۱۴) ''مَنْ کَتَمَ عِلْماً اَلْجَمَهُ اللّٰهُ بِلَجَامٍ مِنْ نَارٍ''

''جو شخص علم کو چھپائے گا اللہ آگ کی لگام ڈال کر اسے خاموش کردے گا۔''(۳)

۱۵) ''اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِی الْقَلْبِ فَذَاکَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَی اللِّسَانِ فَذَاکَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَلیٰ ابْنِ اٰدَمَ''

''علم دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ علم جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے وہ علم منفعت بخش ہے اور دوسرا وہ علم ہے جو زبان پر ہوتا ہے یہ علم فرزند آدم کے خلاف اللہ کی حجت ہے۔''(۴)

۱۶) ''میں اپنی امت کے بارے میں خوف زدہ نہیں ہوں خواہ وہ مومن ہو یا مشرک ہو جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اس کا ایمان اس کو روک لے گا اور مشرک کو اس کا کفر مانع آئے گا لیکن میں تمھارے بارے میں منافق سے ڈرتا ہوں جو (زبانی علم) لقلقۂ لسانی رکھتا ہے، کہتا وہ ہے جسے تم اچھا جانتے ہو اور عمل وہ کرتا ہے جسے تم برا سمجھتے ہو۔''(۵)

۱۔لترغیب والترہیب، ج/۱،ص/۱۲۷،حدیث/۱۵.
۲۔الترغیب والترہیب، ج/۱،ص/۱۲۶۔۱۲۷، ح/۱۳.
۳۔الترغیب والترہیب، ج/۱،ص/۱۲۱،حدیث/۲.
۴۔احیاء علوم الدین، ج/۱،ص/۵۲،سنن دارمی، ج/۱،ص/۱۰۲.
۵۔کنز العمال، ج/۱،ص/۱۹۹.

۱۷) ''اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ بَعْدِی کُلُّ مُنَافِقٍ عَلَیْمِ اللِّسَانِ''

''میں اپنے بعد تمہارے بارے میں جس چیز سے زیادہ خوف زدہ ہوں وہ ہر ایسا منافق ہے جو (زبانی علم) لقلقہ لسانی رکھتا ہے۔''(۱)

۱۸) ''اَلااِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَیْرَ الْخَیْرِ خِیَارُ الْعُلَمَاءِ''

''آگاہ ہو جاؤ تمام برائیوں میں سب سے بڑی برائی برے علماء ہیں اور تمام اچھائیوں میں سب سے بہترین پسندیدہ علماء ہیں۔''(۲)

۱۹) ''مَنْ قَالَ اَنَا عَالِمٌ فَھُوَ جَاھِلٌ''

''جو یہ کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے۔''(۳)

۲۰) حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دو ایسے حریص ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے: ایک دنیا کا طلب گار اور دوسرا علم کا طلب کرنے والا، اگر اس نے دنیا میں سے اتنا لیا جتنا اللہ نے اس کے لئے حلال کیا ہے تو وہ سالم رہا اور جس نے وہ حاصل کیا جو اس کے لئے حلال نہ تھا وہ ہلاک ہو گیا مگر یہ کہ وہ توبہ کرلے اور اپنے اس عمل سے باز آجائے اور جس نے علم کو صاحب علم سے حاصل کیا اور اس پر عمل کیا وہ نجات پا گیا اور جس نے علم کے ذریعہ دنیا حاصل کرنا چاہی تو بس دنیا ہی اس کا نصیب ہے۔''(۴)

امام باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اس لئے علم حاصل کرے کہ اس کے ذریعہ علماء سے مباہات کرے یا احمقوں سے جھگڑا کرے یا اس کے ذریعہ سے لوگوں کا رخ اپنی جانب پھیر لے تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم کو بنالے، اس لئے کہ قیادت کا حق اسی کو ہے جو اس کا اہل ہو۔''(۵)

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔ کنزالعمال، ج/۱، ص/۱۷۶، ح/۲۸۹۷۔
۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۵۶، سنن دارمی، ج/۱، ص/۱۰۴۔
۳۔ کنزالعمال، ج/۱، ص/۲۴۳، ح/۲۹ والترغیب والترہیب، ج/۱، ص/۱۳۰۔
۴۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۶۔
۵۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۷۔

''مَنْ اَرَادَ الْحَدِيْثَ لِمَنْفِعَةِ الدُّنْيَا لَمْ يَكُنْ لَهُ فِي الآخِرَةِ نَصِيْبٌ وَمَن اَرَادَ بِهِ خَيْرَ الاٰخِرَةِ اَعْطَاهُ اللّٰهُ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ.''

''جو شخص دنیاوی منفعت کے لئے حدیث سیکھنے کا ارادہ کرے تو اسے آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ملے گا اور جو اس کے ذریعہ آخرت کی بھلائی کا طالب ہو تو اللہ اسے دنیا اور آخرت دونوں کا خیر عطا کرے گا۔''(۱)

نیز ارشاد فرمایا: ''جب تم دیکھو کہ عالم دنیا سے محبت کر رہا ہے تو تم اپنے دین کے معاملے میں اسے مورد الزام ٹھہراؤ اس لئے کہ ہر شے سے محبت کرنے والا اسی شے کے گرد چکر لگا تا رہتا ہے۔'' اور فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے جناب داؤد علیہ السلام پر وحی کی کہ اے داؤد! میرے اور اپنے درمیان کسی ایسے عالم کو واسطہ نہ بناؤ جو دنیا کا دیوانہ ہو۔ وہ تمہیں میری محبت کے راستے سے دور کر دے گا اس لئے کہ یہ لوگ میرے ارادت مند بندوں کے راستے میں لٹیرے ہیں میں سب سے معمولی سلوک جو ان کے ساتھ کروں گا وہ یہ ہوگا کہ ان کے دلوں سے اپنی مناجات کی حلاوت کو سلب کر لوں گا۔''(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''فقہاء انبیاء کے امانت دار ہیں جب تک دنیا میں داخل نہ ہوں۔ دریافت کیا گیا: یا رسول اللہؐ! دنیا میں داخل ہونے سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: بادشاہ کی پیروی کرنا جب وہ ایسا کرنے لگیں تو تم اپنے دین کے بارے میں ان سے چوکس رہو۔''(۳)

شیخ صدوقؒ نے کتاب خصال میں اپنی سند سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''علماء میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو علم کو جمع کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ نہیں چاہتے کہ ان سے کوئی سیکھے وہ تو جہنم کے پہلے طبقہ میں ہوں گے اور علماء میں سے وہ بھی ہے جب اسے نصیحت کی جاتی ہے تو ناک بھوں چڑھاتا ہے اور جب وہ نصیحت کرتا ہے تو سختی کرتا ہے یہ جہنم کے دوسرے طبقہ میں ہوگا اور علماء میں سے وہ بھی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ اپنے علم کو صاحبان ثروت اور شرف کے لئے مخصوص کر دے اور وہ اس میں مساکین کے لئے کچھ نہ رکھے تو ایسا شخص جہنم کے تیسرے طبقہ میں ہوگا اور علماء میں سے وہ بھی ہے جو اپنے

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۶۔ ۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۶۔
۳۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۹۔

علم میں ظالموں اور بادشاہوں کی روش کو اختیار کرتا ہے اگر اس کے حکم کو مسترد کر دیا جائے یا کسی معاملہ میں کوتاہی ہو جائے تو وہ غضب ناک ہو جاتا ہے ایسا شخص جہنم کے چوتھے طبقہ میں ہوگا اور علماء میں سے وہ بھی ہے جو یہود و نصاریٰ کی احادیث کو اپناتا ہے تا کہ اس کے ذریعہ اپنے علم کو وسیع کرے اور اس کے ذریعہ زیادہ حدیثیں بیان کرے تو ایسا شخص جہنم کے پانچویں طبقہ میں ہوگا اور علماء میں سے وہ بھی ہے جو اپنے آپ کو فتاویٰ صادر کرنے کے لئے مخصوص کر دیتا ہے اور کہتا ہے مجھ سے سوال کرو اور ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی ایک حرف بھی صحیح نہ ہو اور اللہ تصنع کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے ایسا شخص جہنم کے چھٹے طبقہ میں ہوگا اور علماء میں سے وہ بھی ہے جو علم کو ریاکاری اور خود کو عقل مند ظاہر کرنے کے لئے حاصل کرتا ہے تو ایسا شخص جہنم کے ساتویں طبقہ میں ہوگا۔''(۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان سے کہا: مجھے کوئی نصیحت کیجیے تو حضرت خضرؑ نے فرمایا: ''اے علم حاصل کرنے والے! بات کہنے والا سننے والے سے کم تھکتا ہے لہٰذا جب گفتگو کا آغاز کرو تو شرکائے مجلس کو تھکنے نہ دو اور جان لو کہ تمھارا دل ایک ظرف ہے یہ دیکھو کہ تم اپنے ظرف کو کس چیز سے پر کر رہے ہو۔

اے موسیٰ! اگر تم علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو مکمل طور سے اسی میں لگ جاؤ، اس لئے کہ علم اسی کو حاصل ہوگا جو اپنے آپ کو اس کے لئے وقف کر دے اور زیادہ نہ بولو ورنہ گفتگو میں بیہودہ باتیں شامل ہو جائیں گی، بے شک زیادہ بولنا علماء کو عیب دار بنا دیتا ہے اور احمقوں کی برائیوں کو ظاہر کر دیتا ہے تمھیں میانہ روی اختیار کرنی چاہئے اس لئے کہ یہی توفیق اور راست روی ہے اور جاہلوں سے روگردانی کرو، بے وقوفوں سے بردباری کرو اس لیے کہ یہ بردباروں کی فضیلت اور علماء کی زینت ہے اور اگر جاہل تمھیں دشنام دے تو سلامتی کی خاطر خاموشی اختیار کرو اور زیرکی کے ساتھ اس سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ اے عمران کے فرزند! ہرگز ایسا دروازہ نہ کھولو جس کے بند کرنے کا تمھیں علم نہ ہو اور ایسا دروازہ بند نہ کرو تم جس کو کھولنے سے تم نا آشنا ہو۔ اے عمران کے بیٹے! دنیا سے جس کی طمع تمام نہ ہو اور جس کی خواہشِ دنیا ختم نہ ہو وہ عابد کیسے بن سکتا ہے؟! اور جو اپنی حالت کو بدتر بنائے رکھے اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کا الزام اللہ پر عائد کرے وہ زاہد کیسے ہو سکتا ہے؟ اے موسیٰ! جو کچھ سیکھ رہے ہو اسے اس لئے سیکھو کہ اس پر عمل کروگے اس لئے مت سیکھو کہ

۱۔ خصال، ج/۲، ص/۳۹۵.

صرف اس کے بارے میں گفتگو کروگے یہ تمھارے لئے رنج و ہلاکت اور دوسروں کے لئے نور ہدایت ہوگا۔''(۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے: ''تم لوگ علمائے سوء ہو۔تم اجرت لیتے ہواور عمل کو برباد کرتے ہو۔ قریب ہے کہ پروردگارِ عالم اپنے عمل کا مطالبہ کرلے اور قریب ہے کہ اس وسیع وعریض دنیا سے نکل کر قبر کے اندھیرے اوراس کی تنگی میں چلے جاؤ۔اللہ تعالیٰ نے تمھیں گناہوں کے ارتکاب سے روکا ہے جس طرح تمھیں روزہ رکھنے اور نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ بھلا وہ صاحبانِ علم میں سے کیسے ہوسکتا ہے جو اپنی روزی سے ناراض ہواور اپنی منزلت کو حقیر سمجھتا ہو؟ جبکہ وہ جانتا ہے کہ یہ سب اللہ کے علم اوراس کی قدرت سے ہے۔ بھلا وہ صاحبان علم میں سے کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ نے اس کے لئے جو فیصلہ کیا ہے اس کے بارے میں اللہ پر تہمت لگائے یعنی جو شے اس تک پہنچی ہے وہ اس سے راضی نہ ہو؟ بھلا وہ شخص صاحبانِ علم میں سے کیسے ہوسکتا ہے جس کے نزدیک اس کی دنیا، آخرت سے زیادہ بہتر ہو، وہ اپنی دنیا کی جانب متوجہ ہواور جو چیز اس کے لئے ضرر رساں ہے وہ اسے فائدہ پہنچانے والی شے سے زیادہ محبوب ہو! بھلا وہ شخص اہل علم میں سے کیسے ہوسکتا ہے جو قوت گویائی (علم) صرف اس لئے حاصل کرے کہ اس سے دوسروں کو آگاہی دے اور اس لئے حاصل نہ کرے کہ خود اس پر عمل پیرا ہو۔''(۲)

نیز ارشاد فرمایا:

''وَيْلٌ لِعُلَمَاءِ السُّوْءِ تُصْلىٰ عَلَيْهِمِ النَّارُ ''(۳)

''وائے ہو علمائے سوء پر انھیں جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔''

جان لو! کہ یہ درجہ جسے ''درجۂ اخلاص'' کہا جاتا ہے یہ قدر ومنزلت میں بہت عظیم ہے۔اس کے محاسن بے شمار ہیں۔اس کے معنی بہت دقیق ہیں۔اس تک رسائی نہایت دشوار ہے جو اسے حاصل کرنا چاہتا ہے اس کی نظر دقیق ہونی چاہئے اوراس کے لئے درست فکر درکار ہے اور مکمل سعی وکوشش لازمی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اسی پر اعمال کی قبولیت کا دارمدار ہے اوراسی کے مطابق ثواب ملتا ہیں اوراسی کے ذریعہ عابد کی عبادت عالم کی مشقت اور مجاہد کی جدو جہد کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔

۱۔مجمع الزوائد، ج/۱،ص/۱۳۰.　　۲۔سنن دارمی، ج/۱،ص/۱۰۳.
۳۔الکافی، ج/۱،ص/۴۷، اوراس میں یہ روایت اس تبدیلی کے ساتھ ہے.

اگر انسان اپنے بارے میں غور وفکر سے کام لے اور اپنے عمل کی حقیقت کے بارے میں جستجو کرے تو اس میں اخلاص کا بہت کم اور بگاڑ کی خرابیاں اور موانع بہت زیادہ پائے گا بالخصوص طلب علم کی ابتداء میں؛ اس لئے کہ اس کا اکثر جذبہ، طلبِ جاہ ومنزلت، طلبِ مال اور شہرت ہوتا ہے اور یہ کہ اس کا شہرہ ہر طرف پھیل جائے، غالب آنے کی لذت، پیروکاروں کے سبب فرحت نصیب ہو اور یہ کہ ہر طرف اس کی تعریف وتوصیف کی جائے (جوش وخروش نظر آئے)

''وَيْـلٌ لِلْعُلَمَاءِ السُّوْءِ كَيْفَ تلظى عَلَيْهِمِ النَّارُ'' ''ویل ہو علماء سوء کے لئے ان کے لئے کیسی جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔''

ان جذبات کا ہونا یا نہ ہونا اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب معاصرین میں سے کوئی ایسا شخص ظاہر ہو جائے جو علم میں زیادہ اور بہتر حالت میں ہو اور وہ لوگوں کو اس سے برگشتہ کر کے اپنی طرف متوجہ کر لے تو اس وقت دیکھنا چاہئے پس اگر اس کا حال اس کی توقیر کرنے والے اور اس کے فضل کو تسلیم کرنے والے کے ساتھ زیادہ بہتر ہو اور وہ اس کا زیادہ احترام کرتے ہوں اور اس سے مل کر زیادہ خوش ہوتے ہوں اس کی بہ نسبت جو غیر کی طرف مائل ہو باوجودیکہ وہ غیر، دوستی کا زیادہ حق دار ہو تو ایسا شخص مغرور کہلائے گا اور وہ اپنی دینداری میں دھوکا کھا گیا ہے اور اکثر اہل علم میں یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ عورتوں کے مانند آپس میں اختلاف کرتے ہیں۔ ان پر یہ بات بہت شاق گذرتی ہے کہ ان کا کوئی شاگرد کسی دوسرے کے پاس چلا جائے جبکہ وہ اس بات سے اچھی طرح باخبر ہے کہ وہ شخص اس طالب علم کے لئے زیادہ سودمند ہے اور اس کے دین میں زیادہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

یہ ہلاکت میں ڈالنے والی صفات کے کچھ نمونے تھے جو رازوں کی طرح پنہاں رہتے ہیں، عالم یہ سمجھتا ہے کہ ان سے نجات حاصل کر لے گا اور وہ اس بارے میں غرور میں مبتلا رہتا ہے۔ ان علامتوں اور اس قسم کی باتوں سے یہ چیز کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

اور اکثر شیطان انھیں فریب میں مبتلا کر دیتا ہے اور ان سے کہتا ہے تمھارا مقصد دین خدا کو پھیلانا ہے اور رسول اللہ ﷺ جس شریعت کو لے کر آئے تھے اس کا دفاع کرنا ہے اور اگر علم حاصل کرنے کا سبب دین ہوگا تو اگر کوئی دوسرا شخص ظاہر ہو جو تعلیم میں حرف آخر ہو یا مددگار تو اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ وہ کافی ہو گیا اور اس مہم میں اُس نے اِس کی مدد کی اور اللہ نے زمین کے (اوتاد) مدار المہام کو بڑھایا اور مخلوقات کے

راہنماؤں اور اللہ کے دین اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا درس دینے والوں میں اضافہ کر دیا۔

کچھ صاحبانِ علم جو مذکورہ بالا باتوں میں مبتلا نہیں ہوئے ہیں۔ وہ شیطان کے بہلاوے سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور اپنے آپ سے یہ کہتے ہیں کہ اگر اس سے بہتر کوئی فرد نظر آ گئی تو وہ اس سے خوشی کا اظہار کریں گے۔ تجربہ اور آزمائش سے قبل اپنے نفس کو اس قسم کی خبر دینا ایک طرح کا غرور ہے۔ اس لئے کہ نفس وعدے میں بہت آسانی سے پھنس جاتا ہے پھر جب مصیبت میں پڑتا ہے تو بدل جاتا ہے اور پلٹ جاتا ہے اور وعدہ وفا نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ جن کی حفاظت کرے۔ اسے وہی شخص جان سکتا ہے جو نفس کی فریب کاریوں سے آشنا ہو اور وہ نفس کے ایسے امتحانات دے چکا ہو۔

جو شخص اپنے نفس میں اس قسم کے مہلک صفات کو محسوس کرے اس پر لازم ہے کہ وہ صاحبانِ دل سے اس کا علاج معلوم کرے۔ اگر ایسے افراد نہ ملیں تو ان کی تصنیف کردہ کتابوں کا مطالعہ کرے اور اگر ان دونوں کا فقدان ہو اور ان کے نشانات بھی نہ مل سکیں تو ایسی صورت میں اللہ سے مدد اور توفیق کی درخواست کرے۔ اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر رہے اور خواہشات نفسانی کے مقابلہ، استقامت اور گمنامی کو اختیار کرے۔

ممکن ہے شیطان یہاں پر ایک دوسرے راستہ سے آئے اور کہے کہ اگر یہ روش (گمنامی اور خانہ نشینی) رائج ہوگئی تو علوم مٹ جائیں گے اور مخلوقات کے درمیان دین ختم ہو جائے گا اس لئے کہ ایسے افراد کم ہیں جو ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوں اور اخلاص سے آراستہ ہوں۔ باوجودیکہ دین کو باقی رکھنا بہت بڑی اطاعت ہے تو ایسے میں اسے یہ جواب دینا چاہئے کہ جب تک شیطان مخلوقات میں ریاست و جاہ کو محبوب بنا کر پیش کرے گا، اسلام نہیں مٹے گا اور چونکہ وہ قیامت تک اپنے عمل میں کوتاہی اور سستی نہیں کرے گا تو علم کو پھیلانے کے لئے ایسی قومیں اٹھتی رہیں گی جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذا الدِّيْنَ بِاَقْوامٍ لا خَلاقَ لَهُمْ''(۱)

''اللہ اس دین کی تائید ایسی قوموں کے ذریعہ کرے گا جن کا خیر میں کوئی حصہ نہیں ہے۔''

نیز ارشاد فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنُ بَالرَّجُلِ الْفَاجِرِ''(۲)

۱۔ الکافی، ج/۵، ص/۱۹، کتاب الجہاد۔ ۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۴۳۔

''اللہ اس دین کی مدد ایک مرد فاجر کے ذریعہ کرے گا۔''

عالم کے لئے کسی طرح یہ مناسب نہیں کہ وہ ان مشتبہ امور میں دھوکا کھائے اور مخلوقات سے ملنے جلنے میں مشغول ہو جائے یہاں تک کہ اس کے دل میں جاہ، تعریف اور تعظیم کی محبت پروان چڑھنے لگے اس لئے کہ یہ نفاق کا بیج ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جاہ و مال کی محبت دل میں نفاق کو اسی طرح پیدا کرتی ہے جس طرح پانی سبزیوں کو اگاتا ہے۔''(۱)

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''اگر دو بھیڑیوں کو بھیڑوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے تو وہ اتنا نقصان نہیں پہنچائیں گے جتنا نقصان جاہ اور مال سے محبت کرنے والا مسلمان کے دین کو پہنچائے گا۔''(۲)

انھیں یہ فکر ہونی چاہئے کہ دل میں چھپی ہوئی ان عادات پر غور کریں اور ان سے بچ نکلنے کا طریقہ تلاش کریں اس لئے کہ ان عادات کے ذریعہ عالم اور طالب علم دونوں کے لئے فتنہ اور نقصان دوسری چیزوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے اس لئے کہ اقتدا کرنے والا اسی کے مطابق کسی چیز کو اختیار کرتا یا ترک کرتا ہے، جاہل یہ کہتا ہے: ''اگر یہ بات قابل مذمت تھی تو علماء کے لئے اس سے اجتناب کرنا زیادہ بہتر تھا۔'' اس طرح وہ سب کے سب ناپسندیدہ عادات میں گرفتار ہو جائیں گے۔ لیکن دونوں گناہوں میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے اس لئے کہ جاہل روز قیامت صرف اپنے گناہ کے ساتھ آئے گا اور عالم اپنے گناہ کے ساتھ ساتھ اپنی پیروکاروں اور قیامت تک اس کی اقتدا کرنے والوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہوگا جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے۔(۳)

مختصر یہ ہے کہ حقیقتِ اخلاص اور اس پر عمل کی معرفت ایک گہرا سمندر ہے جس میں سب غرق ہو جاتے ہیں سوائے شاذ و نادر لوگوں کے جن کو قول خدا میں مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ ''**اِلَّا عِبَادُکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ**''(۴) (سوائے تیرے خالص بندوں کے) بندے کو چاہئے کہ ان دقائق کو جاننے کے لئے بہت تلاش و جستجو کرے۔ اگر ایسا نہ کیا تو شیاطین کے پیروکاروں سے ملحق ہو جائے گا اور اسے پتا بھی نہ چلے گا۔

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۲۰۰.
۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۲۰۰.
۳۔ تحف العقول، ص/۲۱۷
۴۔ الادب الخامس من آداب المعلم.

۲) آہستہ آہستہ اپنی معلومات پر عمل کرنا

معلم و متعلم جو کچھ جانتے ہوں یکے بعد دیگرے اس پر عمل پیرا ہوں اس لئے کہ عاقل کا مقصد باتوں کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے اور جاہل کی غرض و غایت محض نقل کرنا ہوتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''علماء دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک ایسا عالم ہے جو علم کو حاصل کرتا ہے تو نجات پا جاتا ہے اور ایک ایسا عالم جو علم کو ترک کرتا ہے تو ہلاک ہو جاتا ہے اور جہنمی ایسے عالم کی بدبو سے اذیت محسوس کریں گے جو اپنے علم کو ترک کرتا ہے اور جہنم میں جانے والوں میں سب سے زیادہ حسرت و ندامت اس شخص کو ہوگی جس نے کسی بندے کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب دعوت دی اور اس نے اس کی دعوت قبول کر لی اور اللہ کی اطاعت کرنے لگا اللہ اسے جنت میں داخل کر دے گا اور دعوت دینے والے کو علم ترک کر دینے کی بنیاد پر جہنم میں ڈال دے گا اور اس لئے بھی کہ اس نے خواہشات کی پیروی کی اور اپنی آرزوؤں کو بڑھاتا رہا۔ خواہشات کی پیروی حق سے روک دیتی ہے اور لمبی آرزوئیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں۔(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''اگر عالم اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا ہے تو اس کی پند و نصیحت دلوں سے ایسے ہی پھسل جاتی ہے جس طرح بارش چٹان پر نہیں ٹھہرتی۔''(۲)

ایک شخص امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور آپؑ سے کچھ مسائل دریافت کئے اور آپؑ نے ان کا جواب مرحمت فرمایا۔ وہ اسی قسم کے سوال دریافت کرنے کے لئے دوبارہ آیا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: ''انجیل میں یہ تحریر ہے کہ اگر تم نے ابھی اپنے گذشتہ علم پر عمل نہیں کیا ہے تو زیادہ جاننے کا مطالبہ نہ کرو اس لئے کہ اگر علم کو عمل کا لباس نہ پہنے تو وہ صاحب علم کے کفر میں اضافہ کرتا ہے اور اللہ سے اس کی دوری بڑھتی چلی جاتی ہے۔''(۳)

مفضل بن عمر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ نجات پانے والے کو کیسے پہچانا جائے گا؟ تو امامؑ نے فرمایا: ''جس کا عمل اس کے قول کے مطابق ہو تم اس کی گواہی کو مستند جانو اور جس کا عمل اس کے قول سے ہم آہنگ نہ ہو تو وہ صرف امانتدار ہے'' (یعنی ایمان کو اس کے پاس بطور امانت رکھا گیا ہے، رکنے والا نہیں ہے)(۴)

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۴۔ ۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۴۔
۳۔ الکافی۔ ۴۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۵۔

امیر المومنین علیہ السلام نے منبر سے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! جب تمھیں کسی بات کا علم ہو جائے تو علم کے مطابق عمل کرو تا کہ ہدایت پا سکو، اس لئے کہ وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اس جاہل کی مانند ہے جو حیران و سرگردان ہے۔ ابھی اپنی جہالت کے نشے میں چور ہے۔ بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے خلاف بہت بڑی حجت ہے اور اس کی حسرت دائمی ہے کہ وہ اپنے علم سے الگ ہو گیا ہے اس جاہل کے مقابلہ میں جو جہل میں سرگرداں رہتا ہے۔ یہ دونوں ہی حسرت زدہ اور ہلاکت میں پڑے ہوئے ہیں۔''(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے دریافت کیا: یارسول اللہ! علم کیا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''خاموش رہنا۔ اس نے پوچھا: اس کے بعد کیا ہے؟ یارسول اللہ فرمایا۔ سننا پھر پوچھا اس کے بعد کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اسے یاد کرنا۔ پھر دریافت کیا: اس کے بعد کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس پر عمل کرنا۔ دریافت کیا: اس کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا: اس علم کو پھیلانا۔(۲)

ابوبصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے امامؑ نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''اے طالب علم! علم یقیناً بہت زیادہ فضیلتوں کا حامل ہے اس کا سر تواضع ہے، اس کی آنکھیں حسد سے بیزاری ہے ،اس کے کان فہم وفراست ہے، اس کی زبان سچائی ہے، اس کی حفاظت جستجو ہے، اس کا دل حسن نیت ہے، اس کی عقل اسباب اور امور کی معرفت ہے۔ اس کے ہاتھ رحمت ہیں۔ اس کے پاؤں علماء کی زیارت ہے۔ اس کا حوصلہ سلامتی ہے۔ اس کی حکمت پرہیزگاری ہے۔ اس کا ٹھکانا نجات ہے۔ اس کا سپہ سالار عافیت ہے۔ اس کی سواری وفاداری ہے۔ اس کا ہتھیار نرم گفتاری ہے۔ اس کی تلوار اطمینان ہے۔ اس کی کمان مدارات ہے۔ اس کا لشکر علماء سے گفتگو ہے۔ اس کا سرمایہ ادب ہے۔ اس کا ذخیرہ گناہوں سے بچنا ہے۔ اس کی چادر نیکی کرنا۔ اس کی پناہ گاہ امانت رکھنا ہے۔ اس کی راہنما ہدایت ہے اور اس کا رفیق اور ساتھی پسندیدہ لوگوں سے محبت ہے۔''(۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک طولانی حدیث میں عنوان بصری سے فرمایا: ''زیادہ پڑھنے پڑھانے سے علم نہیں آتا ہے بلکہ وہ ایک نور ہے اللہ جس کی ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کے دل میں اسے ڈال دیتا ہے

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۵. ۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۷۔۴۸. ۳۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۵.

اگر تمھیں علم حاصل کرنا ہوتو پہلے اپنے نفس میں بندگی کی حقیقت کوتلاش کرواور پھر اسے عملی جامہ پہنا کر علم طلب کرواور اللہ سے فہم وفراست طلب کرو وہ تمھیں سمجھ دے گا۔''(۱)

☆☆☆☆☆

یہ سمجھ لوکہ علم ایک درخت کی مانند ہے اور عمل اس کا پھل ہے اور پھل دار درخت سے کوئی پھل کے سوا اور کیا چاہتا ہے۔علم کی اصلی غرض عمل مطلق ہے اس لئے کہ تمام علوم کی بازگشت دو چیزوں کی جانب ہوتی ہے: ایک علم معاملت اور دوسرے علم معرفت ۔علم معاملت حلال وحرام اسی قبیل کے دوسرے احکام کی معرفت کا نام ہے نیز نفس کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ اخلاق اور ان کے علاج کی کیفیت اور اس سے راہ فراراسی علم کے ذیل میں آتے ہیں۔

اور علم معرفت اللہ تعالیٰ ،اس کے صفات اور اسماء کا علم ہے ان کے علاوہ جتنے بھی علوم ہیں وہ یا تو ان دونوں کے آلات ہیں یاان سے مراد کسی نہ کسی کام کو بجالانا ہے جوبھی اس کا متلاشی ہے اس پر یہ تقسیم بندی مخفی نہیں ہے۔

جہاں تک امور معاملت کا تعلق ہے اس کا مقصود ان پر عمل پیرا ہونا ہے بلکہ اگر عملی حیثیت نہ ہوگی تو ان کی کوئی قدر قیمت نہ رہے گی۔ارشاد باری ہے:﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾(یقیناً فلاح پا گیا جس نے نفس کو پاکیزہ رکھا)اللہ نے یہ نہیں فرمایا''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَعَلَّمَ كَيْفِيَّةَ تَزْكِيَتِهَا وَكَتَبَ عِلْمَهَا وَعَلَّمَهَا النَّاس ''(وہ فلاح پا گیا جس نے پاکیزگی کی کیفیت کا علم حاصل کرلیا اور اس کے علم کو تحریری شکل دے دی اور اسے انسانوں کوسکھادیا)

اب رہا اللہ تعالیٰ کی معرفت کا علم اور وہ علم جن پر علوم عقلیہ کا انحصار ہے تو اس علم کے جاننے اور عمل کو ترک کرنے والے اور امر خداوندی اور حدود الٰہی کو ضائع کرنے والے کی مثال ایسے شخص کی ہے جو کسی بادشاہ کی ملازمت اختیار کرنا چاہتا ہے، وہ بادشاہ کو پہچانتا ہے اس کے اخلاق، اس کی خوبیوں، اس کی عادتوں اور اس کی بزم سے آشنا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ بادشاہ کی پسند اور ناپسند کیا ہے۔وہ کس چیز سے غضب ناک ہوجاتا ہے اور یہ ہر اس شے سے عاری ہوتا ہے جسے بادشاہ پسند کرتا ہے جیسے پوشاک ،حلیہ، نشست و برخاست وغیرہ۔ایسا شخص بادشاہ کے حضور میں آتا ہے اور اس کے تقرب کا خواہاں ہے اور اس

ا۔بحارالانوار،ج/۱،ص/۲۲۴.

کے خواص میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ بادشاہ جن چیزوں کو ناپسند کرتا ہے ان سے آلودہ ہے اور وہ جس چیز کو پسند کرتا ہے یہ ان سے عاری ہے۔ اس نے بادشاہ سے تقرب کا وسیلہ جان پہچان، نسب، نام شہر شکل وصورت اور غلاموں کے ساتھ اس کے سلوک اور رعایا کے معاملات کو قرار دیا ہے بلکہ دونوں قسم کے عالم کی مثال ایک ساتھ دی جارہی ہے جس کو وہ پہچانتا ہے اگر اسے ترک کر دیا ہے تو یہ سراسر فریب اور دھوکا ہے اور اگر یہ عالم جو کچھ جانتا ہے اسے ترک کر کے صرف معمولی معرفت کی بنیاد اور اسے کیا پسند ہے اور کیا ناپسند ہے کو بنیاد بنا کر عمل پیرا ہو جائے تو یہ مقصود تک پہنچنے اور خواص میں شامل ہونے کے لئے قریب ترین راستہ ہے۔ اس کا عمل میں کوتاہی کرنا اور خواہشات کی پیروی کرنا اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ اس پر معرفت کے عنوان سے سوائے نام کے حقیقت کا انکشاف نہیں ہوا ہے اس لئے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حق ادا کرتا تو اس کا خوف اور تقویٰ اس کے قریں ہوتا جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے متنبہ کیا ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاء﴾(۱) ''اللہ کے بندوں میں علماء خوف خداوندی رکھتے ہیں۔''

اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی عاقل شیر کو پہچانتا ہو اور اس سے بچنے کی تدبیر نہ کرے اور نہ ہی اس سے ڈرے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی کی: ''خَفْنِي كَمَا تَخَافُ السَّبُعَ الضَّارِي.''

''اے داؤد تم مجھ سے اسی طرح ڈرو جس طرح تم شکاری درندوں سے ڈرتے ہو۔''(۲)

ہاں اگر کوئی شیر کا رنگ، صورت اور نام جانتا ہو اور وہ اس سے نہیں ڈرتا اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو شیر کو بالکل نہیں جانتا۔ زبور کے شروع میں ہے کہ:

''رَأسُ الْحِكْمَةِ خَشْيَةُ اللّٰهِ تعالىٰ''(۳)

''حکمت کا سرمایہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔''

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۱) ''مَنِ ازْدَادَ عِلْماً وَلَمْ يَزْدَدْ هُدىً لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا بُعْداً''

''جس کے علم میں اضافہ ہو اور ہدایت میں کوئی اضافہ نہ ہو تو ایسا شخص اللہ سے دور ہوتا جاتا ہے۔''(۴)

۱۔ سورۂ فاطر/ ۲۸.
۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/ ۳۳۵.
۳۔ احیاء علوم الدین.
۴۔ بحار الانوار، ج/۲، ص/ ۳۷.

۲) ''يُلْقَى الْعَالِمُ فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُهُ فَيَدُوْرُ بِهَا كَمَا يَدُوْرُ الْحِمَارُ فِي الرَّخَاءِ''

''عالم کو جہنم میں ڈالا جائے گا اس کی آنتیں باہر نکل رہی ہوں گی اور وہ اس طرح چکر لگا رہا ہوگا جس طرح گدھا رَہٹ کے گرد چکر لگاتا ہے۔''(۱)

۳) ''شَرُّ النَّاسِ الْعُلَمَاءُ السُّوْءُ''

''تمام انسانوں میں بدترین، علمائے سوء ہیں۔''(۲)

۴) ''اَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَاباً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهِ''

''تمام انسانوں میں شدید ترین عذاب قیامت کے دن ایسے عالم پر ہوگا جس کا علم خداوند عالم کے نزدیک فائدہ مند نہیں ہے۔''

یہ اور اس قسم دیگر کی احادیث جو ہم نے پہلے بیان کی ہیں وہ حدوحساب سے باہر ہیں اور جس ہستی نے علم کی فضیلت سے مطلع کیا ہے اسی نے ایسے علماء کی مذمت بھی کی ہے جو اپنے عمل میں علم کے باوجود کوتاہی کرتے ہیں اور ان کا حال اللہ کے نزدیک جاہلوں کے حال سے بدتر ہے: ﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ﴾(۳) ''کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔''

شریعت کے ظاہری امور کو تسلیم کرنے کے بعد بھی عمل میں عامل کی کوتاہی کے بہت سے مراتب ہیں اس لئے اس پر جن چیزوں کا بجالانا واجب ہے ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا ہے چہ جائے کہ غیر واجب امور بلکہ وہ چیزیں جو ان ابواب سے خارج ہیں جنھیں فقہاء نے مرتب کیا ہے، ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور ان کی معرفت لازم ہے وہ اخلاقی رذائل اور برائیاں ہیں جن سے نفس کو پاک کرنا ضروری ہے جیسے تکبر، ریاکاری، حسد اور کینہ وغیرہ جو ہلاکت میں ڈالنے والے رذائل ہیں جنھیں علم الاخلاق کی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح زبان کو غیبت، چغل خوری، دوغلے پن اور مسلمانوں وغیرہ کے عیوب بیان کرنے سے محفوظ رکھنا اور یہی قول تمام اعضائے جسمانی کے لئے ہے کہ ان کے لئے کچھ خاص احکام ہیں اور کچھ گناہ ہیں جو ان کے مناسب مقام پر بیان ہوئے ہیں۔ ہر فرد پر لازم ہے کہ انھیں جانے اور حکم کو بجالائے۔ یہ ایسے واجبات ہیں جنھیں فقہی کتابوں کے کتاب تجارت اور کتاب اجارہ وغیرہ میں بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس سلسلے میں حقیقت آشنا علمائے باعمل سے رجوع کرنے ضرورت ہے اور اس بارے

۱۔احیاءعلوم الدین، ج/۳،ص/۳۳۴. ۲۔احیاءعلوم الدین، ج/۲،ص/۳۳۴. ۳۔سورۂ بقرہ/۸۵.

میں ان کی مرتب کردہ کتب کا مطالعہ ضروری ہے۔کس قدر سخت ہے علماء کا رسمی علوم کی طرف توجہ دینا اور اپنی اصلاح اور اپنے پروردگار کو خوشنود کرنے سے غافل ہو جانا!

ایسے لوگوں کی مثال اس مریض کی ہے جو علاج کا نسخہ کا حاصل کر کے اسے دہرانے اور یاد کرنے میں مشغول ہے بلکہ ان کی مثال تو ایسے شخص کی ہے جو ہذیانی بیماری میں مبتلا ہو اور ہلاکت کے قریب پہنچ چکا ہو اسے اس کی دوا کا علم اور اس کا استعمال آنا چاہئے لیکن وہ اس کی بجائے استحاضہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں مصروف ہو جائے اور رات دن اسی میں پڑا رہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ مرد ہے اسے حیض واستحاضہ سے واسطہ نہیں ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ ہوسکتا ہے کوئی حائضہ عورت مجھ سے یہ سوال کرلے۔یہی انتہائی غفلت ہے کہ ایسی دوا کے بارے میں علم سے دوری اختیار کرتا ہے جس کا استعمال اس کی بیماری کو دور کردے گا اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا غیر متعلق امور میں منہمک ہو جاتا ہے اور یہی مثال اس فقیہ کی ہے جس پر خواہشات مسلط ہو جاتی ہیں اور وہ ہمیشہ زندہ رہنے کے خواب دیکھتا ہے۔اس میں حسد، ریاکاری، غضب،بغض اور ایسے اعمال کے بارے میں خود پسندی پیدا ہو جاتی ہے جنھیں وہ صالحات میں سے سمجھتا ہے اگر ان کے باطن میں جھانک کر دیکھے تو انھیں واضح نافرمانیوں میں سے پائے گا اور ایسے مسکین کو نبی اکرم ﷺ کے ان اقوال کی جانب متوجہ ہونا چاہئے:''اَدْنیٰ الرِّیَاءِ شِرْکۃ'' (معمولی ترین ریاکاری بھی شرک ہے)(۱)

۵)''لا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ فِی قَلْبِہِ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِنْ کِبْر''

''اگر کسی شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو تو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔''(۲)

۶)''اَلْحَسَدُ یَاکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ''

''حسد اچھائیوں کو اسی طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا دیتی ہے۔''(۳)

۷)''حُبُّ الْمَالِ وَ الشَّرَفِ یَنْبَتَانِ النِّفَاقَ کَمَا یَنْبَتُ الْمَاءُ الْبَقَلَ''

''مال اور جاہ کی محبت نفاق کو اس طرح پروان چڑھاتی جس طرح پانی سبزیوں کو۔''(۴)

ان علوم کی غرض ـــــ اگر ان سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ارادہ کیا جائے اور اس کے ثواب عظیم کو

۱۔احیاءعلوم الدین، ج/۳،ص/۳۳۵.
۲۔احیاءعلوم الدین، ج/۳،ص/۳۳۵.
۳۔احیاءعلوم الدین، ج/۳،ص/۳۳۵.
۴۔احیاءعلوم الدین، ج/۳،ص/۳۳۵.

حاصل کرنا مقصود ہو ـــــــ تو یہ واجب کفائی ہیں اور واجب عینی کو انجام دینے کے بعد کے مرتبہ میں آتے ہیں۔

پس اگر اس فقیہ کا مقصد رضائے خداوندی ہو تو وہ علوم کی ترتیب میں اہم ترین اور زیادہ سے زیادہ مفید علوم میں اپنا وقت صرف کرے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ یا تو غافل اور مغرور ہے یا ریاکار جو اپنی دینداری میں دھوکا کھا گیا ہے اور ریاست، بلند مرتبت، جاہ ومتاع کا خواہاں ہے ایسے موقع پر تنبیہ کرنا لازم ہے تا کہ اس کی نفسانی بیماری کا علاج ہو جائے قبل اس کے کہ یہ چیزیں تقویت حاصل کر لیں اور اسے ہلاک کر ڈالیں۔

یہ بھی جان لینا چاہئے کہ صرف ان مروجہ مسائل سے واقف ہو جانا ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں فقہ یہ ہے کہ اس کی جلالت وعظمت کا ادراک کیا جائے اور یہ ایسا علم ہے جو ہیبت اور خشوع پیدا کرتا ہے اور تقویٰ تک لے جاتا ہے، خوف دلاتا اور حزن والم کو ابھارتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس جانب توجہ دلاتی ہے: ﴿فَلَوْلاَ نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ﴾ (توبہ/١٢٢)

ہر گروہ میں سے ایک جماعت اس کام کے لئے کیوں نہیں نکلتی ہے تا کہ دین کا علم حاصل کرے اور پھر جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئے تو انھیں عذاب الٰہی سے ڈرائے کہ وہ شاید اس طرح ڈرنے لگیں۔

سب سے اہم علم اللہ تعالیٰ کی طرف لے جانے والے راستے کی معرفت ہے اور دل کی دشوار گزار گھاٹیوں کا کاٹ دینا ہے جو قابل مذمت صفات میں سے ہیں اور یہ عبد ومعبود یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے مابین حجاب ہے اسی سبب سے علم کو خشیت خداوندی کا موجب سمجھا جاتا ہے بلکہ خشیت کو عالم میں منحصر کر دیا گیا ہے جس طرف اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری توجہ مبذول کرائی ہے کہ: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ ''بے شک اللہ کے بندوں میں خشیت خدا رکھنے والے علماء ہوتے ہیں۔''

اور ایسے فقیہ کی مثال جو صرف رائج علم فقہ پر اکتفا کرتا ہے ایک ایسے شخص کی ہے جو صرف مشکیزہ اور رموزے کو رفو کرنا جانتا ہے اور حج کے لیے روانہ ہو گیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ علم نہ ہو تو حج میں تعطل پیدا ہو سکتا ہے لیکن صرف اسی بات پر انحصار کرنے والے کا حاجیوں سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ شخص ان علوم کو حاصل نہ کرے تو احکامات کی معرفت معطل ہو جائے گی۔ لیکن جیسا ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں ـــــــ یہ فی نفسہ نجات دہندہ نہیں ہیں بلکہ یہ ایک مقدمہ ہے مقصد ذاتی کے لئے۔

ان فقہاء کی مثال ایک ایسے بادشاہ کی ہے جس نے کچھ غلام حاصل کئے اور انھیں گھر کے اندر داخل

ہونے کا حکم دیا اور خدمت میں مشغول ہونے کے لئے کہا۔ نیز یہ کہ وہ اپنے کو ایسا مکمل بنائیں جو اس کی جناب میں نزدیکی کا باعث بن جائے اور ایسے امور سے اجتناب کریں جو اس سے دوری کا سبب ہو۔ جب وہ بادشاہ انھیں گھر کے اندر لے آیا تا کہ وہ اپنے اپنے فرائض کو انجام دیں تو وہ لوگ گھر کی دیواروں کو دیکھنے لگے۔ اس کی زمین اور چھت کو دیکھنے میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ وہ انھی چیزوں کو دیکھتے دیکھتے مرکھپ بھی گئے اور انھوں نے یہ نہیں جانا کہ اس گھر میں انھیں کون سے امور انجام دینے تھے۔ اب بتاؤ ان کی کیا حالت ہوگی ان کے آقا کے نزدیک جس نے انھیں نعمتوں سے نوازا، ان پر بڑے بڑے احسانات کئے لیکن ان لوگوں نے نہ صرف یہ کہ اس کی اطاعت میں اتنی بڑی کوتاہی کی بلکہ بہت ہی شرم ناک معصیت میں بھی گرفتار ہو گئے۔

سمجھ لو کہ ان سب کی مجموعی مثال ایک ایسے گھر کی ہے جس کا اندرونی حصہ تاریک ہے۔ اس کی چھت پر چراغ رکھا ہوا ہے تا کہ اس کا ظاہری حصہ روشن ہو جائے بلکہ اس کی مثال غلاظت کے کنویں کی سی ہے جس کا ظاہر پختہ ہے اور باطن بدبودار ہے یا مردوں کی قبر کی طرح ہے جس کا ظاہر آراستہ و پیراستہ ہے اور باطن میں مردار ہے اور ایسے شخص کی مثال ہے جو اپنے گھر پر بادشاہ کو مہمان بلانا چاہتا ہے اور اس نے اپنے گھر کے دروازے پر تو رنگ وروغن کر دیا لیکن صدر دروازے پر گندگی کا ڈھیر رہنے دیا اور سب کھلا دھوکا ہے۔ بلکہ اس کی قریب ترین مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے بیج بویا اور اناج اگایا اور اس کے ساتھ گھاس پھونس بھی اگ گیا جو اناج کو فاسد کرنے کا موجب ہوگا۔ اس نے حکم دیا کہ گھاس پھونس کو جڑ سے اکھاڑ کر فصل کو صاف کر دیا جائے لیکن اس نے صرف اوپر سے کاٹنا شروع کیا اس طرح اس کی جڑ مضبوط ہوتی گئی اور اس نے اپنی جگہ بنا لی۔ اس لئے کہ خامیوں کی کھیتیاں اور رذائل کے پودے درحقیقت دل کی بری عادتوں سے عبارت ہے۔ اگر کوئی اپنے دل کو ان سے پاک صاف نہیں کرے گا تو وہ ظاہری اطاعت بھی نہ کر سکے گا مگر بہ ہزار مشکلات۔ بلکہ اس کی مثال ایک مریض کی سی ہے جسے خارش ہو جائے اس سے مرہم لگانے اور دوا پینے کے لئے کہا جائے مرہم اس لئے کہ اس کا ظاہر ٹھیک ہو جائے اور دوا اس لئے کہ وہ خارش کے مادے کو اندر سے جڑ سے اکھاڑ دے اگر یہ مریض مرہم لگانے پر اکتفا کر لے اور دوا نہ پیئے تو اندر جو مادہ ہے وہ باقی رہ جائے گا یہ صرف مرہم لگاتا رہ جائے گا اور مادہ اندر ہی اندر پروان چڑھتا رہے گا یہاں تک اسے ہلاک کر دے گا۔

ہم اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے نفوس کی اصلاح کردے اور ہمیں ہمارے عیوب سے آگاہ کردے اور ہمارے علم سے ہمیں فائدہ پہنچائے اور اس علم کو ہمارے خلاف ثبوت اور دلیل قرار نہ دے اس لئے کہ یہ سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

۳) ہر حال میں خدا پر توکل کرنا

استاد اور شاگرد دونوں پر لازم ہے کہ اپنے نفس کو رذائل سے پاک و پاکیزہ بنانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب اپنے آپ کو متوجہ کریں اور اپنے امور میں اس پر توکل کریں اور اللہ کے فیض و کرم کو حاصل کریں اس لئے کہ علم جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے کلام سے مذکور ہوا: ''زیادہ علم صرف حاصل کرنے سے نہیں آتا بلکہ وہ ایک نور ہے اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کرنا چاہتا ہے اس نور کو اس پر نازل کردیتا ہے۔'' اور یہ کہ خدا پر توکل کریں۔ اپنے امور کو اسی کے سپرد کردیں۔ اسباب پر بھروسا نہ کریں کہ اگر اسباب کے سپرد کردیئے گئے تو یہ ان کے لئے وبال بن جائیں گے اور نہ ہی مخلوقات میں سے کسی پر بھروسا کریں بلکہ رزق اور دیگر امور میں اپنی کنجی اللہ کے حوالے کردیں تاکہ اس پر اللہ کی برکتوں کی خوشبو کا ظہور ہوجائے اور اس کے کرم کی نظر ہوجائے تاکہ اس کی کجی دور ہوجائے، مطلب حاصل ہوجائے اور امر کی اصلاح ہوجائے۔

ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیا ہے:

''اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ قَدْ تَکَفَلَ لِطَالِبِ الْعِلْمِ بِرَزْقِہٖ خَاصَّۃً عَمَّا ضَمَّنَہٗ لِغَیْرِہٖ''(۱)

''بے شک اللہ تعالیٰ طالب علم کے لئے مخصوص رزق کی ضمانت دیتا ہے جو اس نے اس کے علاوہ کے لئے نہیں دی ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ دیگر افراد عام طور سے رزق کے لئے سعی وکوشش کے محتاج ہیں تاکہ اس کا زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل کرسکیں اور طالب علم کو اس بات کے لئے مکلّف نہیں بنایا گیا بشرطیکہ اس کی نیت اچھی ہو، عزم میں خلوص ہو تو اللہ اس کے رزق کا ذمہ دار ہے۔

اور میرے پاس اس بارے میں ایسے واقعات اور حقائق ہیں اگر میں ان سب کو جمع کردوں تو وہ اتنے زیادہ ہیں کہ اللہ کے علاوہ انھیں کوئی نہیں جانتا کہ مجھ پر اللہ کا کس قدر کرم ہے اور کیسی عمدہ امداد ہے میں

۱۔ کنز العمال، ج/۱۰، ص/۱۳۹.

نے جب سے اپنے آپ کو حصول علم میں مصروف کر دیا ہے یعنی وہ نویں صدی کی تیسری دہائی کے آغاز سے اب تک یعنی ۱۵ر رمضان المبارک ۹۵۳ھ تک ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ ''سنی ہوئی بات مشاہدہ کی مانند نہیں ہوتی۔''

ہمارے استاد محمد بن یعقوب کلینی قدس اللہ روحہ اپنی سند سے حسین بن علوان سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ہم ایک نشست میں علم حاصل کر رہے تھے کہ اس سے پہلے ایک سفر کے درران میرا نفقہ ختم ہو گیا تھا۔ میرے ایک ساتھی نے دریافت کیا کہ تمھیں پیش آئی ایسی حالت میں کس کی امید ہے؟ میں نے جواب دیا: فلاں شخص کی۔ اس نے کہا: تب تو تمھاری حاجت پوری ہونے والی نہیں اور نہ ہی تم اس سے اپنی آرزوؤں کو پا سکو گے اور نہ ہی اس سے اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکو گے میں نے کہا: اللہ تم پر رحمت نازل کرے تم یہ کس طرح جانتے ہو؟ اس نے کہا: مجھ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان کیا کہ آپؑ نے کسی کتاب میں پڑھا ہے:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے قسم ہے عزت وجلال، علومرتبت اور عرش پر بلندی کی کہ جو بھی میرے غیر سے امید رکھے گا میں اس کی امید کو ناامیدی کے ذریعہ ختم کر دوں گا اور لوگوں کے نزدیک اسے ذلت کا لباس پہنا دوں گا، میں اسے اپنی قربت سے دور کر دوں گا اور میرا وصل اس سے دور ہو جائے گا۔ کیا وہ مشکلات کے وقت میرے غیر سے امید رکھتا ہے جب کہ تمام مشکلات میرے قبضہ میں ہیں۔ کیا وہ میرے غیر سے تمنا کرتا ہے اور سوچ سمجھ کر میرے غیر کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے جبکہ دروازوں کی کنجیاں میرے پاس ہیں۔ دوسرے دروازے بند ہیں صرف میرا دروازہ دعا کرنے والے کے لئے کھلا ہوا ہے۔

کیا کوئی ایسا ہے جو مصائبِ زندگی میں میری طرف امید بھری نظروں سے دیکھے اور میں اس کی (جائز) امید کو بر نہ لاؤں۔

کیا کوئی فرد کسی عظیم کام کے لئے مجھ سے آرزو کرے اور میں اس کی امیدوں کو منقطع کر کے اسے ناامید کر دوں؟ میں نے اپنے بندوں کے اعمال اپنے پاس محفوظ رکھے لیکن وہ لوگ میری اس حفاظت پر راضی نہیں ہیں اور میں نے اپنے آسمانوں کو ایسی مخلوقات سے بھر دیا ہے جو میری تسبیح کرتے ہوئے تھکتے نہیں ہیں اور میں نے انھیں حکم دیا ہے کہ میرے اور میرے بندوں کے درمیان درداز وں کو کبھی بند نہ کریں۔ لیکن یہ بندے میرے وعدے پر بھروسا نہیں کرتے۔

کیا انھیں معلوم نہیں ہے کہ اگر ان پر کوئی مصیبت آ پڑے تو اسے میرے علاوہ کوئی اور دور نہیں کر سکتا الا یہ کہ میں اسے اجازت دے دوں۔

اسے کیا ہو گیا کہ میں اسے اپنے آپ سے غافل پا تا ہوں؟! میں نے اسے اپنے کرم سے بن مانگے دیا پھر اس سے چھین لیا لیکن اس نے اسے لوٹانے کا مطالبہ نہیں کیا اور میرے غیر سے مانگنے لگا۔ کیا وہ یہ سمجھتا نہیں ہے کہ جب میں اسے مانگنے سے پہلے عطا میں پہل کرتا ہوں تو جب وہ مجھ سے مانگے گا تو کیا میں اس کی حاجت روائی نہیں کروں گا؟! کیا میں بخیل ہوں کہ میرے بندے نے مجھے چھوڑ دیا ہے؟ کیا جود و کرم میرا شیوہ نہیں؟ کیا عفو و رحمت میرے اختیار میں نہیں؟ کیا میں تمناؤں کا محور نہیں؟ انھیں مجھ سے کون منقطع کر سکتا ہے؟

جن لوگوں نے دوسروں سے امیدیں لگا رکھی ہیں کیا انھیں خوف خدا نہیں ہے؟ اگر آسمان و زمین کے تمام باشندے مجھ سے کسی شے کی آرزو کریں اور جس نے جو آرزو کی ہے اسے میں عطا کر دوں تو پھر بھی میری حکومت میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوگی۔ بھلا کیسے کمی ہو سکتی ہے جب کہ میری ہی وجہ سے وہ قائم ہے پس جو میری رحمت سے ناامید ہیں اور میری نافرمانی کر رہے ہیں اور میری جانب متوجہ نہیں ہیں ایسے لوگوں کا انجام برا ہے اور وہ بدنصیب ہیں۔(۱)

شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری سند سے سعید بن عبدالرحمٰن سے بھی یہ روایت تحریر کی ہے اور اس روایت کے آخر میں ہے: میں نے عرض کی: اے فرزند رسول خدا! آپ یہ حدیث مجھے لکھوا دیجئے تو حضرتؑ نے مجھے لکھوا دی۔ میں نے کہا: خدا کی قسم آج کے بعد اپنی حاجت لے کر اس شخص کے پاس نہیں جاؤں گا۔(۲)

میں کہتا ہوں کہ تمھارے لئے یہ کلام جلیل کافی ہے جس کا نور مطلع نبوت سے افق امامت پر جانب قدسی سے ظاہر ہو رہا ہے جو اللہ پر توکل کرنے اور امور کو اس کے سپرد کر دینے اور تمام مشکلات میں اسی پر اعتماد کرنے پر ابھار رہا ہے۔ اس مقام پر اس سے زیادہ جامع کوئی دوسرا کلام نہیں ہے۔

....

۱۔الکافی، ج/۲،ص/۶۶.   ۲۔الکافی، ج/۲،ص/۶۷.

۴) حسن خلق

اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونا، تواضع اور مکمل مدارات اور کمال نفس تک رسائی کے لئے سعی بلیغ کرنا۔

معاویہ بن وہب نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

''اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَ تَزَيَّنُوا مَعَهُ بِالْحِلْمِ وَالْوِقَارِ وِ تَوَاضَعُوا لِمَنْ تُعَلِّمُونَهُ الْعِلْمَ وَ تَوَاضَعُوا لِمَنْ طَلَبْتُمْ مِنْهُ الْعِلْمَ وَلا تَكُونُوا عُلَمَاءَ جَبَّارِيْنَ فَيَذْهَبَ بَاطِلُكُمْ بِحَقِّكُمْ''

''علم حاصل کرو اور اس کے ساتھ ساتھ حلم و وقار سے آراستہ ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ متواضع رہو جسے تم پڑھ رہے ہو اور اس سے بھی متواضع رہو جس سے تم نے علم حاصل کیا ہے اور علمائے جبارین (قہر و غضب والے) میں سے نہ بنو اگر ایسا ہوا تو باطل تمھارے حق کو ختم کر دے گا۔''(۱)

حلبی نے ایک صحیح السند حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے آپؑ نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

''کیا میں تمھیں اس فقیہ کے بارے میں بتاؤں جو صحیح معنی میں فقیہ ہے؟ جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ کرے اور انھیں عذاب خداوندی سے محفوظ قرار نہ دے اور انھیں اللہ کی نافرمانی کی اجازت نہ دے جو غیر قرآن پر مائل ہو کر قرآن کو ترک نہ کرے۔ اس علم میں کوئی خیر نہیں جس میں فہم نہ ہو، ایسی قرائت میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں تدبر نہ ہو اور ایسی عبادت میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں تفکر نہ ہو۔''(۲)

آگاہ ہو جاؤ کہ جو بھی علم کا لباس زیب تن کرتا ہے اس کی جانب توجہ مبذول کی جاتی ہے اور لوگ اس کے فعل و قول اور ہیئت (لباس، شکل و صورت) کی پیروی کرتے ہیں۔ ایک عارف نے کہا ہے: عام لوگ لباس علم پہننے والے سے مرتبہ میں بہر حال کم ہوتے ہیں اور اگر عالم متقی پرہیزگار اور نیکوکار رہو تو عام لوگ مباح عمل انجام دیتے ہیں اور اگر عالم مباح عمل انجام دیتا ہو تو عام لوگ شبہات میں پڑے رہتے ہیں اور اگر عالم شبہات والے کام کرتا ہے تو عام لوگ حرام میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اگر عالم حرام میں مبتلا ہو جائے تو عوام کفر اختیار کر لیتے ہیں ـــــ اے کاش ایسا ہوتا ـــــ کہ جب وہ ہلاک ہو جاتا تو اس کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہے اور اس کا گناہ ختم ہو جاتا لیکن وہ باقی ہے جب تک اس کی پیروی کرنے والے اور اس کی روش پر چلنے والے موجود ہیں۔ اس بات کی صداقت کے لئے یہی کافی ہے کہ نقل اقوال کے علاوہ مشاہدات اور صحیح

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۶ ۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۶

معلومات بھی اسی بات کی نشان دہی کرتی ہیں۔

۵) بلند ہمتی

استاد اور شاگرد دونوں پاک نفس اور بلند ہمت ہوں، بادشاہوں اور دنیاداروں سے پہلو تہی کریں اور جب تک ان سے فرار کا راستہ ہو ان سے بغیر لالچ کے ملیں تا کہ گذشتہ علماء کی طرح علم کی حفاظت کر سکیں۔ جو بادشاہوں اور دنیاداروں کے پاس جاتا ہے گویا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے اور امانت علم میں خیانت کی ہے اور اکثر اوقات وہ اپنے دنیاوی مطلوب ومقصود کو بھی حاصل نہیں کر پاتا ہے اور اس میں سے کچھ حاصل بھی کر لے تو اس کا حال پاک و پاکیزہ اور خود دار شخص جیسا نہیں رہ جاتا ۔روایات کے ساتھ ساتھ وجدان بھی اس بات پر گواہ ہے۔

ایک فاضل شخص نے ایک بزرگ سے یہی سوال کیا کہ ہمارے زمانے کے امیروں اور بادشاہوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ہماری بات نہیں مانتے اور علم کو اہمیت نہیں دیتے جب کہ گذشتہ زمانے میں اس کے برعکس تھا؟! اس بزرگ نے فرمایا: اس زمانے کے علماء وہ تھے کہ بڑے لوگ اور بادشاہان وقت اور دنیاداران کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ مال دنیا اِن پر خرچ کرتے تھے اور اِن سے علم حاصل کرتے تھے اور علماء ان سے دور رہنے اور ان کے منت تلے نہ جانے پر اصرار کرتے تھے۔ اس طرح دنیاداروں کی نظروں میں دنیا حقیر ہو جاتی تھی اور ان کے نزدیک اہل علم کی قدر و منزلت بڑھ جاتی اس لئے کہ وہ سمجھ جاتے تھے کہ اگر علم جلیل اور نفیس نہ ہوتا تو یہ فضلاء اسے دنیا پر ترجیح نہ دیتے اور اگر دنیا حقیر اور پست نہ ہوتی تو کبھی بھی ناپسندیدگی کی وجہ سے اسے نہ چھوڑتے اور جب ہمارے زمانے کے علماء بادشاہوں اور ابنائے دنیا کے پاس آ گئے اور اپنا علم دے کو ان سے دنیا طلب کرنے لگے تو دنیا ان کی نظروں میں عظیم ہو گئی اور علم کی منزلت ان کی نگاہوں میں کم ہو گئی۔

اس سے پہلے بھی ہم نے اس سلسلہ میں کچھ حدیثیں نقل کی ہیں منجملہ یہ حدیث نبویؐ:

''اَلْفُقَهَاء اُمَنَاء الرُّسُلِ مَا لَمْ يَدْخُلُوْا فِي الدُّنْيَا قِيْلَ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَادُخُوْلُهُمْ فِي الدُّنْيا قَالَ اِتِّبَا عُ السُّلْطَانِ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ فَاحْذَرُوْهُمْ عَلىٰ دِيْنِكُم''(۱)

۱۔الکافی، ج/۱،ص/۴۶.

''فقہاء، رسولوں کے امانت دار ہیں جب تک دنیا دار نہ بنیں۔ دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ! دنیا دار بننے سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: بادشاہ کی پیروی کرنا۔ اگر وہ ایسا کریں تو تمھیں اپنے دین کے معاملے میں ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔''

جان لو! ناپسندیدہ قدر اس بارے میں محض بادشاہ کا اتباع نہیں ہے چاہے جیسا بھی ہو اس کا اتفاق ہو جائے۔ بلکہ اس کا اتباع اس لئے ہو کہ وہ اس سے اپنی شان بڑھائے اور دوسروں کے مقابلے میں اپنی بڑائی ظاہر کر کے انھیں نیچا دکھائے اور اس کی جاہ ومنزلت میں اضافہ ہو جائے اور دنیا کی محبت اور اقتدار حاصل ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اگر اتباع کا مقصد یہ ہو کہ وہ نوع انسانی کے نظام کو قائم کرے، اعلائے کلمہ دین اور ترویج حق کا سبب ہو، بدعت گذاروں کو ختم کرے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو رواج دے اور اسی طرح کے دیگر امور انجام دے تو نہ صرف ایسے موقع پر اتباع کی اجازت ہے بلکہ یہ افضل ترین عمل ہے جو اس نے انجام دیا ہے۔ اور اس طرح ہم ان روایات میں جو اس کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں اور جن روایات میں اس کی اجازت دی گئی ہے ان سے ہم آہنگ کر سکتے ہیں۔ بلکہ مشاہیر شیعہ جیسے علی بن یقطین، عبداللہ نجاشی، ابوالقاسم حسین بن روح (نواب شریفہ میں سے ایک)، محمد بن اسماعیل بن نزیع، نوح بن دراج وغیرہ جو ائمہ علیہم السلام کے اصحاب میں سے تھے اور فقہاء میں سے سید مرتضیٰ، سید رضی اور ان دونوں کے والد محترم، خواجہ نصیر الدین طوسی، علامہ بحر العلوم جمال الدین بن مطہر اور دیگر افراد کے اعمال سے یہ ثابت بھی ہوتا ہے۔

یہ جان لو! جہاں اس میں بے حد ثواب ہے وہاں بہت شدید خطرہ بھی ہے اور بڑا دھوکا بھی اس لئے کہ دنیا کی رونق، چہل پہل، ریاست کی محبت اور بلندی کی ہوس جب دل میں نمو پانے لگتی ہے تو بہت سے صحیح راستے اور درست مقاصد جو موجب ثواب ہوتے ہیں انھیں اس کی نگاہوں سے اوجھل کر دیتی ہے لہٰذا اس سلسلہ میں بیدار وہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

۶) شعائر اسلامی کی رعایت اور احکام کی پابندی

استاد اور شاگرد دونوں پر لازم ہے کہ شعائر اسلامی کی رعایت کریں اور ظاہری احکام کی پابندی کریں جیسے نماز کے فضیلت کے وقت میں مساجد میں نماز جماعت کا اہتمام کرنا اور ہر خاص وعام کو سلام کی ابتداء کرنا اور جواب دینا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور اس بارے میں تکالیف پر صبر سے کام لینا، کھلے

عام حق کا پرچار کرنا، اپنے آپ کو اللہ کے لئے وقف کر دینا، کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا اور اس راہ میں نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء کی تاسّی کرنا اور اوامر الٰہی کو قائم کرنے میں انھیں جن تکالیف اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، انھیں یاد کرنا۔

دونوں اسے اپنے ظاہری اور باطنی اعمال میں صرف جائز و مباح اعمال پر اکتفا نہ کریں بلکہ اپنے لئے احسن اور اکمل اعمال کو اختیار کریں اس لئے کہ علماء قدوۃ (رہنما) ہوتے ہیں اور لوگ انہی کی جانب رجوع کرتے ہیں اور وہ عوام پر اللہ کی حجت ہوتے ہیں یہ جنھیں دیکھتے بھی نہیں وہ لوگ ان سے امور کو حاصل کرنے کے لئے ان کی جانب نگران ہوتے ہیں اور وہ لوگ ان کی اقتداء کرتے ہیں جنھیں یہ جانتے بھی نہیں ہیں۔ اگر عالم ہی اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچائے گا تو اس کے علاوہ کوئی اور کہاں فائدہ پہنچا سکتا ہے کیوں کہ عالم کی لغزش بہت عظیم ہوتی ہے اس لئے اس سے بہت سی خرابیاں وجود میں آتی ہیں۔

اسے چاہئے کہ ایسی خوبیوں سے اپنے آپ کو آراستہ کرے جن کے بارے میں شریعت کا حکم ہے اور ان کی تاکید کی گئی ہے اور اپنے آپ کو قابل تعریف صفات اور پسندیدہ عادات سے آراستہ کرے جیسے سخاوت، کرم، اعتدال سے تجاوز کئے بغیر خندہ پیشانی سے پیش آنا، غصہ کو پی جانا، تکلیفوں کو دور کرنا اور برداشت کرنا، صبر اور استقامت کرنا، ذلیل کمائی سے اجتناب کرنا، ایثار کرنا، کسی شے کو اپنی ذات سے مخصوص نہ کرنا، انصاف کرنا، اپنا حق وصول کرنے سے پرہیز کرنا، فضل کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا، لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کی سعی کرنا، اثر ورسوخ کو کام میں لانا، فقراء پر مہربانی کرنا، پڑوسیوں اور عزیزوں سے محبت کرنا اور اپنی کنیزوں اور غلاموں پر احسان کرنا، زیادہ ہنسنے اور مزاح کرنے سے کنارہ کشی اختیار کرنا، خوف، حزن، انکسار اور نگاہ نیچی کئے خاموش رہنا، اس طرح کہ خشیت الٰہی کا اثر اس کی ہیئت، سیرت، حرکت، سکون، گویائی اور خاموشی سے ظاہر ہو اور اس کی صورت اس کے علم کی دلیل ہو کہ اگر کوئی دیکھنے والا اسے دیکھے تو اللہ تعالیٰ کی یاد دلا دے۔

دونوں پر لازم ہے کہ آداب شرعی خواہ قولی ہوں یا فعلی، ظاہری ہوں یا مخفی ان سب کی پابندی کریں جیسے قرآن کی تلاوت، اس کے معانی و مفاہیم پر غور کرتے ہوئے، اس کے اوامر کی بجا آوری اور اس کے منع کردہ امور سے دوری، اس کے وعدے اور وعید پر رک کر سوچنا، اس کے وظائف اور حدود پر باقی رہنا، دل اور زبان سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اسی طرح وہ دعائیں اور اذکار جو وارد ہوئے ہیں انھیں رات دن اپنے

معمولات میں شامل کرنا۔ زیادہ عبادت کرنا جیسے نماز، روزہ، حج بیت الحرام وغیرہ، علم کے مقابلے میں عبادات میں کوتاہی نہ کرنا کہ اس سے دل سخت ہوجائے گا اور اس کا نور تاریک ہوجائے گا جیسا کہ اس کے بارے میں ہم متنبہ کرچکے ہیں۔

زیادہ صفائی ستھرائی کو ملحوظ رکھیں۔ میل کچیل دور کریں۔ ناخن کاٹیں۔ غیر ضروری بالوں کو صاف کریں۔ ناگوار بو سے بچیں۔ داڑھی میں کنگھی کریں۔ بابرکت سنت اور پسندیدہ اور بلند و بالا اخلاق کی اقتدا کریں۔

اپنے آپ کو بری عادتوں اور لائق مذمت اوصاف سے پاک صاف رکھیں جیسے حسد، ریاکاری، خود پسندی اور لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا خواہ وہ اس سے کم رتبہ ہی کیوں نہ ہوں، کینہ پروری، ظلم و زیادتی، غیر اللہ کے لئے غصہ کرنا، دھوکا دینا، کنجوسی، خباثت، آپے سے باہر ہوجانا، لالچ کرنا، فخر ومباہات کرنا، اترانا، دنیا کے بارے میں باہم جھگڑنا، ایک دوسرے سے مباہات کرنا، چاپلوسی کرنا، لوگوں کے لئے بناؤ سنگار کرنا، جو کام انجام نہیں دیا اس کی تعریف چاہنا، اپنے عیوب کو نہ دیکھنا، دوسروں کے عیوب تلاش کرنا، غیر اللہ کے لئے غیرت اور تعصب اور غیر خدا سے رغبت وخوف، غیبت، چغل خوری، بہتان جھوٹ اور فحش گفتگو وغیرہ۔

ان صفات کی تفصیل، ان کا علاج اور نیک صفات کی طرف ترغیب اور برے صفات سے خوف دلانا۔ یہ سب باتیں ان کے خاص مقام پر ذکر ہوئی ہیں۔ یہاں ان کے تذکرے کا مقصد عالم وطالب علم کو ان قوانین سے متنبہ کرنا ہے تاکہ وہ انھیں نیکیاں کرتے ہوئے اور برائیوں سے اجتناب کرتے وقت ان کی جانب متوجہ رہیں۔ اگرچہ یہ صفتیں سب کے لئے مشترک ہیں لیکن معلم اور متعلم ان سے خبردار رہنے کے زیادہ حق دار ہیں اور اسی لئے ہم نے ان کی ذمہ داریوں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ بعض بزرگ علماء(۱) نے کہا ہے: علم، دل کی عبادت اور اسے بسانا ہے اور باطنی نماز ہے جس طرح نماز جو ظاہری اعضاء وجوارح سے متعلق ہے وہ صحیح نہیں ہوتی جب تک ان اعضاء کو حدث یا خبث سے پاک نہ کیا جائے اسی طرح باطن کی عبادت بھی صحیح نہیں ہوسکتی جب تک برے اخلاق وعادات سے اسے طاہر نہ کیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ علم کے نور کو ایسے دل میں نہیں ڈالتا جو نفسانی کدورتوں اور اخلاقی برائیوں کی نجاست میں مبتلا ہو جیسا کہ حضرت امام

۱۔ غزالی نے احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۴۲۔

جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''لَیْسَ الْعِلْمُ بِکَثْرَۃِ التَّعَلُّمِ وَاِنَّمَا ھُوَ نُوْرٌ یَقْذِفُہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فِی قَلْبِ مَنْ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہُ''(۱)

''علم زیادہ سیکھنے کا نام نہیں بلکہ وہ ایسا نور ہے اللہ جس کی ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کے دل میں اس نور کو ڈال دیتا ہے۔''

اس بات سے پتا چلتا ہے کہ علم صرف مخصوص معلومات جمع کرنے کو نہیں کہتے اگر چہ عرف عام میں ایسا ہی کیوں نہ ہو بلکہ وہ نور مذکور ہے جو اس علم (ظاہری) سے پیدا ہوتا ہے اور بصیرت اور خوف خداوندی کا سبب بنتا ہے جیسا کہ اس کا بیان گذر چکا۔

یہ کچھ ایسی ذمہ داریاں تھیں جو معلم اور طالب علم کے درمیان مشترک ہیں اور ان میں اکثر کا تعلق علم پر عمل کرنے سے ہے۔ ہم نے انھیں علاحدہ طور سے بیان کیا کیونکہ وہ مہتم بالشان ہیں اور ان کے ذریعہ اصول فضائل سے آگاہ کرنا مقصود تھا۔

۱۔ بحارالانوار، ج/۱، ص/۲۲۴، قدرے اختلاف کے ساتھ۔

قسم دوم

درس و بحث کے دوران استاد اور شاگرد کے آداب

اور وہ چند چیزیں ہیں:

۱) سعی پیہم

دونوں پڑھنے، مطالعے، حاشیۂ کتاب پر نوٹ لکھنے، مباحثے، مذاکرے، غور وفکر، حفظ اور دوسروں کے سامنے پڑھنے وغیرہ میں محنت سے مشغول رہیں۔ان کا مطلوب ومقصود اور ہدف صرف حصول علم ہونا چاہئے۔ جہاں تک ممکن ہو دنیوی امور کی جانب توجہ نہ دیں۔ بلکہ بقدر ضرورت اس کی جانب توجہ کریں۔ لیکن اپنے روزانہ کے علمی کام انجام دینے کے بعد اور اسی لئے کہا گیا ہے:

''اَعْطِ الْعِلْمَ کُلَّکَ یُعْطِکَ بَعْضَہٗ''

''تم علم کے لئے اپنے آپ کو مکمل اس کے سپرد کرو وہ تمھیں اپنا کچھ حصہ عطا کرے گا۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

''تَذَاکُرُ الْعِلْمِ بَیْنَ عِبَادِی مِمَّا تُحْیَا عَلَیْہِ الْقُلُوْبُ الْمَیْتَۃُ اِذَا ھُمْ اِنْتَھَوا فِیْہِ اِلیٰ اَمْرِیْ''(۱)

''میرے بندوں کے درمیان علمی مذاکروں کا سلسلہ جاری رکھنا اور ان امور میں سے جن کے ذریعہ

....

۱۔الکافی، ج/۱،ص/۴۱.

مردہ دلوں کو زندہ کیا جاتا ہے اگر وہ میری معرفت کا ذریعہ بنے۔''

امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے:

''رَحِمَ اللّٰہُ عَبْداً اَحْیَا الْعِلْمَ فَقِیْلَ وَمَا اِحْیَاؤُہٗ فَقَالَ اَنْ یُذَاکَرَ بِہٖ اَھْلَ الّدِیْنِ وَالْوَرَعِ''(۱)

''اللہ اس بندے پر رحم کرے جس نے علم کو زندہ کیا۔ دریافت کیا گیا۔ اس کا احیاء کرنا کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: صاحبان دین و تقویٰ سے اس کا مذاکرہ کیا جائے۔''

نیز: ''تَذَاکُرُ الْعِلْمِ دِرَاسَۃٌ وَالدِّرَاسَۃُ صَلَاۃٌ حَسَنَۃٌ''

''علمی مذاکرہ درس حاصل کرنا ہے اور درس حاصل کرنا بہترین نماز (کے حکم میں) ہے۔''(۲)

۲) ہٹ دھرمی سے پرہیز

کسی سے ہٹ دھرمی اور اسے تنگ کرنے کے لئے اس سے سوال نہ کریں بلکہ اس متعلم یا معلم کی طرح سوال کرے جو اللہ کے لئے علم حاصل کرنا چاہتے ہیں یا خیر سے آگاہ کرنے کے لئے۔ اس سے سیکھنے یا اسے سکھانے کی غرض سے ہو۔ اس کا یہیں سے تعلیم و تعلّم کا مقصد ظاہر ہوتا ہے اور اس کا درخت بارآور ہوتا ہے لیکن اگر اس کا قصد صرف مقابلہ اور جدال ہو اور وہ حریف پر غالب آنا چاہتا ہو تو اس کے نفس میں خراب عادت اور خبیث خصلت پیدا ہو جائے گی اور وہ اللہ کی ناراضی کے مستحق قرار پائیں گے نیز اس میں بہت سی نافرمانیاں ہیں جیسے مخاطب کو اذیت پہنچانا، اسے جاہل سمجھنا، اس کے بارے میں طعن و تشنیع کرنا، اپنا قصیدہ پڑھنا اور بڑائی بیان کرنا، یہ سب کے سب بڑے گناہ ہیں اور ایسے عیوب ہیں کہ سنت مطہّرہ میں جن کے بارے میں ممانعت آئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی باتیں جینا دوبھر کر دیتی ہیں اگر تم کسی سفیہ سے مقابلہ کرو گے تو وہ تمہیں اذیت دے گا اور کسی حلیم سے مجادلہ کرو گے تو وہ تمہیں غصہ کر دے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی اور ائمہ علیہم السلام کی زبانی مجادلہ کو حرام قرار دیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''تم اپنے بھائی سے مجادلہ نہ کرو اور نہ ہی اس سے مزاح کرو اور نہ ہی اس سے وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرو۔''

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۱۔

۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۱۰۰۔

نیز ارشاد فرمایا ہے:

''ذَرُوْا الْمَرَاءَ فَاِنَّهُ لَا تُفْهَمُ حِكْمَتُهُ وَلَا تُؤْمَنُ فِتْنَتُهُ''(۱)

''مناظرے کو چھوڑ دو اس کی حکمت سمجھ سے بالاتر ہے اور اس کے فتنے سے محفوظ رہنا مشکل ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

''لَا يَسْتَكْمِلُ عَبْدٌ حَقِيْقَةَ الْاِيْمَانِ حَتّٰى يَدَعَ الْمِرَاءَ وَاِنْ كَانَ مُحِقاً''(۲)

''کوئی بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت کو تکمیل کے مراحل تک نہیں پہنچا سکتا جب تک وہ مناظرے کو چھوڑ نہ دے خواہ وہ اس بارے میں حق بجانب ہی کیوں نہ ہو۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''اَلْمِرَاءُ دَاءٌ دَوِيٌّ وَلَيْسَ فِي الْاِنْسَانِ خَصْلَةٌ شَرٌّ مِنْهُ وَهُوَ خُلُقُ اِبْلِيْسَ وَنِسْبَتُه فَلا تُمَارىٰ فِي اَيِّ حَالٍ كَانَ اِلَّا مَنْ كَانَ جَاهِلاً بِنَفْسِهِ وَبِغَيْرِهِ مَحْرُوْماً مِن حَقَائِقِ الدِّيْنِ''

مجادلہ ایک مہلک بیماری ہے اور انسان میں اس سے بری کوئی خصلت نہیں ہے اور یہ ابلیس کی عادت ہے اور اسی سے منسوب ہے۔ پس کسی حال میں بھی مجادلہ نہیں کرے گا مگر وہ شخص جو اپنے آپ اور سامنے والے سے ناواقف ہو اور دین کی حقیقتوں سے ناآشنا ہو۔''(۳)

جان لو کہ جدال کی حقیقت کسی دوسرے کی بات پر اعتراض کرنا، اس میں خلل ڈالنے کے لئے، لفظاً یا معنیً یا عمداً اس میں ایسی کوئی دینی غرض پنہاں نہیں ہوتی جن کا اللہ نے حکم دیا ہے اور مجادلہ سے اس طرح اجتناب کیا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی بات سنے تو اس کے انکار اور اعتراض کو ترک کر دے۔ پس اگر وہ بات درست ہو تو دل سے اس کی تصدیق لازم ہوگی اور اگر اس سے مطالبہ کیا جائے تو اسے سچائی کا اظہار کرنا ہوگا۔ اور اگر وہ بات باطل ہو اور اس کا دینی امور سے کوئی تعلق نہ ہو تو پھر اس بارے میں خاموشی اختیار کرے جب تک نہی عن المنکر کی شرائط اس پر عائد نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ مجادلہ ایذاء رسانی سے جدا نہیں ہوتا اس میں انسان کا غصہ بڑھ جاتا ہے اور اعتراض کرنے والے کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ واپس لوٹے اور اپنی بات کی ہر ممکن طور سے نصرت کرے خواہ وہ حق ہو یا باطل اور اس بات کے کہنے والے پر

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۱۰۰۔ ۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۱۰۰۔
۳۔ بحار الانوار، ج/۲، ص/۱۳۴۔

بہر طور تنقیص کرے؛ لہٰذا دو مجادلہ کرنے والوں میں اختلاف اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے جیسا کہ دو کتے بھونکنے لگتے ہیں اور ہر ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے، یہ بہت بڑا انتقام ہے اور زبردستی کسی کو خاموش کرنے اور اسے گھائل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ وہ تکبر کو ختم کر دے جو اسے اظہار فضل پر ابھارتا ہے اور اس درندگی کو الگ کر دے جو اسے دوسروں کی تنقیص پر آمادہ کرتی ہے۔ تکبر اور غصہ کے علاج کے لئے جو مفید دوائیں تجویز کی گئی ہیں انھیں استعمال کرے جسے ہم نے اپنی کتاب ''**منار القاصدین فی اسرار معالم الدین**'' میں بیان کیا ہے یا اس بارے میں جو دیگر کتابیں تحریر کی گئی ہیں ان کی طرف رجوع کرے۔

اور مناسب نہیں ہے کہ شیطان تمھیں فریب دیدے اور تم سے کہے کہ '' تم حق کو ظاہر کرو اور اس میں منافقت سے اور لگی لپٹی بات سے کام نہ لو'' اس لئے کہ شیطان ہمیشہ احمق لوگوں کو مقامات خیر میں شر کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔ تم اس کی خاطر مضحکہ نہ بنو۔ اس لئے کہ اظہار حق بہت اچھی بات ہے بشرطے کہ کوئی اسے قبول کرے اور اس اظہار میں خلوص پنہاں ہو۔ بطور نصیحت احسن طریقہ سے اس بات کا اظہار کیا جائے اور اس میں کسی طرح کا مجادلہ نہ ہو۔

اور نصیحت ایسی صفت اور ہیئت ہے جو نرم مزاجی کی محتاج ہے ورنہ وہ رسوائی اور ذلت بن جائے گی اور اس کا فساد اس کے صلاح (درستی) سے بڑھ کر ہوگا۔

جو اس زمانے کے فقہاء اور صاحبان علم سے مخلوط ہوگا تو اس کی طبیعت میں مناظرہ اور مجادلہ غالب آجائے گا اور خاموش رہنا اس کے لئے دشوار ہو جائے گا بالخصوص جب اس کے برے رفقاء اس کے کان میں یہ ڈال دیں کہ مناظرہ فضیلت کی دلیل ہے تو تم پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں سے اسی طرح فرار کرو جیسے شیر کو دیکھ کر فرار اختیار کرتے ہو۔

۳) طلب علم میں تواضع وانکساری

یہ کہ اس شخص سے علم حاصل کرنے اور استفادہ کرنے سے روگردانی نہ کرے جو منصب، عمر، شہرت، دین یا علم میں اس سے کمتر ہو۔ بلکہ ہر اس فرد سے استفادہ کرے جن سے استفادہ کرنا ممکن ہو اور جو چیز اسے معلوم نہیں اس کے حاصل کرنے میں اس کے عہدے کی بلندی اور اس کی شہرت رکاوٹ نہ بنے ورنہ اس کی شہرت کو نقصان پہنچے گا۔ اس کا علم کم رہ جائے گا اور وہ اللہ کی ناراضی کا مستحق قرار

پائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا''(۱)

''حکمت مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے وہ جہاں بھی اسے پالے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔''

الطاف حسین حالی نے اس حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ:

حکمت کو اک گم شدہ لعل سمجھو جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

اور کسی نے اس بارے میں کیا خوب کہا ہے:

وَلَيْسَ الْعَمىٰ طُوْلَ السُّوَالِ وَاِنَّمَا تَمَامُ الْعَمىٰ طُوْلَ السُّكُوْتِ عَلىٰ الْجَهْلِ

''سوال کا طولانی ہونا اندھا پن نہیں ہے بلکہ مکمل طور سے نابینا ہونا جہالت کی بنیاد پر لمبی خاموشی ہے۔''

امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

''مَنْ رَقَّ وَجْهُهُ رَقَّ عِلْمُهُ''(۲)

''جو شخص شرمائے گا اس کا علم بھی کم ہو جائے گا۔''

۴) حق بات پر سرِ تسلیم خم کر دینا

یہ بہت اہم بات ہے کہ اگر کوئی لغزش ہو جائے تو پلٹ کر حق کی پیروی کرنا خواہ وہ اس جانب توجہ دلائے جو اس سے چھوٹا ہو اس لئے کہ اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا اور حق کو تسلیم کرنا علم کی برکتوں کا باعث ہو اور حق کو قبول نہ کر کے اپنی بات پر مصر رہنا ایک طرح کا تکبر ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور اللہ سے دوری اور اس کی بزم سے علیحدگی کا باعث ہو۔

امام محمد باقر علیہ السلام یا امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

''لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ كِبْرٌ''

''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی تکبر موجود ہو۔''(۳)

۱۔ بحار الانوار، ج/۲، ص/۹۹.
۲۔ الکافی، ج/۲، ص/۱۰۶.
۳۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۱۰.

۵) ہمیشہ باطہارت رہنا

وہ مجلس درس میں حدث وخبث سے پاک ہوکر صاف ستھرے، جسم اور کپڑے کو معطر کر کے، بہترین لباس زیب تن کر کے آئیں۔ اس سے اس کا مقصد علم کی تعظیم وتکریم اور حاضرین مجلس اور فرشتوں کو خوش کرنا ہے، بالخصوص اگر درس مسجد میں ہو رہا ہو اور اس میں جو کچھ رغبت دلائی گئی ہے وہ عامۃ الناس سے متعلق ہو عالم اور طالب علم کے حق میں اس کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

دوسری فصل

طالب علم سے مخصوص آداب

ان کی تین قسمیں ہیں:

- طالب علم کی ذات سے متعلق آداب
- استاد کے متعلق طالب علم کے آداب
- مجلس درس سے متعلق آداب

پہلی قسم

طالب علم کی ذات سے متعلق آداب

اور یہ چند امور ہیں

۱) حسن نیت اور طہارت قلب

طالب علم اپنی نیت کو نیک بنائے اور اپنے دل کو نجاسات سے پاک کرے تا کہ وہ علم کی قبولیت، اس کی حفاظت اور تداوم کے قابل ہو جائے اور کمال یافتہ افراد میں سے ایک شخص نے کہا ہے: ''علم کی خاطر دل کو طیب و طاہر بنانا ایسا ہی ہے جیسے زراعت کے لئے زمین کو گھاس پھوس سے صاف کرنا اس کے بغیر نہ اس میں نمو ہوگا، نہ کچھ اگے گا اور نہ ہی پھلے پھولے گا، ناپاک دل کے ساتھ علم حاصل کرنا ویسے ہی ہے جیسے کوئی شخص ایسی زمین میں کاشت کرنے لگے جو بنجر ہو، صاف ستھری نہ ہو۔''

اور ایک شاعر نے کہا ہے:

شَكَوْتُ اَلىٰ وَكِيْعٍ سُوءَ حِفْظِي	میں نے ایک حکیم سے حافظے کی خرابی کی شکایت کی
فَاَرْشَدَنِي اِلىٰ تَرْكِ الْمَعَاصِي	تو اس نے مجھے گناہوں کو چھوڑنے کے لئے کہا
وَ قَالَ اعْلَمْ بِاَنَّ الْعِلْمَ فَضْلٌ	اور کہا کہ جان لو علم ایک فضیلت کا نام ہے
وَ فَضْلُ اللّٰهِ لا يُوتَاهُ عَاصٍ	اور اللہ کا فضل کسی گناہ گار کو نہیں دیا جاتا

۲) اوقات فراغت کو غنیمت جاننا

اوقات فراغت، تندرستی، جوانی، جسمانی طاقت، ذہانت، ہوش وحواس کی بحالی، مشاغل کی کمی اور اسباب کا مہیا ہونا ان سب کو غنیمت جانے بالخصوص بلند درجہ پانے سے قبل علم وفضل میں شہرت حاصل کرنے سے پہلے کہ وہ درجہ کمال تک پہنچنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں بلکہ اس میں کمی واقع ہونے اور اس

کے ختم ہو جانے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

کسی شخص نے یہ کہا ہے: '' تَفَقَّهُوا قَبْلَ اَنْ تَسُودَوا '' ''قبل اس کے کہ تم سردار بنو فقیہ بن جاؤ۔'' اس لئے کہ سردار بن جانے کے بعد تم علم حاصل کرنے سے کنارہ کشی کروگے یا بلند مرتبہ پالینے کے بعد تمھیں علم حاصل کرتے ہوئے شرم آئے گی اور اس طرح علم تمھارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

ایک بزرگ عالم نے فرمایا:

''تَفَقَّهُ قَبْلَ اَنْ تَتَرَأَّسَ فَاِذَا رَأَسْتَ فَلَا سَبِيْلَ اِلىٰ التَّفَقُّهِ''

''تم فقہ حاصل کرلو اس سے پہلے کہ ریاست کی ذمہ داری سنبھالو، اگر تم رئیس بن گئے تو پھر تفقہ کے لئے کوئی سبیل باقی نہیں رہ جائے گی۔''

ایک حدیث میں آیا ہے:

''مَثَلُ الَّذِیْ يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ فِي صِغَرِهِ كَالنَّقْشِ عَلىٰ الْحَجَرِ وَمَثَلُ الَّذِیْ يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ فِي كِبْرِهِ كَالَّذِیْ يَكْتُبُ عَلىٰ الْمَاءِ''(۱)

''اس شخص کی مثال جو کم سنی میں علم حاصل کرتا ہے گویا کہ پتھر پر نقش کے مانند ہے اور اس کی مثال جو بڑا ہو کر علم حاصل کرتا ہے ایسا ہے کہ گویا وہ پانی پر کچھ تحریر کر رہا ہے۔''

ابن عباسؓ سے مروی ہے: کسی عالم کو علم نہیں دیا گیا مگر یہ کہ وہ جوان تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قول سے جس جانب آگاہی بخشی ہے: ﴿وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾(۲) ''اور ہم نے یحییٰ کو بچپن میں ہی قوت فیصل عطا کر دی تھی۔'' تو یہ غلبہ کے اعتبار سے ہے۔ مگر جو شخص بڑا ہو جائے تو اس کے لئے ہرگز یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ طلبِ علم سے روگردانی کرے، کیوں کہ فضل خدا وسعت رکھتا ہے اور اس کا کرم بے انتہا ہے، اس کی سخاوت کا فیضان جاری ہے، اس کی رحمت اور بخششوں کی دوراز ے کھلے ہوئے ہیں۔ اب اگر وہ اس لائق ہے تو نعمت مکمل ہو جائے گی اور مطلوب حاصل ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاتَّقُوا اللهَ وَيُعَلِّمُكُمْ اللهُ﴾(۳) ''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اللہ تمھیں علم سے نوازے گا'' اور فرمایا: ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهُ وَاسْتَوىٰ اٰتَيْنَاهُ حُكْماً وَعِلْماً﴾ ''جب یوسفؑ پختگی کی عمر کو پہنچ گئے ہم نے انھیں قوت فیصلہ اور علم عطا کیا۔''(۴)

۱۔ الجامع الصغیر، ج/۲، ص/۱۵۴ ۲۔ سورۂ مریم/۱۲.
۳۔ سورۂ بقرہ/۲۸۲. ۴۔ سورۂ یوسف/۲۲.

اور گذشتہ علماء کی ایک جماعت بڑھاپے میں حصول علم کی طرف مائل ہوئی انھوں نے دین کا فہم حاصل کیا اور وہ دین کے ستون قرار پائے اور علماء و مصنفینِ فقہ میں شمار کیے گئے۔ عاقل کو اپنی زندگی کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور اپنی جوانی کو ضائع ہونے سے بچانا چاہیے۔

۳) طلب علم سے روکنے والے تعلقات سے قطع تعلق

جہاں تک ممکن ہو ان مشغولیات سے قطع تعلق کرلے اور ان روابط کو ختم کردے جو تکمیل علم اور سعی مکمل اور تحصیل علم کے لئے جد وجہد میں آڑے آتی ہیں۔ جتنی روزی میسر ہو اسی پر قناعت کرلے خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ جو بھی لباس میسر ہو اسی پر گذارا کرے خواہ وہ پرانا ہی کیوں نہ ہو۔ زندگی کی تنگی پر صبر کر کے ہی وسعت علم حاصل ہوسکتی ہے اور بکھری ہوئی آرزؤں سے دل کو ایک جگہ مجتمع کیا جا سکتا۔ ایک بزرگ نے کہا: ''اگر کوئی شخص اس علم کو عزت نفس کے ساتھ حاصل کرے گا تو وہ یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔''

اسی لئے کہا جاتا ہے:

''اَلْعِلْمُ لَا يُعْطِيكَ بَعْضَهُ حَتیٰ تُعْطِيَهِ كُلَّكَ''

''علم تمھیں تھوڑا سا حصہ بھی اس وقت تک عطا نہیں کرے گا جب تک تم اپنے آپ کو مکمل طور سے اس کے سپرد نہ کردو۔''

۴) ایک مدت تک شادی نہ کرنا

اس وقت تک شادی کو ملتوی رکھے جب تک مدعائے علم حاصل نہ ہوجائے اس لئے کہ شادی ایک بڑی مصروفیت اور عظیم رکاوٹ ہے، بلکہ وہی سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور یہ بات وجدانی تجربے سے ثابت اور واضح امر ہے اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ اولاد اور اسباب کی فکر کے ساتھ بھلا کوئی حصول علم کی جانب مکمل طور سے کہاں متوجہ ہوسکتا ہے اور یہ مثال زبان زدِ خلائق ہے:

''لَوْ كُلِّفْتَ بَصَلَةً مَا فَهِمْتَ مُسْأَلَةً''

''اگر تمھیں ایک پیاز مہیا کرنے کی ذمہ داری دے دی جائے تو تم ایک علمی مسئلہ کو بھی سمجھ نہ پاؤ گے۔''

طالب علم اس بات سے دھوکا نہ کھائے کہ نکاح کی جانب بہت رغبت دلائی گئی ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کوئی ایسا واجب اس سے نہ ٹکرائے جو اس سے افضل ہو اور علم سے بہتر، افضل، ضروری اور

واجب کوئی عمل نہیں ہے۔ بالخصوص ہمارے دور میں اس لئے کہ واجب کفائی کے لئے اگر وہ لوگ آمادہ نہ ہوں گے جن کی وجہ سے یہ واجب کفائی ہے تو یہ واجب عینی ہو جائے گا پھر تمام افراد اس کے مخاطب بن جائیں گے اور اس کے ترک کرنے پر وہ گناہگار ہوں گے۔ جیسا کہ اصول فقہ میں ثابت کیا جا چکا ہے۔(۱)

۵) طلب علم سے روکنے والی معاشرت سے پرہیز

اس کے ساتھ ایسی معاشرت و رہائش کو ترک کر دے جو اسے مطلوب سے غافل کر دے، ایسی صحبت کا چھوڑ دینا طالب علم کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے بالخصوص اگر وہ اس کا ہم جنس نہ ہو اور خاص طور سے اس شخص کے لئے جس میں فکر کی کمی ہو، جو زیادہ تھکتا اور بیکار رہتا ہو اس لئے کہ مزاج انسان رہزن ہے اور معاشرت کی سب سے بڑی آفت عمر کا بغیر کسی فائدے کے برباد کر دینا ہے اور اگر وہ نااہل ہو تو عزت و آبرو اور دین کی بربادی بھی ہے۔

طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ میل جول نہ رکھے جو نہ فائدہ پہنچا سکتا ہو اور نہ ہی فائدہ حاصل کر سکتا ہو۔ اگر کسی ساتھی کی ضرورت بھی محسوس کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ ایسا ساتھی تلاش کرے جو دینی اعتبار سے صالح، پرہیزگار اور ذہین ہو۔ ایسا شخص ہو کہ اگر یہ کچھ بھول جائے تو وہ اسے یاد دلا دے اور اگر اس نے یاد رکھا ہو تو اس کی اعانت کرے۔ اگر اسے کوئی ضرورت ہو تو وہ اس ضرورت کو پورا کرے۔ اگر وہ تنگ دل ہو تو اسے صبر کی تلقین کرے۔ اس کے اخلاق سے عمدہ ملکہ کو حاصل کرے اور اگر ایسا رفیق میسر نہ ہو تو پھر بدترین رفیق کی بہ نسبت تنہائی بہتر ہے۔

۶) طلب علم پر حریص ہونا

علم حاصل کرنے پر حریص ہو، اپنے تمام اوقات اسی تگ و دو میں صرف کرے خواہ رات ہو یا دن، سفر ہو یا حضر، اس کا کوئی لمحہ علم کے حصول کے بغیر نہ گذرے مگر بقدر ضرورت اس کام کے لئے جو لازمی ہو۔ مثلاً کھانا، سونا اور تھوڑی سی استراحت تاکہ تھکن دور ہو جائے۔ ملاقاتی کی دلجوئی ہو اور روزی کا حصول ممکن ہو۔ اس کے علاوہ جس چیز کی احتیاج ہو اسے پورا کرے یا کسی بیماری کے علاج اور دیگر امور کے لئے کہ

۱۔ مصنف نے تتمہ کتاب میں جو لکھا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں وہ فرماتے ہیں ''اور اس زمانے میں ایسے قیام کرنے والے کہاں ہیں بلکہ اکثر زمانوں میں حصول علم دین واجب عینی قرار پاتا ہے۔

جس کے ساتھ تعلیم حاصل کرنا دشوار ہو اس کے سوا جو زندگی ہے وہ بے قیمت ہے:

''وَ مَنِ اسْتَوىٰ يَوْمَاهُ فَهُوَ مَغْبُون''(۱)

''جس شخص کے دو دن مساوی ہوں دھوکا کھا گیا ہے۔''

اور وہ عقل مند نہیں ہے جس کے لئے ان مدارج کا حصول ممکن ہو جس کی وراثت انبیاء کو ملی ہے پھر بھی وہ اس سے محروم رہے اور اسی لئے کہا گیا ہے:

''لا يُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ''

''جسم کے سکون و راحت کے ساتھ علم حاصل نہیں ہوتا۔''

اور روایت ہے کہ:

''اَلْجَنَّةُ حُفَّتْ بِالْمَكارِهِ''(۲)

''جنت تکلیفوں میں گھری ہوئی ہے۔'' یعنی جنت تکلیفیں اٹھانے کے بعد میسر آتی ہے اور کہا گیا ہے:

''وَلابُدَّ مِنْ شَهَدٍ مِنْ اَلَمِ النَحْلِ''

''اگر تمھیں شہد حاصل کرنا ہے تو شہد کی مکھی کا ڈنگ سہنا ہوگا۔''(۳)

۷) بلند ہمتی

طالب علم بلند ہمت ہو، اگر زیادہ کا امکان ہو تو کم پر راضی نہ ہو اور اس مشغولیت میں کسی تاخیر سے کام نہ لے اور فائدہ حاصل کرنے کو موخر نہ کرے خواہ وہ قلیل ہی ہو، اگر اس بات پر قدرت رکھتا ہے چاہے اسے یہ بھی علم ہو کہ بعد والی فرصت میں اسے حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ تاخیر کے لئے بہت سی آفتیں ہیں اور آنے والے وقت میں وہ اس کے علاوہ دوسری چیزیں سیکھ سکتا ہے یہاں تک کہ اگر اسے حصول درس میں کوئی رکاوٹ درپیش ہو تو وہ مطالعہ اور حفظ میں مشغول ہو جائے اور ایک شے کو دوسری شے سے مربوط نہ کرے۔

....

۱۔ بحارالانوار، طبع بیروت ۱۴۰۳ھ، ج/ ۶۸، ص/ ۱۷۳۔ ۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ/ ۱۷۶۔

۳۔ شرح دیوان الحماسۃ، ج/ ۳، ص/ ۱۵۱۱ یہ مصرع متنبّی کے شعر کا ہے، دیوان المتنبی، ص/ ۲۱۴۔

تُرِيْدِينَ لِقُيَانَ الْمَعَالِي رَخِيْصَةً وَلابُدَّ دُوْنَ الشَّهَدِ مِنْ اِبَرِ النَّحْلِ

''تم بلندیوں کے حصول کو بہت ارزاں سمجھتی ہو اگر شہد تک رسائی چاہتے ہو تو شہد کی مکھی کے ڈنگ سے گذرنا ہوگا۔'' اور کہا گیا ہے:

لَا تَحْسَبِ الْمَجْدَ تَمراً اَنْتَ اٰكِلُهٗ لَنْ تَبْلُغَ الْمَجْدَ حَتىّٰ تَلْعَقَ الصِّبْراً

''تم مجد و شرف کو کھجور مت سمجھو جسے کھانا تمھیں پسند ہے تم مجد و شرف کو ہرگز حاصل نہیں کر سکتے جب تک ایلوا کا مزا نہ چکھ لو۔''

یہ جان لو کہ اگر وہ ایسے وقت کے لئے تعلیم کو موخر کر دیتا ہے جس میں اسے مکمل فراغت حاصل ہو تو یہ ایسا وقت ہے جسے اللہ نے بعد میں پیدا نہیں فرمایا۔ بلکہ ہر وقت کچھ نہ کچھ رکاوٹ، مانع اور سدّ راہ بن جاتے ہیں۔ تم سے جتنا ممکن ہو ان موانع کو دور کرو قبل اس کے کہ وہ مکمل طور سے تمھیں اس سے جدا کر دیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

''اَلْوَقْتُ سَیْفٌ فَاِنْ قَطَعْتَهٗ وَاِلَّا قَطَعَکَ''

''وقت ایک تلوار کی مانند ہے اگر تم نے اسے کاٹ دیا تو کاٹ دیا ورنہ وہ تمھیں کاٹ دے گی۔''

اولیاء اور افاضل میں سے کسی نے کہا ہے:

''کُنْ صَارِماً کَالْوَقْتِ فَالْمَقْتُ فِی عَسیٰ وَاِیَّاکَ تعَلِّیْ فِھِی اَخْطَرُ عِلَّۃٍ''

''تم وقت کی طرح کاٹنے والی تلوار بن جاؤ اس لئے نفرت لفظ ''عسیٰ'' میں پوشیدہ ہے یعنی قریب ہے امکان ہے، ہوسکتا ہے اور تعَلّی (ٹال مٹول) سے بچو اس لئے کہ یہ خطرناک بیماری ہے۔''

۸) طلب علم میں ترتیب کی رعایت کرنا

علم حاصل کرتے وقت سب سے پہلے بہتر چیز سیکھے، آغاز اس چیز سے کرے جو سب سے اہم ہو اور پھر اس کے بعد جو اہم ہو۔ مقدمات طے کرنے سے پہلے انجام کی فکر میں نہ لگ جائے اور جب تک اعتقادات مضبوط نہ جائیں معقولات اور منقولات میں علماء کے اختلاف کی طرف توجہ نہ دے، اس لئے کہ یہ ذہن کو حیران اور عقل کو پریشان کر دیتا ہے۔

اور جب کسی فن کو حاصل کر رہا ہو تو اس وقت تک اسے نہ چھوڑے جب تک امکان بھر اس فن کی ایک کتاب یا کئی کتابیں اچھی طرح پڑھ نہ لے اور بلاوجہ ایک کتاب سے دوسری کتاب اور ایک فن سے دوسرے فن کی جانب منتقل ہونے سے پرہیز کرے۔ اس لئے کہ یہ اکتاہٹ اور ناکامی کی علامت ہے۔ جب اہلیت ثابت ہو جائے اور معرفت پختہ ہو جائے تو اس کے لئے بہتر ہے کہ پسندیدہ علوم میں سے کسی فن کو نظر انداز نہ کرے اور نہ ہی اس کے انواع میں سے کسی نوع کو چھوڑے۔ بلکہ بنظر تعمق اس کی طرف توجہ مبذول کرے تا کہ اس کے مقصد اور غرض وغایت سے مطلع ہو سکے۔ اس لئے کہ علوم ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور اکثر ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ پس اگر زندگی ساتھ دے اور توفیق شامل حال ہو تو اس علم میں کمال حاصل کرے ورنہ سب سے اہم اور اس کے بعد جو اہم ہو، اسے حاصل کرے۔

جان لو کہ پوری زندگی تمام علوم کو حاصل کرنے کے لئے ناکافی ہے تو زیرکی یہی ہے کہ ہر علم میں جو بہتر ہو اسے حاصل کرلو اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس علم کی جانب مرکوز کردو جو اشرف علوم میں سے ہو اور وہ ایسا علم ہے جس کا فائدہ اُخروی حیات میں ہوتا ہے اور کمال نفس کا موجب ہوتا ہے، نفس کو اخلاق فاضلہ کے ذریعے پاک وپاکیزہ بناتا ہے، اعمال صالحہ سے آراستہ کرتا ہے اور وہ کتاب وسنت کی معرفت اور مکارم اخلاق اور اسی سے مماثل علم کی جانب رجوع کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے۔

دوسری قسم

استاد کے متعلق

طالب علم کے آداب

مقدمہ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے تھے: ''عالم کا حق یہ ہے کہ اس سے بہت زیادہ سوالات نہ کرو اور اس کا کپڑا پکڑ کر اسے اپنی طرف متوجہ نہ کرو۔ جب تم اس کے پاس جاؤ اور اس کے پاس بہت سے افراد بیٹھے ہوں تو سب کو سلام کرو مگر اسے خاص طور سے سلام مع الاکرام کرو۔ اس کے سامنے بیٹھو۔ اس کے پیچھے نہ بیٹھو اور اپنی آنکھوں سے اس کی جانب اشارہ نہ کرو اور نہ ہی ہاتھوں سے کوئی اشارہ کرو۔ یہ بہت زیادہ نہ دہراؤ کہ فلاں نے یہ کہا ہے فلاں نے یہ کہا ہے جو اس کی بیان کردہ بات کے خلاف ہو اور اس کی لمبی نشست سے ملول نہ ہو عالم کی مثال کھجور کے درخت جیسی ہے کہ تم انتظار کرتے ہو کہ کب اس سے کوئی چیز گر کر تم تک پہونچ جائے اور عالم کو روزہ دار، قائم اللیل اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے مقابل میں بہت بڑا اجر ملتا ہے۔(۱)

اور حقوق کے بارے میں امام زین العابدین علیہ السلام کی طولانی حدیث میں مروی ہے: اور جو علم میں تمھارا رہنما ہے اس کا تم پر یہ حق ہے کہ اس کی تعظیم کرو اور اس کی بزم کی توقیر کرو اور اس کی باتیں غور سے سنو اور اس کی جانب متوجہ رہو۔ اپنی آواز اس کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اگر وہ کسی سے کوئی سوال کرے تو اسے جواب دینے دو تم جواب نہ دینے لگو۔ اس کی بزم میں کسی اور کا تذکرہ نہ کرو اور نہ ہی اس کے حضور کسی کی غیبت کرو۔ اگر تمھارے سامنے کوئی بھی اس کی برائی کرے تو تم اس کی جانب سے دفاع کرو۔ اس کے عیوب پر پردہ ڈالو۔

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۷۔

اس کے فضائل اور خوبیوں کو ظاہر کرو۔ اس کے دشمنوں کی صحبت میں نہ بیٹھو اور اس کے دوستوں سے عداوت نہ رکھو۔ اگر تم نے ان باتوں پر عمل کیا تو اللہ کے فرشتے تمھارے بارے میں گواہی دیں گے کہ تم نے اللہ کی جانب قصد کیا ہے اور تم نے جو کچھ علم حاصل کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، انسانوں کے لئے نہیں۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس بات کو نقل کیا ہے کہ انھوں نے خضر علیہ السلام سے کہا: ﴿ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴾(۲) ''کیا میں آپ کا اتباع اس شرط پر کرسکتا ہوں کہ آپ کو جو کچھ ہدایت ملی ہے آپ مجھے بھی سکھا دیں۔''

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ﴾(۳)

''انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔''

اس واقعہ میں ایسے گرانقدر آداب بیان ہوئے ہیں جنھیں ایک طالب علم کو اپنے استاد کے ساتھ انجام دینا چاہئے۔ جب کہ موسیٰ علیہ السلام باعظمت، عظیم المنزلت اور اولوا العزم پیغمبر تھے پھر بھی انھوں نے ان آداب کو ملحوظ رکھا جو ایک استاد کے لئے مناسب تھے، حالانکہ یہ طالب علم دوسری جہتوں سے ان سے زیادہ کامل تھا۔

پھر جناب خضرؑ کی جانب سے اس معرفت کے باوجود اور جناب موسیٰؑ کی جانب اس ادب و تواضع کے بعد بھی جناب خضرؑ نے انھیں ایسا عمدہ اور مستحکم جواب دیا جو عظمت و قوت پر مبنی تھا اور موسیٰؑ کے احترام کے منافی تھا بلکہ موسیٰ! کو عاجز اور بے صبر ظاہر کرتا تھا: ﴿ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾(۴) ''اے موسیٰ! آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے۔''

مختصر سا جملہ بھی بہت سے فوائد کی جانب رہنمائی کرتا ہے کہ استاد کا ادب کیسا ہونا چاہئے اور بہ سببِ علم اس کا اعزاز کیا ہونا چاہئے اور اس کا مقام کیسا باعظمت ہونا چاہئے تا کہ اس کی تاسّی کی جاسکے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو ہم ایسے آداب بیان کرتے ہیں جو طالب علم کے لیے اپنے استاد کے ساتھ مخصوص ہیں جنھیں علماء نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے جن میں چند امور یہ ہیں:

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۷ ۲۔ سورۂ کہف/ ٦٦. ۳۔ سورۂ کہف/ ٦۹. ۴۔ سورۂ کہف/ ۷۲.

۱) نیک اور صالح استاد کا انتخاب

سب سے اہم ادب یہ ہے کہ جس سے علم، اچھے اخلاق اور عمدہ آداب سیکھنا چاہتا ہے اس کے بارے میں غور وفکر کرے اس لئے کہ استاد کا اپنے شاگرد کی تربیت کرنے اور اسے بری عادتوں سے نکال کر اس کی جگہ بہترین عادات سے سنوارنے کی مثال اس کسان جیسی ہے جو زمین سے کانٹے نکالتا ہے اور کھیت میں جو گھاس پھوس اُگ جاتی ہے اسے صاف کرتا ہے تاکہ اس کی کاشت بہترین اور پیداوار زیادہ ہو جائے۔

ہر استاد اس خوبی کا مالک نہیں ہوتا بلکہ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں اس لئے کہ استاد درحقیقت نائب رسولؐ ہوتا ہے اور ہر عالم میں نیابت کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ لہٰذا چاہئے کہ ایسے استاد کا انتخاب کرے جو اہلیت و صلاحیت، دیانت داری، معرفت، پارسائی، بزرگواری، مروت اور تعلیم و تفہیم میں مہارت ظاہر، مشہور اور کامل ہو۔

اور طالب علم ایسے استاد سے دھوکا نہ کھائے جس کے پاس علم تو زیادہ ہو لیکن اس کے پاس تقویٰ، دین اور اخلاق کی کمی ہو اس لئے کہ اس کا نقصان طالب علم کے اخلاق اور دین پر اس جہالت سے کہیں زیادہ ہوگا جسے وہ علم حاصل کر کے دور کرنا چاہتا۔ لیکن اخلاق اور تقویٰ کی کمی کے اثرات دیرپا ہوتے ہیں۔ گذشتہ علماء نے کہا ہے:

''هٰذَا الْعِلْمُ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ''

''یہ علم گویا کہ دین ہے لہٰذا غور کرو کہ تم کس سے دین حاصل کر رہے ہو۔''(۱)

اور جو بات قابل اطمینان ہے وہ یہ کہ اپنے زمانے کے اساتذہ سے زیادہ سے زیادہ نشست و برخاست رکھے اور بحث و گفتگو میں وہ اس کے نظریات، اخلاق اور مباحثے کو سراہے اور اسے چاہئے کہ ان اساتذہ سے اجتناب کرے جنھوں نے اساتذہ سے علم حاصل نہیں کیا بلکہ صرف مطالعہ کر کے اپنی علمی صلاحیتوں کو بڑھایا ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نسخوں کی غلطی، لغزش اور تحریف میں مبتلا نہ ہو جائے۔ گذشتہ علماء میں سے ایک عالم نے کہا ہے:

''مَنْ تَفَقَّهَ مِنْ بُطُوْنِ الْكِتٰبِ ضَيَّعَ الْاَحْكَامَ''

''جس نے کتابوں کے شکم سے فقہ حاصل کیا اس نے احکام کو برباد کر دیا۔''

۱۔ نہج البلاغہ حکمت/۸۰.

اوردوسرے نے کہا: ''اِیَّاکُمْ وَالصَّحَفِيِّيْنَ الَّذِيْنَ يَاخُذُوْنَ الْعِلْمَ مِنَ الصُّحُفِ فَاِنَّ مَا يُفْسِدُوْنَ اَكْثَرَ مِمَّا يُصْلِحُوْنَ''

''ان لوگوں سے بچو جو براہ راست کتابوں سے علم حاصل کرتے ہیں اس لئے کہ ان کا فساد ان کی اصلاح سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔''

طالب علم کو چاہئے کہ مشہور علماء میں مقید ہونے سے بچے اور گمنام علماء سے بے توجہی کرنے سے پرہیز کرے اس لئے کہ یہ علم کے خلاف ایک طرح کا تکبر ہے جو عین حماقت ہے کیوں کہ ''حکمت مومن کا گم شدہ خزانہ ہے جہاں بھی پائے اسے فوراً حاصل کرلے۔'' اسے غنیمت جانے اور اس کا احسان تسلیم کرے جو حکمت کو اس تک لے آئے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو گمنام ہوتا ہے اس سے برکت کی توقع ہوتی ہے اور اس کا فائدہ عمومی ہوتا ہے اور اس سے جو حاصل کیا جائے وہ مکمل اور وسیع ہوتا ہے۔

جب تم اپنے اسلاف اور اخلاف کا جائزہ لوگے تو جان لوگے کہ اگر استاد متقی، خیرخواہ اور شفیق ہو تو تمھیں وہاں زیادہ منفعت نظر آئے گی اور طلبہ کو زیادہ حصہ ملےگا اور اسی طرح اگر تم تصنیفات پر نظر کروگے تو اگر مصنف زیادہ باتقویٰ ہے تو اس کا فائدہ زیادہ ہوتا ہے اور اس میں منہمک رہنے میں زیادہ کامیابی حاصل ہوتی ہے اور اگر عالم، تقویٰ سے عاری ہوتا ہے تو نتیجہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

۲) استاد؛ حقیقی باپ

اپنے استاد کو اپنا حقیقی باپ اور روحانی باپ مانے کہ روحانی باپ، جسمانی باپ سے زیادہ عظمت والا ہوتا ہے۔ پس اپنی تربیت کے سلسلہ میں اس کے حق کی رعایت اور ادائیگی کے لئے کوشش کرے۔ اسکندر سے دریافت کیا گیا:

''مَا بَالُکَ تُوَقِّرُ مُعَلِّمَکَ اَكْثَرَ مِنْ وَالِدِکَ؟'' ''تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اپنے والد سے زیادہ اپنے استاد کی توقیر کرتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا:

''لِاَنَّ الْمُعَلِّمَ سَبَبٌ لِحَيَاتِیْ الْبَاقِيَةِ وَوَالِدِیْ لِحَيَاتِیْ الْفَانِيَةِ'' ''اس لئے کہ معلم میری باقی رہنے والی حیات کا سبب ہے اور میرا باپ میری فانی زندگی کا باعث ہے۔''(۱)

۱۔ الذریعہ الی مکارم الشریعہ، ص/۱۹۹.

۳) جہل و نادانی ایک نفسانی بیماری

وہ یہ سمجھے کہ وہ نفسانی مریض ہے۔اس لئے کہ بیماری درحقیقت فطرت کی گذر گاہ سے انحراف کا نام ہے۔اور نفس کی طبیعت کسی امر کا جاننا ہے اور نفس جسمانی قوتوں کے اختلاط میں غلبہ کے سبب اپنی طبیعت سے باہر نکل جاتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا استاد اس کی بیماری کے لئے ڈاکٹر کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے کہ وہ اسے طبیعت کی گذر گاہ کی طرف واپس لوٹا ہے۔لہٰذا استاد اگر کوئی مشورہ دے تو اس کی مخالفت کرنا مناسب نہیں ہے جیسے وہ طالب علموں سے یہ کہے کہ ''فلاں کتاب پڑھو'' یا یہ کہ ''اتنا درس تمھارے لئے کافی ہے۔''اس لئے کہ اگر طالب علم اس کی مخالفت کرے تو گویا وہ ایسے مریض کی مانند ہے جو ڈاکٹر کی تجویز کردہ علاج کی مخالفت کرتا ہے۔

جس طرح بیمار پر لازم ہے کہ نقصان دہ چیزوں اور دوا کو فاسد کرنے والی غذاؤں سے پرہیز کرے خواہ طبیب کی موجودگی میں ہو یا اس کی غیر حاضری میں۔اسی طرح طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو ان معنوی نجاستوں سے بھی پاک رکھے معلم جن سے طہارت کا خواہاں ہے مثلاً کینہ، حسد، غضب، حرص، تکبر، خود پسندی وغیرہ جیسی بری عادتیں۔

۴) استاد کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھنا

شاگرد اپنے استاد کو احترام، عظمت اور عزت کی نظر سے دیکھے۔اسلاف میں سے کسی نے کہا ہے:
''میں اپنے استاد کے سامنے ان کی ہیبت کی وجہ سے کتاب کی ورق گردانی بھی نہایت آہستگی کے ساتھ کرتا تھا تاکہ وہ ورق کے پلٹنے یا اسے اٹھانے کی آواز نہ سن لیں۔''اور دوسرے عالم نے کہا: ''خدا کی قسم! اگر میرے استاد مجھے دیکھ رہے ہوتے تو ان کی ہیبت کے سبب میں ان کے سامنے پانی پینے کی بھی ہمت نہیں کرتا تھا۔''

طالب علموں کو چاہئے کہ استاد کے سامنے نہایت ادب کے ساتھ پر سکون، خضوع کے ساتھ سر جھکا کر، متواضع اور خشوع کے ساتھ بیٹھیں اور بہتر ہے کہ فرش پر بیٹھیں یا ٹانگوں کو موڑ کر سرین کے بل بیٹھیں اور خیال رہے کہ دونوں پیر چھپے رہیں اور کپڑے ڈھیلے ہوں اور استاد کے حضور دیوار یا تکیہ پر ٹیک لگا کر نہ بیٹھیں اور اور نہ ہی استاد پر اپنا ہاتھ رکھیں اور اپنے پہلو کو اور نہ ہی پیٹھ کو اس سے پھرائیں اور اس کے حضور نہ

اس پر ٹیک لگائے پیچھے سے یا پہلو یا پیٹھ پر اور نہ ہی اس کے جسم یا کپڑوں کو ہاتھ سے مس کرے اور نہ ہی اپنا پاؤں یا ہاتھ یا جسم کا کوئی حصہ یا کپڑا استاد کے کپڑے یا مسند یا جانماز سے مس کرے۔

بعض علماء نے کہا ہے: ''استاد کی تعظیم یہ ہے کہ اس کے برابر نہ بیٹھے اور نہ ہی اس کے مصلے یا مسند پر براجمان ہو اور اگر استاد ایسا حکم بھی دے تو تب بھی ایسا نہ کرے مگر یہ کہ اسے یقین ہو جائے کہ حکم کی مخالفت استاد کو ناگوار گذرے گی۔ اس وقت اس کا حکم مان لے اور پھر وہاں چلا جائے جو ادب کے متقاضی ہے۔''

اسی طرح اپنی آستین کو اوپر نہ چڑھائے اور نہ ہی ہاتھ سے استاد کی جانب اشارہ کرے اور نہ ہی اپنے ہاتھوں، پیروں یا اعضائے جسمانی سے کھیلے اور نہ ہی اپنی داڑھی یا منہ پر ہاتھ رکھے اور نہ ہی اپنی ناک سے کھیلے اور نہ ہی اپنا منہ کھولے اور نہ ہی دانتوں کو بجائے اور نہ ہی ہتھیلی سے زمین کو تھپتھپائے اور نہ ہی انگلیوں سے زمین پر نقش و نگار بنائے اور نہ دونوں ہاتھوں کو یکجا کر کے جال بنائے اور نہ ہی کاج سے کھیلے اور نہ ہی انگلیاں چٹخائے اور بلا ضرورت نہ کھنکھارے اور جہاں تک ممکن ہو نہ تھوکے اور نہ ہی ناک صاف کرے اور نہ ہی منہ سے بلغم نکالے بلکہ اسے کسی رومال میں لے لے اور نہ ہی ڈکار لے اور نہ انگڑائی لے اور نہ ہی جمائی لے اور اگر جمائی آجائے تو فوراً منہ کو چھپا لے اور جب چھینک آئے تو کوشش کرے کہ آواز کسی کو نہ پہنچے اور ایسے وقت میں اپنا چہرہ رومال وغیرہ سے چھپا لے اور بلا وجہ اپنی آواز بلند نہ کرے اور استاد کی بزم میں سرگوشی نہ کرے اور نہ ہی کنکھیوں سے کسی کو اشارہ کرے اور نہ ہی بغیر کسی ضرورت کے گفتگو کرے اور نہ ہی ایسی بات نقل کرے جس سے ہنسی آئے یا جس بات میں کوئی نیا پن نہ ہو، نہ کسی سے برے طور سے مخاطب ہو اور نہ ہی اس میں سوء ادب ہو بلکہ جب تک سوال نہ کیا جائے وہ گفتگو نہ کرے اور پہلے سے جب تک اجازت نہ لے لے کوئی بات نہ کرے۔ کسی ایسی بات پر نہ ہنسے جس میں کوئی تعجب کی بات نہ ہو اور اگر کوئی تعجب کی بات ہو تب بھی استاد کے سامنے ہنسنے سے اجتناب کرے البتہ بغیر کسی آواز کے مسکرانے پر کوئی قدغن نہیں ہے۔

اور یہ بات جان لو کہ استاد کی تابعداری میں اس کی عزت ہے۔ اس کے سامنے عاجزی اس کے لئے باعث فخر ہے۔ اس کا احترام ملحوظ خاطر رکھنا باعث ثواب ہے اور اس کی خدمت کے لئے آمادہ رہنا شرف ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ وَتَعَلَّمُوْا لِلْعِلْمِ السَّكِيْنَةَ وَالْوِقَارَ وَتَوَاضَعُوْا لِمَنْ تُعَلَّمُوْنَ مِنْهُ''(۱)

۱۔ کنز العمال، ج/۱۰، ص/۱۴۱، ح/۲۸۷۱۷۔

''تم علم حاصل کرو اور علم حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو تسکین اور وقار سے آراستہ کرو اور جس سے علم سیکھ رہے ہو اس کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔''

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''مَنْ عَلَّمَ اَحداً مَسْالَةً رَقَّهُ قِيْلَ: أُيبِيْعُهُ وَيَشْتَرِيْهِ ؟قَالَ: بَلْ يَامُرُهُ وَيَنْهَاهُ''(۱)

''جس نے کسی کو ایک مسئلہ سکھایا اس نے اسے اپنا غلام بنالیا۔ سوال کیا گیا: کیا وہ اسے بیچ اور خرید سکتا ہے؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ اسے حکم دے سکتا ہے اور منع کرسکتا ہے۔''

۵) استاد کی بات کا انکار نہ کرنا

طالب علم استاد سے اجنبیوں جیسا برتاؤ نہ کرے نہ اس پر حکم چلائے اور نہ ہی اس کے رائے کے خلاف کوئی رائے قائم کرے اس لئے کہ وہ صحیح نظریہ میں زیادہ علم رکھتا ہے۔ بلکہ اپنے جملہ امور میں اس کی پیروی کرے اور مکمل طور پر اپنے امور کی لگام اس کے ہاتھ میں دیدے اور اس کی خیر خواہی کا یقین رکھے، اس کی خوشنودی کو ترجیح دے خواہ وہ اس کی ذاتی رائے کے خلاف ہو اور کسی امر میں اس کی رائے اور اس کے انتخاب پر سبقت نہ کرے اور اپنے تمام امور میں اسی سے مشورہ کرے اور اس کے حکم کو بجالائے۔ اس کی رائے اور تدبیر سے باہر نہ جائے خواہ وہ زبان سے ہو یا دل سے۔

بعض علماء نے کہا ہے:

''خَطَاءُ الْمُرْشِدِ اَنْفَعُ لِلْمُسْتَرْشِدِ مِنْ صَوَابِهِ فِيْ نَفْسِهِ''

''رہنمائی چاہنے والا اگر اپنی ذات سے درست عمل بھی انجام دے پھر بھی ہدایت کرنے والے کی غلطی اس سے زیادہ منفعت بخش ہوتی ہے۔''(۲)

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے قصے میں اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۶) استاد کو عزت و احترام کے ساتھ مخاطب قرار دینا

مخاطب ہوتے وقت اور جواب دیتے وقت، اس کی عدم موجودگی اور موجودگی میں اس کی تکریم و تعظیم کو ملحوظ رکھے۔ اور اسے ''تم'' یا ''تم پر'' نہ کہے اور نہ ہی اسے دور سے پکارے۔

۱۔ بحارالانوار، ج/۱۰۸، ص/۱۶۔　۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۴۵۔

جب اس سے مخاطب ہو تو اس طرح کہے ''یا سیدی'' اور ''یا استاذ'' اور جو جملہ بھی اس جیسا ہو اس سے خطاب کرے اور جب بھی اس سے خطاب کرے تو اس کی تعظیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے جمع کا صیغہ استعمال کرے جیسے یہ کہے: ''آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں'' اور ''اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے'' اور ''آپ نے فرمایا اللہ آپ سے راضی ہو'' یا ''اللہ آپ سے اس کو قبول کرے'' یا ''آپ پر اللہ کا کرم ہو۔''

اور اس کی عدم موجودگی میں اس کا نام اس انداز میں لے جس سے اس کی عظمت واضح ہوتی ہو جیسے کہے: ''استادِ محترم نے فرمایا'' وغیرہ۔

۷) ہر اعتبار سے استاد کا خیال رکھنا

اس کے احترام اور عظمت کو اپنے نفس میں محسوس کرے اور اس کی اقتدا کرے۔ اس کی عدم موجودگی میں اور اس مرنے کے بعد بھی اس کی سیرت کو ملحوظ رکھے اور جب تک وہ حیات ہے اس کے لئے ہمیشہ دعا کرتا رہے۔ اس کی اولاد، اس کے رشتہ داروں، چاہنے والوں کا خاص خیال رکھے۔ اس کی زندگی میں اور اس کے مرنے کے بعد بھی۔ اس کی قبر کی زیارت کو پابندی سے جائے اس کے لئے مغفرت طلب کرے، اس کے لئے رحمت طلب کرے۔ اس کی جانب سے صدقہ دے۔ اس کی سیرت و کردار کی راہ کو اپنائے اور اس پر گام زن رہے۔ دین اور علم میں اس کی عادتوں کو ملحوظ رکھے۔ اس کے آداب کا خیال رکھے؛ اسی لئے سب سے اہم بات ایسے استاد کو پالینا ہے جو صالح ہو جس کی اقتدا بہتر طور پر کی جا سکے اور اگر اس کے اوصاف سے متصف ہو کر اس میں اضافہ کر سکتا ہو تو ایسا ہی کرے ورنہ اس کے نقش قدم پر ہی چلتا رہے۔

۸) استاد کا شکریہ ادا کرنا

طالب علم کو چاہئے کہ اپنے استاد کا شکریہ ادا کرے۔ اسے اس چیز سے واقف کرانے پر جس میں کوئی خوبی ہو اور ایسی چیز سے سرزنش کرنے پر جس میں کوئی خامی ہو اور جب استاد اسے ادب کے کسی نکتے سے واقف کرے یا اس کی کسی خامی پر متنبہ کرے جو اس سے سرزد ہوئی ہے اگر اس بات کا اس کو پہلے سے علم بھی ہو پھر بھی استاد پر یہ ظاہر نہ ہونے دے کہ یہ اسے جانتا تھا بلکہ اس سے انجان بن جائے اور استاد کا شکریہ ادا کرے کہ اس نے استاد سے استفادہ کیا اور استاد نے اس کا خیال رکھا تا کہ بوقت ضرورت وہ نصیحت

کرنے سے گریز نہ کرے اگر وہ اس بارے میں معذرت خواہ ہو یعنی ظاہر نہ کرنے کی وجہ سے فساد اور بگاڑ کا امکان ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ شیخ کو اس بات سے آگاہ کر دینا بہت ضروری ہے۔

۹) استاد کی سختیوں پر صبر کرنا

طالب علم استاد کی بے رخی یا بدخلقی پر صبر کرے اور یہ بات رکاوٹ نہ بنے کہ وہ اس کی خدمت میں نہ رہے اور اس سے حسنِ عقیدت اور اعترافِ کمال کو چھوڑ دے۔ البتہ اس پر لازم ہے کہ استاد کے بظاہر ناپسندیدہ افعال کی بہترین تاویل کرے اور انھیں درست قرار دے۔ اس بات سے وہی عاجز رہے گا جس کے پاس توفیق کی کمی ہو۔

وہ اپنے استاد کی بے رخی پر معذرت، توبہ اور استغفار سے آغاز کرے اور وہ اپنے آپ کو اس کی وجہ قرار دے اور اس بارے میں اپنے آپ کو معتوب قرار دے۔ اس طرح وہ استاد کی مودت اور اس کی دل جوئی کو برقرار رکھے گا اور یہ طالب علم کی دنیا اور آخرت دونوں کے لئے زیادہ سودمند ہوگا، بزرگوں میں سے کسی سے مروی ہے:

''مَنْ لَمْ یَصْبِرْ عَلیٰ ذُلِّ التَّعَلُّمِ بَقِیَ عُمُرُهُ فِیْ عَمَایَةِ الْجِهَالَةِ وَمَنْ صَبَرَ عَلَیْهِ اٰلَ اَمْرُهٗ اِلیٰ عِزِّ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ''(۱)

''جو طلب علمی کے دوران پیش آنے والی ذلت وخواری پر صبر نہیں کرے گا وہ عمر بھر جہالت کے اندھے پن میں رہے گا اور جو اس پر صبر سے کام لے گا اس کا انجام دنیا وآخرت کی عزت پر ہوگا۔''

ایک شاعر نے کہا:

اِصْبِرْ لِدَائِکَ اِنْ جَفَوْتَ طَبِیْبَهٗ وَاصْبِرْ لِجَهْلِکَ اِنْ جَفَوْتَ مُعَلِّماً

''اگر تم نے طبیب سے بے رخی اختیار کی تو اپنی بیماری پر صبر کرو اور اگر تم نے اپنے استاد سے بے اعتنائی کی ہے تو اپنی جہالت پر صبر کرلو''

ماضی میں اپنے اساتذہ کے سامنے بزرگ علماء کے صبر وتحمل کی عجیب وغریب داستانیں نقل ہوئی ہیں کہ اگر ہم انھیں بیان کریں تو بات بہت بڑھ جائے گی۔

۱۔ عدة الداعی، ص/۷۱۔

۱۰) استاد سے پہلے کلاس میں حاضر ہونا

طالب علم کو چاہئے کہ اس بات کی کوشش کرے کہ استاد کی تشریف آوری سے پہلے مجلس درس میں حاضر ہو جائے اور اپنے آپ کو اس بات کا عادی بنالے۔ اگر وہ استاد کے گھر کے دروازے پر انتظار کرے کہ استاد برآمد ہوں اور وہ ان کے ساتھ مجلس درس میں جائے تو یہ آسانی کے ساتھ ساتھ افضل بھی ہے اور استاد کے حضور میں حاضری میں دیر کرنے سے اجتناب کرے کہ استاد کو اس کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ اگر یہ بغیر کسی اہم ضرورت کے ایسا کرتا ہے تو گویا اپنے آپ کو نفرت اور مذمت کے لئے پیش کر دیتا ہے۔

۱۱) استاد کی اجازت کے بغیر اس کے پاس نہ جانا

طالب علم کو چاہئے کہ اگر مجلس عام نہ ہو تو استاد کی خدمت میں بغیر اجازت کے نہ آئے خواہ اس وقت استاد تنہا ہو یا اس کے ساتھ کوئی موجود ہو۔ اگر وہ اجازت طلب کرے اور استاد کو علم ہو جائے اور وہ اجازت باریابی نہ دے تو واپس چلا جائے اور بار بار اجازت طلب نہ کرے اور اگر اسے شک ہو کہ استاد کو اس کی آمد کا علم ہے یا نہیں۔ تو صرف تین مرتبہ اجازت کا خواہاں ہو اس میں اضافہ نہ کرے اور یہ کہ طلب اجازت کے تین طریقے استعمال کرے خواہ اس کا تعلق دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹانے سے ہو یا اسے چاہئے کہ انگلیوں کے ناخنوں سے دروازہ کھٹکھٹائے پھر انگلیوں سے دق الباب کرے۔ پھر آہستہ آہستہ کنڈی کھٹکھٹائے۔ پس اگر استاد کی جگہ دروازے سے دور ہو تو پھر اتنی زور سے دروازہ کھٹکھٹانے میں کوئی حرج نہیں کہ استاد سن لے اور اگر وہ اجازت مرحمت کر دے تو اگر بصورت جماعت جا رہے ہوں تو پہلے وہ جائے اور سلام کرے جو افضل ہو پھر اس کے بعد وہ جائے جو عمر رسیدہ ہو پھر ہر ایک افضلیت کے اعتبار سے استاد کو یکے بعد دیگرے سلام کریں۔

۱۲) پوری تیاری کے ساتھ استاد کے پاس جانا

شاگرد کو چاہئے کہ جب استاد کے پاس جائے تو مکمل طور سے تیار ہو کر جائے اس کا دل دیگر مصروفیات سے فارغ ہو، وہ مستعد، رغبت کے ساتھ صاف ستھرے ذہن کے ساتھ، اسے نہ اونگھ آ رہی ہو نہ وہ غضب ناک ہو اور نہ ہی بھوکا پیاسا ہو یا اس طرح کی کسی دوسری حالت میں نہ ہو۔ وہ پاک صاف ہو کر ضروری امور جیسے مسواک کرنے یا ناخن اور بال کٹوانے اور ناگوار بو کو دور کرنے کے بعد، بہترین لباس زیب تن

کر کے حاضر ہو بالخصوص جب علمی نشست میں جانا چاہتا ہو کیوں کہ یہ مجلس ذکر ہے جہاں جمع ہونا عبادت ہے اوران امور کاتعلق آداب عبادت سے ہے۔

۱۳) پوری تیاری کے بغیر استاد کے پاس نہ پڑھنا

اگر دل کسی اور کام میں لگا ہوا ہو، تھکن ہو، اونگھ آرہی ہو، بھوک اور پیاس لگی ہو، رنج ومحن ہو یا اسی قبیل کی کوئی بات ہو جس کے سبب بحث وتمحیص میں دشواری پیش آئے تو استاد سے کوئی بحث نہ چھیڑے مگر یہ کہ استاد خود ہی اس سے کوئی بحث چھیڑنے کو کہے تو ایسی صورت میں اس کا مثبت جواب دے۔

۱۴) استاد کے حضور آداب

جب طالب علم، استاد کے پاس عمومی نشست کے علاوہ جائے اور استاد کے پاس کوئی مصروفِ گفتگو ہو اور وہ اسے دیکھ کر خاموش ہو جائے یا استاد کی خدمت میں اس وقت حاضر ہو جب وہ تنہا ہو اور نماز پڑھ رہا ہو یا کوئی اور چیز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو یا مطالعہ کر رہا ہو یا کچھ لکھ رہا ہو اور وہ اسے دیکھ کر سب کچھ چھوڑ دے۔لیکن گفتگو کا آغاز نہ کرے یا بات کرنے پر آمادہ نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ اسے سلام کر کے جلدی سے وہاں سے روانہ ہو جائے مگر یہ کہ استاد اسے رکنے کے لئے کہے اگر وہ رک جائے تو وہاں زیادہ دیر تک نہ ٹھہرے مگر یہ کہ استاد اسے خود اس بات کا حکم دے۔اس ڈر سے کہ کہیں وہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائے جو اللہ والوں کو اللہ سے دور کرنے کے ساتھ ساتھ خدا کی ناراضگی بھی مول لیتے ہیں۔

۱۵) استاد کا انتظار کرنا

جب شاگرد استاد کے گھر پر جائے اور اسے نہ پائے تو اس کا انتظار کرے اور اپنی طرف سے درس کا ناغہ نہ کرے اس لئے کہ اگر کوئی درس چھوٹ گیا تو اس کا بدل ممکن نہیں اور طالب علم استاد کو باہر بلانے کے لئے اس کے گھر کا دروازہ نہ کھٹکھٹائے اور اگر استاد محوِ خواب ہو تو اس کے بیدار ہو جانے تک انتظار کرے یا واپس چلا جائے اور دوبارہ آئے البتہ رک کر انتظار کرنا زیادہ بہتر ہے۔استاد کو نہ تو خود بیدار کرے اور نہ ہی کسی سے بیدار کرنے کے لئے کہے اس لئے کہ بزرگوں کا یہی طریقہ رہا ہے۔

۱۶) استاد سے اصرار نہ کرنا

استاد سے اس وقت پڑھانے کی خواہش نہ کرے جب اس کے لئے پڑھانا دشوار ہو اور عادۃً اس وقت پڑھانا ممکن نہ ہو اور نہ ہی دوسروں کو چھوڑ کر استاد سے اپنے لئے علیحدہ وقت کا مطالبہ کرے خواہ وہ رئیس ہی کیوں نہ ہو۔ اس عمل سے استاد طلبہ اور علم کے مقابل میں ایک طرح کی بڑائی کا تصور پیدا ہوتا ہے اور یہ بات سراسر حماقت ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ استاد کو طالب علم سے شرم محسوس ہوتی ہے لہٰذا وہ اس کی خاطر اس وقت اپنے اہم کام کو چھوڑ دیتا ہے ایسی صورت میں طالب علم کامیاب نہیں ہوسکتا۔

۱۷) استاد کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی بات کو غور سے سننا

طالب علم کو چاہئے کہ استاد کی بات توجہ سے سنے، اسے دیکھتا رہے، مکمل طور سے اس کی جانب توجہ مبذول رکھے اور اس کی بات کو اچھی طرح سمجھ لے تاکہ بات کو دوبارہ دہرانے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ بلاضرورت کسی اور طرف متوجہ نہ ہو نہ ہی داہنی طرف دیکھے اور نہ ہی بائیں جانب نظر کرے۔ اگر کوئی چیخ پکار سنائی دے تو اس میں کسی قسم کا اضطراب رونما نہ ہو اور نہ ہی اس کی جانب متوجہ ہو۔ اس پر لازم ہے کہ غور سے سننے اور سمجھنے میں کوتاہی نہ کرے۔ اس کا ذہن کسی فکر یا بات کی جانب مشغول نہ ہو جائے کہ استاد سے اس بات کو دوبارہ بیان کرنے کے لئے کہنا پڑے کیونکہ یہ بے ادبی ہے۔ بلکہ وہ استاد کی گفتگو کو پورے دھیان کے ساتھ سنے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ وہ اپنے ذہن کو حاضر رکھے اور پہلی مرتبہ سننے پر اکتفا کر لے۔ کچھ اساتذہ دوبارہ بیان کئے جانے کے مطالبہ پر بھی دوبارہ بیان نہیں کرتے تھے بلکہ اس مطالبہ پر جھڑک دیتے تھے۔ لیکن اگر دور بیٹھے کی وجہ سے استاد کی بات نہیں سن سکا یا غور سے سننے کے باوجود بھی سمجھ نہ سکا تو پھر نہایت لطیف انداز میں معذرت چاہتے ہوئے استاد سے یہ گذارش کرے کہ وہ اس بات کو دوبارہ بیان کر دے یا اسے اچھی طرح سمجھا دے۔ اور یہ مناسب نہیں ہے کہ جس بات کو سیکھ چکا ہے اسے دوبارہ سمجھنا چاہے اس سے وقت بھی برباد ہوتا ہے اور بسا اوقات یہ بات استاد کو ناگوار گذرتی ہے۔

۱۸) استاد کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرنا

طالب علم کو چاہئے کہ مکمل طور پر محتاط رہے کہ بزمِ استاد میں کسی کی غیبت کرے یا کسی سے اس کے

بارے میں چغلی کھائی جائے یا استاد اور کسی دوسرے کے مابین ایسی بات کہے جس میں برائی کا پہلو نکلتا ہو جیسے استاد کی عظمت کو گھٹانا یا اس کے بارے میں کچھ کہنا یا جو کچھ اس نے کہا ہے اس کی تردید کرنا یا یہ بات کہے گویا کہ اسے ابھار رہا ہے تاکہ اس کے امور کی جانب وہ توجہ مبذول کرے۔ ''فلاں شخص چاہتا ہے کہ میں اس کے پاس پڑھوں یا میرا ارادہ ہے'' یا ''میں فلاں کے پاس پڑھنا چاہتا تھا لیکن آپ کی خاطر اسے چھوڑ دیا''، وغیرہ۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے یا اس جیسی کسی بات پر عمل کرتا ہے تو گویا وہ مکروہ کام کرتا ہے یا حرام کرتا ہے یا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ اپنی حماقت اور ریاکاری کی بنیاد پر زجر و توبیخ، تذلیل، دھتکارے جانے اور دور کردیئے جانے کا مستحق ہے۔

۱۹) احترام واکرام کے ساتھ استاد سے بات کرنا

حتی الوسع استاد سے بہترین انداز میں بات کرنا چاہیئے اور اس سے یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ ''کیوں'' یا ''ہم اس بات کو نہیں مانتے'' یا یہ کہ ''یہ بات کس نے لکھی ہے؟'' یا یہ کہ ''یہ بات کہاں پر ہے'' یا یہ کہ ''اس کے علاوہ بھی کسی اور نے اسے بیان کیا ہے'' یا ''اور کسی جگہ موجود ہے'' یا اسی سے ملتی جلتی باتیں۔ اگر وہ اصل کتاب یا جس نے اس بات کو نقل کیا ہے اسے جاننا اور پہچاننا چاہتا ہے تو نہایت نرمی کے ساتھ استفادہ کی غرض سے اس تک رسائی حاصل کرے اور بہتر ہے کہ یہ درس کے اختتام پر ہو اور اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ طالب علم ''کیوں'' اور ''میں نہیں مانتا'' کی جگہ یہ کہے ''اگر ہم سے یہ کہا گیا تو اس کا کیا جواب دیں گے'' یا یہ کہ ''اگر ہمیں اس بات سے روک دیا گیا'' یا ''اگر ہم سے اس طرح کا سوال کیا گیا''۔ ''اگر اس قسم کا اعتراض کیا گیا'' تاکہ پتا چلے کہ طالب علم حسنِ ادب اور لطفِ عبارت کے ساتھ جواب کو سمجھنا چاہتا ہے۔

جب استاد کسی قول یا دلیل پر مصر ہو اور وہ بات اس پر واضح نہ ہو یا سہواً وہ ایسی بات کہہ رہا ہو جو درست نہ ہو تو ایسی صورت میں بھی طالب علم کو اپنے چہرے یا آنکھوں میں تغیر رونما نہیں کرنا چاہیئے اور نہ ہی کسی دوسرے کی طرف ایسا اشارہ کرنا چاہیئے کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ استاد کی بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ بظاہر اس سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آنا چاہیئے اس لئے انسانوں میں عصمت صرف انبیاء اور اولیاء سے مخصوص ہے۔

اگر استاد، طالب علم سے اقرار لینے اور تاکید کی غرض سے کوئی سوال کرے مثلاً یہ کہے کہ ''کیا تم نے

ایسا نہیں کہا؟ یا ''کیا تمھاری یہ مراد نہیں ہے؟'' تو اسے چاہیئے کہ فقط ''نہیں'' کہہ کر یا اسی طرح کچھ کہہ کر اس کی بات کو رد نہ کرے بلکہ خاموش ہو جائے یا توریہ کرتے ہوئے ایسا لطیف کلام کرے جس سے استاد پر اس کا مقصد واضح ہو جائے۔ اگر وہ اپنے مقصود اور قول کی وضاحت نہیں کرنا چاہتا تو اس طرح کہے: ''اب میں کہنا چاہتا ہوں'' یا یہ کہے: ''میں اس بات کا اس طرح پلٹتا ہوں'' اور اپنے استاد کی بات دہرائے اور یہ نہ کہے کہ ''میں نے یہ کہا تھا'' یا یہ کہ ''میری یہ مراد تھی'' اس لئے کہ اس طرز کلام سے استاد کی بات کی تردید لازم آتی ہے۔

جب استاد سے گفتگو کرے تو ناروا عبارتوں اور الفاظ سے دوری کرے جس کے بعض افراد عادی ہو جاتے ہیں۔ جیسے: ''آپ کو کیا ہو گیا ہے؟'' ''آپ نے سمجھ لیا؟'' اور ''آپ نے سنا؟'' ''آپ جانتے ہیں؟!'' ''جناب عالی!'' وغیرہ۔

۲۰) جلد بازی نہ کرنا

اور جب استاد کوئی گنجلک مسئلہ بیان کرے جس کے بعد اس کی وضاحت ہونی تھی اور اس نے وضاحت نہ کی ہو یا کوئی ایسی بحث ہو جس میں کوئی اشکال ہو اور اس اشکال کو دور نہ کیا ہو یا کچھ اعتراضات ہوں جن کا جواب دینا تھا اور اس نے انھیں نظر انداز کر دیا تو ان باتوں کا ذکر کرنے میں عجلت سے کام نہ لے اور جوابات نہ دینے کی وجہ سے اس کا پیچھا نہ کرے بلکہ طالب علم پر لازم ہے کہ نہایت لطیف انداز میں ان امور کی جانب اشارہ کرے جیسے یہ کہے: ''آپ نے اعتراضات کے جوابات کی جانب توجہ نہیں فرمائی'' اور اس طرح کے دیگر جملات سے یاد دہانی کرادے اگر استاد کو یاد آ گیا تو ''فبہا اور درست'' ورنہ اس بارے میں سکوت اختیار کرنا بہتر ہے مگر یہ کہ استاد خود اجازت مرحمت فرمائے یا طالب علم کو پتا چل جائے کہ استاد اس بات کو ترجیح دے رہا ہے۔

اگر استاد سبقتِ لسانی کی بنیاد پر کسی جملے میں تحریف کر دے جس سے تحقیر کا پہلو نکلتا ہو تو ایسی صورت میں طلبہ کو ہنسنا نہیں چاہیئے اور نہ ہی مذاق اڑانا چاہیئے اور نہ اس بات کو دہرانا چاہیئے اور نہ ہی کنکھیوں سے دوسروں کی جانب اشارہ کرنا چاہیئے اور نہ ہی استاد کی جانب اشارہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ جو کچھ ہوا اس پر غور نہ کرے، اسے دل میں نہ بسائے، اس جانب کان نہ لگائے اور کسی اور کو نہ سنائے اس لئے کہ بسا اوقات زبان سبقت کر جاتی ہے اور وہ معصوم نہیں ہے بالخصوص جب نادانستہ طور پر کوئی بات سامنے آ جائے جن

باتوں کو بیان کیا گیا ہے اگر کوئی استاد کے ساتھ انھیں بجا لاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو محرومی ، مصائب اور نقصان کے لئے تیار رکھے اور ایسا شخص زجروتوبیخ ، سزا ، قطع تعلقی اور ملامت کا مستحق ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ ، فرشتوں ، انبیاء اور خاصانِ خدا کی ناراضگی کا سبب بھی بنے گا۔

۲۱) استاد پر سبقت نہ کرنا

اگر استاد سے یا کسی اور سے کوئی سوال کیا جائے تو اس کی تشریح کرنے یا سوال کا جواب دینے میں استاد پر سبقت نہ کرے ، بالخصوص اس وقت جب اس کے علاوہ کوئی دوسرا استاد سے سوال کر رہا ہو۔ اسے چاہئے کہ توقف کرے۔ اس میں مقابلہ نہ کرے اور نہ ہی یہ ظاہر کرے کہ اسے اس بات کا زیادہ علم ہے یا استاد سے پہلے اسے اس بات کا ادراک ہو گیا ہے۔ اگر پتا چل جائے کہ استاد طالب علم کے جواب دینے کو ترجیح دے رہا ہے یا استاد نے شروع سے ہی اس مسئلہ کو اس کی جانب پھیر دیا ہے اور اس سے جواب دینے کی خواہش کی ہے تو ایسی صورت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۲۲) استاد کی بات نہ کاٹنا

طالب علم کو چاہئے کہ استاد کی گفتگو کو منقطع نہ کرے خواہ وہ کچھ بھی کہہ رہا ہو، بلکہ صبر سے کام لے۔ جب استاد اپنی بات مکمل کر لے تو گفتگو شروع کرے۔ جب استاد اس سے یا اہل مجلس سے محو گفتگو ہو تو کسی اور سے بات نہ کرے بلکہ اس کا قصد یہ ہونا چاہئے کہ استاد کی گفتگو کو توجہ سے سنے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرے۔

۲۳) استاد کی باتوں کو غور سے سننا

جب طالب علم یہ سنے کہ استاد کسی مسئلہ میں کوئی حکم بیان کر رہا ہو یا کوئی انوکھا نکتہ بتا رہا ہو یا کوئی حکایت سنا رہا ہو یا شعر پڑھ رہا ہو اور وہ طالب علم کو یاد بھی ہو تب بھی اسے چاہئے کہ استاد کی باتوں پر اسی طرح کان لگائے غور سے سنتا رہے جیسے وہ ابھی اس سے استفادہ کر رہا ہے ، وہ اس کا پیاسا ہے اور اس سے محظوظ ہو رہا ہے گویا کہ اس نے اس سے پہلے اسے سنا ہی نہیں تھا۔ ایک بزرگ کا کہنا ہے: ''اِنَّ الشَّابَّ لَيَتَحَدَّثُ بِحَدِيْثٍ فَاسْتَمِعُ لَهُ كَاَنِّيْ لَمْ اَسْمَعْهُ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ قَبْلَ اَنْ يُوْلَدَ '''' ایک جوان کوئی بات بتا رہا تھا تو اسے میں اتنا غور سے سن رہا تھا کہ گویا کہ میں نے وہ بات سنی ہی نہیں تھی حالانکہ وہ بات میں اس کی پیدائش سے پہلے ہی سن چکا تھا۔''

اگر استاد طالب علم سے یہ دریافت کرے کہ یہ بات اسے یاد ہے یا نہیں تو جواب میں ''ہاں'' نہ کہے کیونکہ اس سے استاد سے بے نیازی کا پتا چلتا ہے اور جواب میں ''نہیں'' بھی نہ کہے کیوں کہ ایسا کہنا جھوٹ ہے بلکہ اسے کہنا چاہیئے: ''میں اس سلسلہ میں استاد سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں'' یا یہ کہے: ''میں آپ کی زبانی سننا چاہتا ہوں'' یا یہ کہے: ''مجھے واقعہ سنے کافی عرصہ گذر چکا ہے'' یا یہ کہے: ''آپ سے مجھے صحیح واقعہ کا علم ہوگا'' وغیرہ وغیرہ

پس اگر یہ پتا چلے کہ استاد خوش ہوکر دریافت کررہا ہے اور اسے اس واقعہ کا علم ہے یا اس کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ وہ اس داستان کو مکمل کردے اور اس طرح وہ طالب علم کی یادداشت یا حافظے یا معلومات بیان کرنے کا امتحان لینا چاہتا ہے تو استاد کی غرض کا اتباع کرتے ہوئے اس کی مرضی کو پورا کرنے کے لئے اور اپنی طرف اس کی توجہ کو بڑھانے کے لئے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۴) بے موقع سوال نہ کرنا

طالب علم بے موقع کسی شے کے بارے میں سوال نہ کرے ایسا کرنے والا جواب کا حق دار نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ استاد کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ اس بات کو ناپسند نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود بہتر ہے کہ ایسا نہ کرے اور سوال سے متعلق اکتا دینے والا اصرار نہ کرے۔ استاد سے راستے میں سوال نہ کرے۔ جب تک وہ منزل مقصود تک نہ پہنچ جائے۔ بلکہ جب استاد مطمئن اور فارغ البال ہو تو اس وقت سوال کرنے کو غنیمت سمجھے اور اپنے سوال میں نرم لہجہ اختیار کرے اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''**حُسْنُ السُّوَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ**''(۱) ''بہترین سوال کرنا آدھا علم ہے۔''

۲۵) شبہہ کی وضاحت کے لئے سوال کرنا

جس چیز کے بارے میں اشکال و اعتراض ہو تو اس بارے میں سوال کرنے سے نہ شرمائے بلکہ اس کی مکمل وضاحت طلب کرے جو شخص شرماتے ہوئے سوال کرے گا دوسروں کو جواب دیتے وقت اس کا علم بھی شرمائے گا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: ''**اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ عَلَيْهِ قُفُلٌ وَمِفْتَاحُهُ الْمَسْأَلَةُ**''(۲)

''یقیناً اس علم پر تالے لگے ہوئے ہیں اور اس کی کنجی سوال کرنا ہے۔

۱۔ بحارالانوار، ج/۱،ص/۲۲۴۔ ۲۔ الکافی، ج/۱،ص/۴۰۔

۲۶) سوچ سمجھ کر جواب دینا

جب استاد طالب علم سے کہے: ''کیاتم نے سمجھ لیا'' تو وہ اس کے جواب میں فوراً ''جی ہاں'' نہ کہے، جب تک اس پر مقصود مکمل طور سے واضح نہ ہو جائے تا کہ وہ جھوٹ سے بچے اور فہم فوت نہ ہونے پائے اور وہ یہ کہنے سے بھی نہ شرمائے کہ ''ابھی یہ بات مجھ پر واضح نہیں ہوئی'' اس لئے کہ جستجو اور طلب سے اس کو فوری اور دیر پا مصلحتیں حاصل ہو جائیں گی فوری فائدہ یہ ہوگا کہ مسئلہ سمجھ میں آجائے گا اور استاد پر طالب علم کی توجہ، رغبت، کمال عقل، پارسائی اور اس کی نفسانی خوبیاں واضح ہو جائیں گی۔ اور دیر پا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کے دل میں ایک درست ثبوت دائمی طور پر فراہم ہو جائے گا اور طالب علم اس پسندیدہ طریقے اور بہترین اخلاق کا عادی بن جائے گا۔ خلیل بن احمد عروضی نے کہا ہے:

''مَنْزِلَةُ الْجَهْلِ بَيْنَ الْحَيَاءِ وَالْاَنفَةِ'' ''حیا اور نخوت کے درمیان جہالت کا بسیرا ہوتا ہے۔''

۲۷) استاد کے سامنے کوئی چیز نہ پھینکنا

شاگرد استاد کی جانب کوئی شے پھینک کر نہ دے جیسے کتاب یا کاغذ یا ان کے علاوہ کوئی اور شے۔ اگر استاد دور ہو تو اس کی جانب اپنا ہاتھ نہ پھیلائے اور نہ ہی استاد کو مجبور کرے کہ کسی چیز کو لینے یا کچھ دینے کے لئے اس کی طرف ہاتھ پھیلائے۔ بلکہ کھڑے ہو کر اس کے پاس جائے۔ استاد تک پہونچنے کے لئے کھسکے نہیں۔ جب اس کے سامنے کھڑا ہو یا بیٹھا ہو تو زیادہ قریب نہ جائے۔

جب استاد اسے کوئی شے عطا کرے تو اسے دائیں ہاتھ سے لے اور اگر وہ بھی استاد کی خدمت میں کچھ پیش کرے تو دائیں ہاتھ سے دے۔ اگر کوئی کاغذ ہو تو اسے لپٹا ہوا نہ دے بلکہ اسے کھول کر دے مگر یہ کہ اسے یہ علم و گمان ہو کہ استاد اسے لپٹا ہوا لینا چاہتا ہے۔ اور اگر استاد سے کوئی کاغذ لے تو جلدی ہی اسے کھلا ہوا لے قبل اس کے کہ وہ اس کاغذ کو لپیٹے یا بند کرے۔ اگر استاد کی خدمت میں کوئی کتاب پیش کرے تو اس شکل میں ہو کہ وہ کتاب کو پلٹے بغیر کھول کر پڑھنے کے لئے آمادہ ہو اور اگر کوئی خاص جگہ اور صفحہ ہو تو اسے کھول کر دینا چاہئے اور اس کے لئے جگہ متعین کر دینی چاہئے۔ اگر اسے لکھنے کے لئے قلم دے رہا ہے تو دینے سے قبل اسے لکھنے کے لئے تیار رہنا چاہئے اور اس کی خوبیاں موجود ہونی چاہئیں اور اگر استاد کے سامنے دوات رکھے تو اسے کھلا ہوا ہونا چاہئے، سرپوش ہٹا کر کتابت کے لئے آمادہ۔ اگر اسے چھری دے رہا

ہوتو دھار اس کی طرف نہ کرے اور نہ ہی دستہ اس کی جانب ہو اور وہ اپنے ہاتھ دھار پر رکھے ہوئے ہو بلکہ وہ چوڑائی میں ہو اور اس کی دھار اس کی طرف ہو اور یہ دستہ کو پکڑے ہوئے جو پیکان سے متصل ہو اور اس کے دستے کو لینے والے کے دائیں ہاتھ میں دے دے۔ استاد کی موجودگی میں جانماز پر نہ بیٹھے اور اگر نماز کے لئے پاک جگہ میسر ہو تو اس پر نماز نہ پڑھے مگر یہ کہ جانماز رکھنے اور اس پر نماز پڑھنے کی عادت بن چکی ہو اور جب استاد کی خدمت میں مصلیٰ پیش کرے تا کہ وہ اس پر نماز پڑھے تو اِسے چاہئے کہ اسے کھول کر دے اور بہتر ہے کہ استاد کے لئے مصلیٰ بچھا دے۔ بعض علماء کا کہنا ہے اگر مصلیٰ بچھا رہا ہو اور اس میں محراب کی تصویر بنی ہو اگر ممکن ہو تو اسے قبلہ کی سمت میں رکھے جب استاد نماز ختم کر کے کھڑا ہو تو جماعت کا فرض ہے کہ مصلیٰ لینے میں سبقت کرے اگر وہ مصلیٰ اس کے ساتھ جاتا ہو اور اگر ضرورت پڑے تو اس کے ہاتھ یا شانے سے خود لے لے۔ اگر استاد پر شاق نہ گذرے تو اس کی نعلین لے آئے اور ان سب امور میں اس کی خدمت کرنے اور اس کی ضرورت پوری کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے تقرب کا خواہاں ہو۔ کہا گیا ہے: ''چار باتیں ایسی ہیں کہ کوئی شریف آدمی اس میں ناک بھوں نہیں چڑھائے گا خواہ وہ کتنا ہی دولت مند کیوں نہ ہو: بزم میں اپنے والد کے احترام میں کھڑا ہونا۔ اس عالم کی خدمت کرنا جس سے علم حاصل کر رہا ہے۔ جو بات نہ جانتا ہو اس کے بارے میں سوال کرنا اور مہمان نوازی کرنا۔''

۲۸) استاد کے احترام میں کھڑا ہونا

استاد کے کھڑے ہوتے ہی طالب علم بھی کھڑا ہو جائے اور جب تک استاد کھڑا رہے نہ بیٹھے اور اگر استاد کھڑا ہو یا بیٹھا ہو تو یہ اس کے سامنے دراز نہ ہو بلکہ مطلقاً اس کے سامنے نہ لیٹے مگر یہ کہ سونے کا وقت ہو جائے اور اس کی اجازت مل جائے اور بہتر یہ ہے کہ جب تک استاد سو نہ جائے طالب علم بھی نہ سوئے اور اگر استاد اسے سونے کا حکم دے تو اس کے حکم کی پابندی کرے۔

۲۹) استاد کے ساتھ چلنے کی کیفیت

جب طالب علم اپنے استاد کے ساتھ کہیں جا رہا ہو تو رات میں اس کے آگے چلے اور دن میں پیچھے چلے مگر یہ کہ جو وقت کا تقاضا ہو اس کے مطابق عمل کرے یا استاد جیسا حکم دے طالب علم اسی کے مطابق عمل کرے۔

یہ بات مُسلَّم ہے کہ ایسی نشیبی زمینوں پر جن کے بارے میں واقفیت نہیں ہے جیسے کیچڑ والی اور

جہاں پر حوض ہو اور خطرناک زمینوں پر طالب علم استاد سے آگے آگے چلے اور یہ کہ استاد کے لباس کو بارش میں بھیگنے سے بچائے اور اگر استاد کسی تنگ جگہ پر ہو تو اسے اپنے ہاتھوں سے بچائے خواہ یہ اس کے آگے ہو یا پیچھے۔ اگر طالب علم آگے آگے چل رہا ہے تو تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد استاد کی طرف متوجہ رہے اور اگر وہ تنہا ہو اور استاد اس سے چلتے ہوئے گفتگو کر رہا ہو تو استاد کی دائیں طرف یا بائیں طرف تھوڑا سا آگے بڑھ کر اس کی جانب متوجہ رہے اور اگر مشاہیر اور برگزیدہ لوگوں میں سے کوئی قریب آ رہا ہو اگر استاد کو آگاہی نہ تو اس کو اس بات سے آگاہ کر دے۔ اس کے پہلو بہ پہلو نہ چلے مگر یہ کہ ضروری ہو یا خود اس کی مرضی ہو اور اگر دونوں سواری پر ہوں تو کندھے اور رکاب کے نزدیک آ جانے سے اجتناب کرے اور اپنے کپڑوں کو اس کے کپڑوں سے چمٹائے نہ رکھے۔ موسم گرما میں اسے سایہ کی جانب رکھے اور موسم سرما میں اسے دھوپ کی طرف رکھے۔ چبوترے وغیرہ پر اسے دیوار کی جانب رکھے اور جب استاد طالب علم سے مخاطب ہو تو طالب علم کو اس طرح اس کے سامنے چلنا چاہئے کہ اس وقت سورج کی کرنیں استاد کے چہرے کو اذیت نہ پہنچائیں۔ اگر استاد کسی سے محو گفتگو ہو تو ان کے درمیان نہ چلے بلکہ ان دونوں سے پیچھے ہو کر چلے یا آگے بڑھ جائے۔ ان کے قریب نہ ہو۔ ان کی باتیں نہ سنے اور اس جانب متوجہ نہ ہو۔ اگر وہ اسے بھی گفتگو میں شامل کر لیں تو دوسری جانب سے آ کر شامل ہو اور ان کے درمیان میں چیرتا پھاڑتا ہوا داخل نہ ہو۔

جب استاد کے ساتھ دو افراد چل رہے ہوں اور دونوں پہلو بہ پہلو ہوں تو جو ان سے بڑا ہے اسے داہنی طرف ہونا چاہئے اور اگر پہلو بہ پہلو نہ ہوں تو بڑے کو آگے اور چھوٹے کو استاد سے پیچھے ہونا چاہئے۔

۳۰) استاد کو سلام کرنے کی کیفیت

اگر استاد سے راستے میں ملاقات ہو جائے تو سلام سے ابتدا کرے اور اسے آواز دے کر نہ پکارے اور نہ ہی دور سے اسے سلام کرے اور نہ ہی پیچھے سے اسے سلام کرے۔ بلکہ اس کے نزدیک آ جائے اور پھر سلام کرے۔ کسی راستے پر چلنے سے پہلے اس سے مشورہ کرے خود اسے مشورہ نہ دے اور اس کے مشورہ پر تیزی سے عمل پیرا ہو۔ اس کی رائے کو رد کئے بغیر مگر یہ کہ اظہار رائے کی ضرورت محسوس کرے۔ استاد نے جو راستہ دکھایا ہے وہ غلط ہو تو اس پر لازم ہے کہ نہایت نرمی، حسن ادب سے استاد سے یہ کہے: ''بظاہر یہ مجھے درست نظر آتا ہے'' اور یہ نہ کہے: ''کہ میرا نظریہ یہ ہے'' یا ''یہی صحیح ہے'' وغیرہ وغیرہ۔

جان لو کہ یہ وہ آداب تھے جن میں سے کچھ کے بارے میں روایات موجود ہیں بلکہ ان کی افضلیت اور اہمیت کو ثابت کرتی ہیں اور باقی وہ ہیں جن کا استنباط کسی ایسے ذریعے سے کیا جاتا ہے جن پر احکام کی بنیاد رکھی گئی ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان جیسی محکم عادت وخصلت کی رعایت کی جائے اور اللہ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔

تیسری قسم

طالب علم کے آداب درس کے دوران

یہ آداب مندرجہ ہیں:

۱) تعلیم کا آغاز؛ حفظ قرآن سے

سب سے اہم ادب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کی کتاب عزیز کے حفظ کرنے سے آغاز کرے اور نہایت محکم حفظ کرے کیونکہ وہی علوم کی اصل اور سب سے زیادہ اہم ہے اس لئے کہ اسلاف کا طریقہ رہا ہے کہ ایسے شخص کو فقہ وحدیث کی تعلیم نہیں دیتے تھے جو حافظ قرآن نہ ہو۔

جب قرآن حفظ کرلے تو اس کے علاوہ کسی اور ایسے مشغلہ سے احتراز کرے جو قرآن کی فراموشی کی جانب لے جائے یا نسیان سے دوچار کردے۔ بلکہ اسے پڑھتے رہنے اور ہر روز دہرانے کا عہد کرلے۔ پھر کچھ دنوں میں پھر ہمیشہ جمعہ کے دن تلاوت کو معمول بنائے۔ حفظ کرنے کے بعد اس کی تفسیر اور تمام علوم میں کوشش کرے۔ اس کے بعد ہر فن میں مختصر طور پر حفظ کرے اور اس میں آغاز وانجام دونوں کا خیال رکھے۔ جو سب سے زیادہ اہم ہیں انھیں پہلے اور اسی اہمیت کے اعتبار سے حفظ کرتا رہے، کہ ہم انشاء اللہ خاتمہ میں اس کی تفصیل بیان کریں گے۔

پھر جن چیزوں کو حفظ کیا ہے ان کی تشریحات کے لئے اساتذہ سے رجوع کرے اور ہر موضوع کے بارے میں اس پر اعتماد کرے جس کی تحقیق زیادہ اور معلومات وسیع ہوں۔

۲) اپنی توانائی کا خیال رکھنا

مطالعہ کرتے وقت انھیں چیزوں پر اقتصار کرے جن کو سمجھ سکتا ہو۔ جن کی جانب اس کا ذہنی رجحان

ہو۔طبیعت پرگراں نہ گذرے اور ایسے مشاغل سے اجتناب کرے جوفکر کو پراگندہ اور ذہن کو حیران کر دیں جیسے کتابوں کی کثرت اور تصنیفات کا تنوّع، اس طرح اس کا وقت ضائع ہوگا اور اس کا ذہن منتشر ہوجائے گا۔

جس کتاب کو پڑھ رہا ہے اور جس فن کو سیکھ رہا ہے اس جانب مکمل توجہ مبذول کرے تا کہ اس میں پختہ ہوجائے۔ناسمجھے پن سے بچنے اور تبدیلی سے محفوظ رہنے کے لئے جو وقت کو برباد کرنے اور ناکامی کے علاوہ کچھ نہیں ایسے امور سے دوری کرے اور اسی باب میں مخالفین کی کتب بھی آتی ہیں جو معقولات سے متعلق ہیں، فہم کے درست ہونے ،رائے کے حق پر ثابت ہونے اور ذہن کے جواب سے اچھی طرح واقف ہونے سے قبل ان کے مطالعہ سے دوری کرے اور یہ وہ چیز ہے جو ہر فرد کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔

۳) اپنے ساتھ قلم رکھنا

اپنے ساتھ دوات، قلم اور قلم تراشنے کے لئے چھری رکھے تا کہ استاد جس کی تصحیح کرائے بہ اعتبار لغت واعراب وغیرہ اسے تحریر کرلے اور اگر استاد کسی لفظ کو تبدیل کردے اور اس کو خیال ہو یا علم ہو کہ یہ تبدیلی صحیح نہیں ہے تو ماقبل لفظ کی تکرار کرے تا کہ استاد اس جانب متوجہ ہوجائے یا یہ کہ سوالیہ انداز میں صحیح لفظ کو استعمال کرے۔پس اگر یہ غلطی استفتاء کے پرچوں پر ہو اور سوال کرنے والا مسافر یا گھر سے دور ہو اور بے پر کی اڑانے والا ہو تو اسے چاہئے کہ فی الحال استاد کی تنبیہات کو اشارے کے طور پر تحریر کرے پھر اسے تصریحی طور پر لکھ لے اس لئے کہ اسے ترک کردینا استاد سے خیانت ہے اور حتی الامکان استاد کا خیرخواہ رہنا چاہئے۔

۴) اوقات کو تقسیم کرنا

طالب علم جو کچھ حاصل کررہا ہے اس میں شبانہ روز کے اوقات کی تقسیم بندی کردے اور حفظ کرنے کے لئے بہترین وقت میں طلوع فجر سے پہلے کا وقت ہے اور تحقیق کے لئے صبح کا وقت اور تحریر کے لئے دوپہر کا وقت اور مطالعہ اور مباحثہ کے لئے رات کا وقت اور دن کا بچا ہوا وقت ہے۔علماء نے کہا ہے اور تجربہ بھی اس پر شاہد ہے کہ رات کے وقت یاد کرنا دن کے وقت حفظ کرنے سے زیادہ سودمند ہوتا ہے۔بھوک کا عالم سیری

کے عالم سے زیادہ مفید ہوتا ہے اور وہ جگہ جو لہویات سے دور ہو جیسے شور وغل، ہریالی، نباتات، بہتی ہوئی نہریں اور راستے کا وہ اوپری حصہ جس میں چہل پہل زیادہ ہو یہ سب دل کی فراغت میں مانع ہوتے ہیں۔ ان سے دوری ان کی قربت سے زیادہ سودمند ہے۔

۵) پڑھائی کی شروعات کا وقت

درس کے لئے صبح سویرے آمادہ ہو، اس لئے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے: ''بُـوْرِکَ لِاُمَّتِـی فِـیْ بُکُوْرِھَا ''(۱) صبح سویرے کا وقت میری امت کے لئے بابرکت بنایا گیا ہے۔ ایک روایت ہے ''اُغْدُوْا فِیْ طَلَـبِ الْعِـلْمِ فَانِیْ سَاَلْتُ رَبّی اَنْ یُبَارِکَ لِاُمَّتِی فِیْ بُکُوْرِھَا ''(۲) علم حاصل کرنے کے لئے صبح سویرے روانہ ہو جاؤ کیونکہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت کے لئے صبح کے وقت کو بابرکت بنادے۔ تعلیم کا آغاز جمعرات سے کرے (۳) اور ایک روایت میں ہے ہفتہ یا جمعرات سے کرے (۴) اور دوسری روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اُطْـلُبُـوْاالْـعِلْـمَ یَـوْمَ الْاِثْـنَیْـنِ فَـاِنَّـهُ یُیَسِّـرُ لِطَـالِبِهٖ ''(۵) ''تم بروز دوشنبہ (پیر) علم حاصل کرو اس لئے کہ یہ طالب علم کو آسانی فراہم کرتا ہے۔'' اور چہارشنبہ (بدھ) کے بارے میں بھی روایت کی گئی ہے: '' مَـامِـنْ شَـیءٍ بُـدِئَ یَوْمَ الْاَرْبَعَاءِ اِلَّا وَقَدْ تَـــمَّ ''(۶) جس چیز کا آغاز بروز چہارشنبہ کیا جائے وہ مکمل ہو کر رہے گا اور اگر یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض علماء نے یکشنبہ (اتوار) کو اختیار کیا ہے لیکن ہمیں اس کے ماخذ کا پتا نہیں چلا۔

۶) حدیث اور علوم حدیث کی طرف توجہ

طالب علم سماع حدیث کا بہت جلد اہتمام کرے اور حدیث اور علوم حدیث کی مشغولیت کو ترک نہ کرے۔ اس کی اسناد، اس کے رجال، اس کے معانی، اس کے احکام، اس کے فوائد، اس کی لغت، اس کی تاریخ، اس کی صحیح احادیث، حسن احادیث، ضعیف احادیث، مسند، مرسل اور تمام انواع حدیث پر نظر کرے اس لئے کہ شریعت کا علم رکھنے والے اور احکام کی وضاحت کرنے والے کے لئے یہ ایک بازو کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا دوسرا بازو قرآن ہے۔ صرف حدیث سننے پر اکتفا نہ کرے بلکہ روایت سے زیادہ درایت پر

۱۔ الجامع الصغیر، ج/۱، ص/۲۶۔
۲۔ کنز العمال، ج/۱۰، ص/۲۵۰۔
۳۔ تحف العقول، ص/۸۰۔
۴۔ بحار الانوار، ج/۱۰۰، ص/۴۱۔
۵۔ کنز العمال، ج/۱۰، ص/۲۵۰۔
۶۔ تعلیم المتعلم، ص/۱۵۔

توجہ دے اس لئے حدیث کو بیان کرنے اوراس کی تبلیغ کرنے کا مقصد اسے سمجھنا ہے۔

۷) سعی پیہم

طالب علم اس سلسلے میں بہت زیادہ سعی وکوشش اور طلب کرے اور چستی دکھائے، بلند ہمتی سے کام لے اور انبیاء کی وراثت میں کم پر اکتفا نہ کرے اور فراغت، دلچسپی پھرتی اور جوانی کو بے کاری کے عارضے سے قبل اور ریاست کی رکاوٹوں سے پہلے غنیمت جانے اس لئے کہ بے کار ہو جانا بدترین بیماری اور عاجز کر دینے والا مرض ہے۔

۸) اپنے آپ کو کمال یافتہ نہ سمجھنا

اس بات سے طالب علم مکمل طور پر خبردار رہے کہ جو اپنے آپ کو عین کمال کی نظر سے دیکھتا ہے اور اساتذہ سے بے نیاز سمجھتا ہے اگر غور کرے تو یہ اس کے لئے عین نقص، واقعی جہالت اور حماقت کا عنوان ہے اور علم ومعرفت کی کمی کی دلیل ہے۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ اپنے استاد کے درس میں ضرور شریک ہو۔ بلکہ اگر ممکن ہو تو اس کی تمام نشستوں میں شرکت کرے کیونکہ اس سے سوائے خیر واضافے اور ادب کے حصول کے اور کچھ نہیں۔ اسے ایسے مختلف اور منتشر فوائد سے آگاہی حاصل ہوگی جنھیں وہ کتابوں کی ورق گردانی میں نہیں پائے گا۔ جس طرح امام علی علیہ السلام نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے: "**لَا تَمَلُّ مِنْ طُوْلِ صُحْبَتِهٖ فَاِنَّمَا هُوَ النَّخْلَةُ تَنْتَظِرُ مَتٰى يَسْقُطُ عَلَيْكَ مِنْهَا مَنْفَعَةٌ**"(۱) "تم اس کی طولانی صحبت سے درماندہ نہ ہو جاؤ اس کی مثال کھجور کے درخت کی سی ہے کہ تم منتظر رہتے ہو کہ نہ جانے کب اس کا پھل تم پر آ گرے۔

۹) کلاس میں حاضر ہونے کے آداب

جب استاد کی بزم میں حاضر ہو تو حاضرین کو اس طرح سلام کرے کہ سب کو سنائی دے اور استاد کو مخصوص طریقے سے زیادہ اہتمام واحترام سے سلام کرے۔ حاضرین کو پیچھے چھوڑتا ہوا استاد کے قریب نہ بیٹھے مگر یہ کہ اس کی منزلت اس بات کا تقاضا کرے۔ بلکہ آخر کلاس میں بیٹھ جائے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ پس اگر استاد یا حاضرین اس سے آگے آنے کا تقاضا کریں یا اس کا مقام آگے بیٹھنا ہو یا اسے معلوم ہو کہ استاد اور جماعت اس بات کو ترجیح دیتی ہے اور استاد کے قریب اس کا بیٹھنا بتقاضائے مصلحت ہے

۱۔ الکافی، ج۱، ص۳۷.

اور استاد سے اس کا جو مباحثہ ہوگا اس سے حاضرین کو فائدہ پہنچے گا یا یہ کہ عمر میں بڑا ہو یا بڑی فضیلت اور خوبی کا مالک ہو تو ایسی صورت میں آگے جانے میں کوئی حرج نہیں۔

اپنی منزلت کے مطابق استاد کے قریب بیٹھنے کی کوشش کرے تا کہ اس کی باتوں کو بغیر کسی دشواری کے مکمل طور سے سمجھ سکے۔ لیکن استاد سے اس طرح قربت حاصل نہ کرے جو سوءِ ادب میں شمار ہو۔

یہ سمجھ لو کہ طالب علم جب بھی درس گاہ میں پہلے آجائے اور کسی جگہ بیٹھ جائے تو وہ اس کا حق دار بن جاتا ہے۔ دوسرے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسے اس کی جگہ سے ہٹا دے خواہ وہ ادب کے اعتبار سے اس سے زیادہ حق دار ہو۔ کہا گیا ہے اس کے بعد وہ باقی بچتا ہے جو اس سے زیادہ حق دار ہے جیسے وہ پیشہ ور افراد جو بازار یا راستے میں اپنا سامان بیچنے کے لئے کوئی جگہ مخصوص کر لیتے ہیں اس کے وقتی نہ آنے کے سبب اس کا حق ساقط نہیں ہوتا خواہ وہ درس سے ایک دن یا دو دن غائب رہنے کے بعد دوبارہ واپس آجائے۔

تبصرہ

جس وقت بحث و تمحیص ہو رہی ہو بعض لوگوں نے حلقۂ علم کو ان مقامات میں شمار کیا ہے جہاں سلام نہیں کرنا چاہئے۔ افاضل کی ایک جماعت نے اسے اختیار کیا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جواب سلام انھیں اس بحث اور حضور قلب سے غافل کر دے گا جس میں وہ محو تھے بالخصوص جب کوئی سوال معرض بحث ہو اس کا منقطع کر دینا ان کے نزدیک نقصان دہ ہو اور یہ ان اکثر موارد کی طرح ہے جن کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ اس موقع پر سلام نہ کیا جائے۔''(۱)

لیکن یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر کوئی شاگرد ایسے وقت، درس میں شامل ہونا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ بصورتِ امکان جلسہ گاہ میں ایسی جگہ کا انتخاب کرے جو استاد کی نگاہ سے مخفی ہو تا کہ استاد درس سے فارغ ہونے تک اس کی جانب متوجہ نہ ہو۔ اس طرح استاد سے حق ادب کے ساتھ ساتھ حق بحث بھی ادا ہو جائے گا تا کہ مصروفیات میں مزید اضافہ نہ ہو۔

۱۰) کلاس میں بیٹھنے کے آداب

حاضرین مجلس سے ادب سے پیش آئے اور اپنے رفقاء، معاصرین بالخصوص اپنے سے بڑوں کا احترام

۱۔ الکافی، ج/۲، ص/ ۶۴۵ و بحار الانوار، طبع بیروت ۱۴۰۳ھ، ج/۷۳، ص/ ۸۔۹۔

کرے اس لئے کہ ان سب سے مودّب رہنا۔ استاد سے مودّب رہنا اور اس کی مجلس درس کا احترام ہے۔ اس کی بزم میں کسی کے لئے مزاحم نہ ہو اور نہ ہی کسی کو اس کی جگہ سے اٹھائے۔ اگر کوئی دوسرا شخص اسے اپنی جگہ پر بٹھانا چاہے تو اسے قبول نہ کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کسی کو اس کی نشست سے اٹھا دیا جائے اور دوسرا شخص وہاں بیٹھ جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا'' ''اور تم پر لازم ہے کہ گنجائش پیدا کرو اور آرام سے کھل کر بیٹھو۔'' (۱) ہاں اگر وہ ایسے شخص کی بزم میں ہو جہاں پر اس کا آگے بیٹھنا حاضرین کی بھلائی کی خاطر ہو اور جو ایثار کر رہا ہے اس کے ایثار کو قرائن سے جان لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور حلقہ کے درمیان میں نہ بیٹھے اور نہ ہی بلا ضرورت کسی کے آگے جا کر بیٹھے اور نہ ہی دو بھائیوں کے درمیان یا باپ بیٹے کے مابین یا دو قریبی اشخاص کے درمیان یا دو ساتھیوں کے مابین بیٹھے مگر یہ کہ ان کی مرضی شامل ہو جیسا کہ روایت کی گئی کہ: ''نَهٰى اَنْ يَجْلِسَ الرَّجُلُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا'' ''آنحضرتؐ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص دو افراد کے درمیان بیٹھے مگر یہ کہ وہ خود اس کی اجازت دے دیں۔'' (۲)

۱۱) آنے والے کا احترام

حاضرین کو چاہئے کہ جب بھی کوئی شخص آئے تو اسے خوش آمدید کہیں اور اسے بیٹھنے کی جگہ دیں اور اس جیسے فرد کی جیسی تکریم ہونی چاہئے ویسی اس کی تکریم کریں۔ جب اس کے لئے نشست میں گنجائش پیدا کر دی جائے اور جگہ تنگ ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے آپ کو سمیٹ لے پھیل کر نہ بیٹھے اور آگے بڑھ کر یا پیچھے ہٹ کر حلقہ کے دائرے سے باہر نہ نکلے۔

۱۲) استاد کی حمایت

اگر طلبہ میں سے کوئی غیر کو ادب سکھانے کے لئے برا سلوک کرے تو اسے استاد کے علاوہ کوئی اور نہ جھڑکے مگر یہ عمل اشارے سے انجام پائے یا ان کے درمیان رازداری کے ساتھ بطور نصیحت۔ اگر کوئی شخص استاد کے خلاف کوئی بات کرے تو جماعت کو ایسے شخص کی سرزنش کرنی چاہئے اسے روکنا چاہئے اور بقدر امکان استاد کی حمایت کرنی چاہئے اگر چہ استاد یہ ظاہر کرنا چاہے کہ اس نے اسے معاف کر دیا ہے۔

۱۔ صحیح مسلم، ج/۴، ص/۱۷۱۴۔ ۲۔ سنن ابی داؤد، ج/۴، ص/۲۶۲، ح/۴۸۴۴۔

۱۳) استاد کے سامنے پڑھنے میں نوبت کی رعایت کرنا

جب استاد کے سامنے پڑھے تو مقدم ہو یا موخر اپنی باری کا لحاظ رکھے اور جس کی نوبت ہے اس کی رضامندی کے بغیر آگے نہ جائے۔ روایت ہے کہ ایک انصاری نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ پوچھنے کے لئے آیا اور قبیلۂ ثقیف کا شخص بھی آیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اے برادر ثقفی! انصاری نے تم سے پہلے مسئلہ دریافت کیا ہے تم بیٹھ جاؤ تا کہ تمھاری ضرورت سے پہلے ہم انصاری کی ضرورت پوری کردیں۔''(۱)

کہا گیا کہ اپنی باری کسی کو نہ دے اس لئے کہ قرب میں ایثار کرنا ایک طرح کا نقص ہے۔ پس اگر استاد کسی وقت مصلحت دیکھے اور اس کے بارے میں اشارہ کرے تو اس کی کامل رائے اور درست مقصد کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس کے حکم کو بجالائے۔

کہا گیا ہے پہلے آنے والے کے لئے مستحب ہے کہ اجنبی کو خود پر مقدم کرے۔ اس کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور اس ذمہ داری کو واجب سمجھتے ہوئے، اسی طرح بعد میں آنے والے کو کوئی ضروری امر درپیش ہو اور پہلے آنے والے کو اس کا علم ہو تو وہ اس کو خود پر مقدم کردے۔

۱۴) کتاب اپنے ساتھ رکھنا

طالب علم وہ کتاب لے کر آئے جسے وہ استاد سے پڑھتا ہے اور کتاب خود اٹھائے اور پڑھنے کے دوران اسے کھلا ہوا زمین پر نہ رکھے بلکہ دونوں ہاتھوں پر رکھ کر پڑھے اور اس وقت تک پڑھنا شروع نہ کرے جب تک استاد سے اجازت نہ مل جائے۔ جب استاد اسے اجازت مرحمت کردے تو ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ'' اس کے بعد ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' پھر ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' پھر ''وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَآلِهِ الطَّاهِرِيْنَ'' کہہ کر درس کا آغاز کرے۔ اس کے بعد وہ استاد، ان کے والدین، ان کے اساتذہ، علمائے کرام، تمام مسلمانوں اور اپنے لئے دعا کرے۔ اگرچہ کتاب کے مصنف کے لئے دعا کرنا بہتر ہے پس اگر طالب علم کتاب شروع کرتے وقت بسبب نادانی یا نسیان ان چیزوں کو بھول جائے ہم نے جن کا ذکر کیا ہے تو استاد کو چاہئے کہ

۱۔ تذکرۃ السامع، ص/ ۱۵۹۔

اس سے طالب علم کو متنبہ کرے۔ اسے سکھائے اور یاد دلائے؛ اس لئے کہ آداب میں یہ بہت اہمیت کا حامل ہے اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب بھی کسی اہم امر کا آغاز کیا جائے تو سب سے پہلے اللہ کا نام لیا جائے پھر حمد خدا بجالائے اور یہ بہت اہم ہے(۱)

۱۵) دوستوں کے ساتھ علمی مباحثہ کرنا

جو استاد کی مجلس میں پابندی سے جانے والے رفقاء ہیں وہ آپس میں مذاکرہ و مباحثہ کریں اس لئے کہ اس میں فوائد، ضوابط اور قواعد وغیرہ ہیں اور وہ آپس میں استاد کے کلام کا مباحثہ کریں اس لئے کہ مباحثہ میں بیش بہا منفعت ہے جو حفظ پر مقدم ہے۔

درس ختم ہونے کے بعد ذہن کے منتشر ہونے سے قبل اور دلوں کی پراگندگی سے پہلے جو شاذ و نادر باتیں انھوں نے سنی ہیں ان کے ذہن سے نکل جانے سے پہلے مباحثے میں عجلت سے کام لیں، پھر انھیں کبھی کبھی مذاکرہ کرتے رہنا چاہئے۔ طالب علم کو علم میں ماہر بنانے والی چیز مباحثے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص نہ ملے جس سے مباحثہ کر سکے تو وہ خود اپنے آپ سے مباحثہ کرے اس مفہوم کی تکرار کرے جو اس نے سنا ہے اور قلب پر اسے جاری کرے تاکہ وہ اس کے دل میں پیوست ہو جائے اس لئے کہ مفہوم کی تکرار دل پر اسی طرح ہے جس طرح لفظ کی تکرار زبان پر ہوتی ہے۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ وہ کامیاب ہوا ہو جس نے بس استاد کے سامنے تعقل و تفکر سے کام لیا ہو پھر اسے چھوڑ دیا ہو اور وہاں سے اٹھ گیا اور دوبارہ اسے دہرایا نہ ہو۔ ہم نے جس مباحثے کا ذکر کیا ہے وہ استاد کی مجلس درس سے الگ ہونا چاہئے یا اسی جگہ پر ہو مگر استاد کے چلے جانے کے بعد اس طرح کہ وہ ان کی آواز کو نہ سنے۔ اس لئے کہ طلبہ کو استاد کو اس طرف مشغول رکھنا اور اسے سنانا ادب کی کمی اور جسارت ہے۔ لیکن اگر استاد اسی میں مصلحت سمجھتا ہے اور اس بات کا حکم دیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تتمہ: طلاب کے درمیان ادب کی رعایت کرنا

طلبہ کو چاہئے ان آداب کا خیال رکھیں یا ان سے نزدیک رہیں اور بالخصوص اپنے بزرگوں اور تجربہ کار افراد کے ساتھ جس طرح ان میں سے جو صاحب علم ہوں کسی خاص شعبۂ علم سے ان کا تعلق ہو یا کسی

۱۔ الکشاف، ج/۱،ص/۳ اور درمنشور، ج/۱،ص/۱۲.

خاص فن میں کمال رکھتے ہوں کہ وہ اپنے رفقاء کی رہنمائی کریں اورانھیں رغبت دلائیں کہ وہ اجتماع، مباحثے اور حصول علم میں کوشاں ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی رہنمائی سے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے علم میں برکت عطا کردے اوراس کا دل روشن ہوجائے اوراس کے نزدیک مسائل میں پختگی پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ خداوند عالم کی جانب سے ثواب جزیل اورنگاہ کرم وعطائے جمیل ہوجائے اوراگران پران میں سے کسی شے سے بخل سے کام لے گا تو جوکچھ بیان کیا گیا ہے اس کے خلاف ہوجائے گا۔اس کا علم محکم نہ ہوگا اور اگرمحکم ہوگیا تو سودمند نہ ہوگا اور اللہ اس میں برکت عطا نہیں کرے گا اور سلف اور خلف (ا) کی جماعتوں میں اس بات کا تجربہ کیا جاچکا ہے۔

آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کریں اور نہ ہی انھیں حقیر جانیں اور نہ ہی اس کے مقابلہ میں فخر و مباہات کریں اور نہ ہی اپنی فہم وفراست اوران سے آگے بڑھ جانے پرخود پسندی سے کام لیں اس لئے کہ یہ بھی ان ہی کی طرح تھا۔اس کے بعد اللہ نے اس پر اپنا کرم کیا ہے۔اس پر حمد خدا بجالائے اور دائمی شکر سے اس میں اضافہ کی دعا کرے۔اگر یہ اس طرز کو اپنائے گا اوراس کی اہلیت کامل ہوجائے گی اوراس کی فضیلت مشہور ہوجائے گی تو وہ اس کے بعد کے زینوں پر بلند ہوتا چلا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے اسباب فراہم کرے گا۔

....

ا۔سلف جمع اسلاف،آباءواجداد باپ دادا،خلف جانشین وارث اورقائم مقام.

تیسری فصل

معلم سے مخصوص آداب

یہ جان لو کہ تعلیم وہ بنیاد ہے جس پر دین قائم ہے اور وہ نہایت اہم عبادات میں سے ہے اور اس کے آداب کی تین قسمیں ہیں:

۱) معلم کی ذات سے متعلق آداب
۲) طلبہ سے متعلق استاد کے آداب
۳) مجلس درس سے متعلق معلم کے آداب

معلم کی ذات سے متعلق آداب

۱) تدریس کی صلاحیت سے پہلے تدریس نہ کرنا

استاد اس وقت تک تدریس کے لئے آمادہ نہ ہو جب تک اس میں مکمل صلاحیت پیدا نہ ہو جائے اور اس کے نیکوکار اساتذہ اس بات کی شہادت نہ دے دیں۔ ایک مشہور حدیث میں آیا ہے:

''اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ''(۱)

''جو بغیر عطا کے سیر ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے فریب کا لباس زیب تن کرنے والا''

اور ایک مرد فاضل نے کہا ہے: ''مَنْ تَصَدَّرَ قَبْلَ آوَانِهٖ فَقَدْ تَصَدیٰ لِهَوَانِهٖ''

''جو وقت سے پہلے صدر مجلس بننا چاہتا ہے وہ اپنی ذلت کا خواہاں ہوتا ہے۔''

اور دوسرے نے کہا ہے: ''مَنْ طَلَبَ الرِّيَاسَةَ فِیْ غَيْرِ حِيْنِهٖ لَمْ يَزَلْ فِیْ ذُلٍّ مَا بَقِیَ''

''جو شخص وقت آنے سے پہلے ریاست طلب ہوتا ہے وہ پوری زندگی ذلت وخواری میں مبتلا رہتا ہے۔''

ایک شاعر نے کہا:

لَا تَطْمَحَنَّ اِلیٰ الْمَرَاتِبِ قَبْلَ اَنْ   تَتَكَامَلَ الْاَدْوَاتُ وَالْاَسْبَابُ

اِنَّ الثِّمَارَ تَمُرُّ قَبْلَ بُلُوْغِهَا   طَعْماً وَهُنَّ اِذَابَلَغْنَ عَذَابُ

''تم کسی منصب کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو جب تک اس کے حالات اور اسباب پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ جائیں؛ اس لئے کہ پھل پکنے سے پہلے مزے میں ترش ہوتے ہیں اور جب پک جاتے ہیں تو شیریں ہو جاتے ہیں۔

....

۱۔ سنن ابی داؤد، ج/۴، ص/۳۰۰.

۲) علم کو کم اہمیت نہ سمجھنا

نااہلوں کو علم کی پیشکش کر کے اس کی ذلت وخواری کا باعث نہ بنے مگر یہ کہ کسی ضرورت کے تحت ایسا کیا ہو اور کسی دینی مصلحت کے تقاضوں سے اس جانب مائل ہوا ہو۔

۳) اپنے علم پر عمل کرنا

استاد اور شاگرد کے درمیان مشترک آداب کے ذیل میں بیان شدہ آداب سے بڑھ کر اپنے علم پر عمل کرے۔ ارشاد رب العزت ہے: ﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ﴾(۱)

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو؟''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾(۲) کے ذیل میں وارد ہوا ہے کہ اس سے مراد ''مَنْ لَمْ يُصَدِّقْ فِعْلُهُ قَوْلَهُ فَلَيْسَ بِعَالِمٍ ''(۳) ''جس کا فعل اس کے قول کی تصدیق نہ کرے وہ عالم نہیں ہے۔''

اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

''اَلْعِلْمُ مَقْرُوْنٌ اِلىٰ الْعَمَلِ فَمَنْ عَلِمَ عَمِلَ وَمَنْ عَمِلَ عَلِمَ وَالْعِلْمُ يَهْتِفُ بِالْعَمَلِ فَاِنْ اَجَابَهُ وَاِلَّا ارْتَحَلَ''(۴)

''علم عمل کے ساتھ جڑا ہوا ہے پس جو جانتا ہے عمل کرتا ہے اور جو عمل کرتا ہے وہ جانتا ہے اور علم عمل کے لئے پکارتا ہے اگر اس کا مثبت جواب دیا تو ٹھیک، ورنہ علم رخصت ہو جاتا ہے۔''

اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

''اِنَّ الْعَالِمَ اِذَا لَمْ يَعْمَلْ بِعَلْمِهٖ زَلَّتْ مَوْعِظَتُهُ عَنِ الْقُلُوْبِ كَمَا يَزِلُّ الْمَطَرُ عَنِ الصَّفَا''(۵)

''اگر عالم اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اس کی نصیحتیں دلوں سے اسی طرح پھسل جاتی ہے جس طرح بارش چٹان پر باقی نہیں رہتی۔''

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''قَصَمَ ظَهْرِي رَجُلَانِ: عَالِمٌ مُتَهَتِّكٌ وَجَاهِلٌ مُتَنَسِّكٌ''(۶)

۱۔ سورۂ بقرہ/۴۴۔ ۲۔ سورۂ فاطر/ ۲۸۔ ۳۔ الکافی، ج/۱، ص/ ۳۶۔
۴۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۴۔ ۵۔ الکافی، ج/۱۔ ۶۔ احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۵۲۔

''دوطرح کے لوگوں نے میری کمر توڑ ڈالی !ایک بدچلن عالم اور دوسرے زہد وتقویٰ اختیار کرنے والا جاہل۔''

۴) زیادہ سے زیادہ حسن خلق سے پیش آنا

عمدہ اخلاق کی زیادتی، مکمل نرمی اور نفس کی تکمیل کے لئے فراخ دلی سے کوشش کرنا اس لئے کہ اس دور میں صالح علماء، انبیائے کرام کے مانند ہیں۔ جب ایسا ہے تو استاد کو جان لینا چاہئے کہ اس نے اپنی گردن میں عظیم امانت کو آویزاں کرلیا ہے۔ حضرت عیسیؑ بن مریمؑ نے فرمایا: ''اے حواریو! مجھے تم سے ایک کام ہے۔ اسے پورا کرو۔ انھوں نے جواب دیا: اے روح اللہ! آپ کی ضرورت پوری کردی گئی، حضرت عیسیٰ اپنی جگہ سے اٹھے اور ان کے پیروں کو دھونے لگے حواریوں نے کہا: اے روح اللہ! ہم اس کا آپ سے زیادہ حق رکھتے ہیں تو آپؑ نے فرمایا: انسانوں کی زیادہ خدمت کرنے کا حق عالم کو پہنچتا ہے، میرے تواضع کا مقصد یہ ہے کہ میرے بعد، تم بھی لوگوں سے اسی طرح تواضع سے پیش آؤ۔'' پھر آپؑ نے فرمایا:

''بِالتَّوَاضُعِ تُعْمَرُ الْحِکْمَۃُ لَا بِالتَّکَبُّرِ وَکَذَالِکَ فِیْ السَّهْلِ یَنْبُتُ الزَّرْعُ لَا فِیْ الْجَبَلِ''(۱)

''حکمت ودانائی کو تواضع سے بسایا جاسکتا ہے نہ کہ تکبر سے۔ اسی طرح بیج ہموار زمین میں اگتے ہیں نہ کہ پہاڑ پر۔''

۵) شاگردوں سے حسن ظن رکھنا

استاد کسی کو نیت کی نادرستی کی بنیاد پر تعلیم سے منع نہ کرے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر مبتدی طلبہ میں نیت کی درستی بہت دشوار ہوتی ہے اس لئے کہ ان کے ارادے کمزور ہوتے ہیں اور مستقبل کی سعادت کے ادراک سے ان کے ذہن قاصر ہوتے ہیں اور صحیح علم کے حصول کے اسباب وعوامل سے وہ بہت کم مانوس ہوتے ہیں۔ اگر انھیں تعلیم سے روک دیا گیا تو وہ علم کے وافر حصے سے محروم ہوجائیں گے باوجودیکہ علم کی برکت سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ جب وہ علم سے مانوس ہوجائیں تو تصحیح بھی ہوجائے گی۔ کسی نے کہا ہے:

''طَلَبْنَا الْعِلْمَ لِغَیْرِ اللّٰهِ فَاَبَیٰ اَنْ یَکُوْنَ اِلَّا لِلّٰهِ'''' ہم نے علم تو غیر خدا کے لئے حاصل کیا تھا لیکن اس نے سوائے اللہ کے کسی اور کا ہونے سے انکار کردیا۔''

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۱۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ انجام کار وہ علم اللہ کے لئے ہو گیا۔

لیکن اگر استاد، طالب علم کی نیت کے فاسد ہونے کو محسوس کرے تو اسے چاہئے کہ موعظۂ حسنہ سے اسے بتدریج راہ راست پر لے آئے اور اسے اس علم کے خطرات سے متنبہ کرے جو اللہ کے لئے نہیں ہے اور کبھی کبھی اس بارے میں وارد ہونے والی حدیثیں اسے پڑھ کر سنائے، یہاں تک کہ معلم طالب علم کو صحیح مقصد تک لے جا سکے۔ پس اگر استاد کامیاب نہ ہو سکے اور اس سے مایوس ہو جائے تو کہا گیا ہے کہ ایسی حالت میں اسے چھوڑ دے اور حصول علم سے روک دے اس لئے کہ یہ علم اس کے شر میں اضافہ کا باعث ہو گا۔

۶) پڑھانے میں بخل نہ کرنا

جب مستحق موجود ہو تو اسے دولت علم سے مالا مال کرے اور بخل سے کام نہ لے اس لئے کہ خداوند عالم نے علماء سے وہی عہد و پیمان لیا ہے جو انبیائے کرام سے لیا تھا کہ پیغام خدا کو لوگوں پر واضح کریں اور اسے پوشیدہ نہ رکھیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپؑ نے فرمایا: میں نے کتاب حضرت علیؑ میں پڑھا ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَاخُذْ عَلىٰ الْجُهَّالِ عَهْداً بِطَلَبِ الْعِلْمِ حَتّٰى اَخَذَ عَلىٰ الْعُلَمَاء عَهْداً بِبَذْلِ الْعِلْمِ لِلْجُهَّالِ لِاَنَّ الْعِلْمَ كَانَ قَبْلَ الْجَهْلِ''(۱)

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے جاہلوں سے اس وقت تک علم حاصل کرنے کا عہد نہیں لیا جب تک کہ علماء سے یہ عہد نہ لے لیا کہ وہ جاہلوں کو علم کی دولت سے مالا مال کریں گے اس لئے کہ علم جہالت سے پہلے موجود تھا۔''

جابر جعفی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے امام علیہ السلام نے فرمایا:

''زَكوٰةُ الْعِلْمِ اَنْ تُعَلِّمَهُ عِبَادَ اللّٰهِ'' علم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ تم اسے اللہ کے بندوں کو سکھاؤ۔(۲)

۷) قول وفعل کے درمیان مخالفت سے پرہیز کرنا

اگر معلم کے پاس کوئی شرعی عذر بھی ہو تب بھی اس کے قول وفعل میں کوئی تضاد نہیں ہونا چاہئے مثلاً یہ کہ وہ کسی شے کو حرام سمجھتا ہو اور اسے بجالائے یا کسی چیز کو واجب جانتا ہو اور اسے ترک کر دے، یا یہ کہ کسی امر کو مستحب گردانتا ہو اور اس پر عمل نہ کرے اگر چہ اس کا طرز عمل شریعت کے حسب حال اور مطابق دین ہو (پھر

۱۔ صحیح مسلم، ج/۴، ص/۱۷۱۲۔ ۲۔ صحیح مسلم، ج/۴، ص/۱۷۱۲۔

بھی اس کے کردار اور گفتار کی دورخی اور تضاد سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی) دین کے احکام وقوانین شخصیات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں تو ایسے وقت میں اگر امر کے مشتبہ ہونے کا خوف ہو تو سامع کے دل سے وسوسۂ شیطانی کو دور کرنے کے لئے مخالفت کے اسباب کی وضاحت لازمی وضروری ہے ۔جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ اتفاق ہوا۔ جب کسی صحابی نے رات کے وقت آپ کو دیکھا کہ اپنی کسی بیوی کے ساتھ اس کے گھر تشریف لے جارہے ہیں تو آنحضرتؐ کو خوف لاحق ہوا کہ کہیں اس صحابی کو ابلیس شبہے میں نہ ڈال دے اور وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ نبی کی بیوی نہیں ہے ۔تو اس وقت آنحضرتؐ نے اس صحابی سے مخاطب ہوکر فرمایا :''يَا فُلانُ هَذِهِ زَوْجَتِيْ فُلانَة''(۱)''اے فلا نے یہ میری فلاں زوجہ ہے۔''

اگرچہ عالم ومعلم کے احکام واوامر کو سننے والے پر لازم ہے کہ شبہہ اور وسوسہ کو ذہن میں آنے سے پہلے اعتراض نہ کرے اور اگر اس کے پاس اعتراض کے لئے معقول وجہ اور عذر بھی ہو پھر بھی اس سے روگردانی کرے۔ہاں اگر فساد کا اندیشہ ہو تو پھر تنقید کا حق رکھتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عالم اور طالب علم کی مثال مہر اور موم کی سی ہے کہ مہر میں جو نقش اور تصویر ہوگی وہ موم میں منعکس ہوجائے گی ۔ہم نے خود اس نقش کی قبولیت کو اساتذہ اور طلبہ کے مابین دیکھا ہے مختلف اساتذہ کے اخلاق وکردار میں جو اختلاف ہوتا ہے وہی طلبہ کے کردار میں منعکس ہوجاتا ہے: ﴿وَلا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾(۲)''اور ان باتوں کی اطلاع ایک باخبر ہستی کے علاوہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔''

۸)بغیر کسی جھجک کے اظہار حق کرنا

مخلوقات خداوند عالم میں سے کسی کی چاپلوسی کئے بغیر باعتبار طاقت اظہار حق کرنا۔پس اگر یہ دیکھے کہ کوئی شخص حق سے ہٹا ہوا ہے یا اطاعت میں کوتاہی کر رہا ہے تو پہلے اسے نہایت نرمی سے پند ونصیحت کرے اس کے بعد سختی سے کام لے اور اگر وہ نہ مانے تو پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دے اور اگر اس سے کچھ فائدہ نہ ہو تو نہی کے ذریعہ رسائی حاصل کرے اور امر بالمعروف کے مراتب کے لحاظ سے اسے حق کی جانب پلٹائے۔

ہمیں اکثر جو غفلت دکھائی دیتی ہے، وہ جہالت کا غلبہ ہے اور دینی فرائض کی معرفت سے کوتاہی اور شرعی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرنا اور دین حنیف سے انحراف اور نماز کی کما حقہ ادائیگی سے دوری ہوگئی ہے۔

۱۔ سورۂ فاطر/۱۴۔ ۲۔صحیح مسلم، ج/۴،ص/۱۷۱۲۔

اس کا سبب علماء کا کما حقہ اظہار حق سے کوتاہی کرنا ہے۔ اصلاح خلق کے لئے اپنے آپ کو تھکانے سے اجتناب کرنا اور خدا کے راستے پر چلانے کے لئے حکمت اور بہترین موعظت سے کام نہ لینا ہے۔

کسی عالم نے کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے: گھر میں بیٹھ رہنے والا ہر شخص خواہ وہ کہیں بھی ہو وہ ناپسندیدہ امر سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی، انھیں دین کی نشانیوں کو سکھانے اور نیکی کی طرف راغب کرنے سے دور ہے۔ اس لئے کہ اکثر لوگ شریعت اور واجبات عینی مثلاً نماز اور اس کی شرائط سے ناواقف ہیں بالخصوص دیہات اور صحرا کے باشندے۔ لہٰذا واجب کفائی ہے کہ ہر شہر اور دیہات میں کوئی ایسا شخص ہونا چاہئے جو انھیں دین کی تعلیم دے اور نرمی کے ساتھ ان کی رہنمائی کرے اور انھیں تعلیم دینے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کرے اور بہترین برتاؤ کے ساتھ لوگوں سے پیش آئے اور اپنی باتوں کو منوانے کے لئے ہر وسیلہ بروئے کار لائے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان لوگوں کی ذات اور ان کے مال پر طمع کی نظر نہ کرے اس لئے کہ اگر ان لوگوں کو پتا چل گیا کہ عالم کی نظر ان کی ذات اور ان کے مال پر ہے تو وہ اس کی ذات اور اس کے علم سے کنارہ کش ہو جائیں گے اور اس وجہ سے ان کا امر مضمحل ہو جائے گا لیکن اگر عالم فی سبیل اللہ کام کا آغاز کرے گا اور امر خداوندی کی بجا آوری کے لئے یہ عمل بجا لائے گا تو ہر خاص وعام کے دل میں یہ بات جاگزیں ہو جائے گی اور وہ لوگ اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے اور سیدھی راہ پر گامزن ہو جائیں گے۔

طلبہ سے متعلق استاد کے آداب

اوراس میں بہت سے امور شامل ہیں:

۱) ادب سکھانے میں تدریج کا خیال رکھنا

استاد کو چاہئے کہ طلبہ کو بتدریج عمدہ آداب اور پسندیدہ اخلاق سے آشنا کرائے اور آدابِ دینی اور مخفی دقائق سے ان کی تربیت کرے اور انھیں خفی اور جلی امور میں صیانت اور حفاظت کا عادی بنائے بالخصوص اگر ان میں راست روی کی صلاحیت کو محسوس کرے۔

استاد کا پہلا کام یہ ہے کہ طالب علم کو عمل اور جدو جہد میں اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ اسے **خالصةً لوجه الله** انجام دے اور یہ کہ ہر لمحہ وہ اللہ تعالیٰ کی زیرنگرانی کام کو انجام دیتا رہے اور مرتے دم تک ہمیشہ اس پر باقی رہے گا۔ معلم طالب علم کو بتائے کہ اس امر سے اس پر معارف کے دروازے کھل جائیں گے، اس کا شرح صدر ہو جائے گا، اس کے دل سے حکمت اور لطائف کے چشمے جاری ہو جائیں گے، اس کی حالت اور اس کے علم میں برکت عطا کر دی جائے گی اور اسے توفیق مل جائے گی کہ اس کا قول، فعل اور حکم درست قرار پائے۔ استاد کو چاہئے کہ اس بارے میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ طالب علم کو پڑھ کر سنائے اور اس ضمن میں رہنمائی کرنے والی مثالیں بھی بیان کرے۔ طالب علم میں دنیا سے بے رغبتی پیدا کرائے۔ اس کے تعلق سے اس کا رخ موڑ دے۔ اسے سہارا بنانے اور اس کے بناؤ سنگار سے دھوکا کھانے سے اسے روکے۔ اسے یاد دلائے کہ یہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے۔ عقلاء اور اللہ کے نیک بندوں کی یہ روش رہی ہے کہ وہ باقی رہنے والی چیز کے لئے تیاری کرتے ہیں اور فنا ہو جانے والی شے سے روگردانی کرتے ہیں۔ اس دنیا کو ایک ظرف اور کمال حاصل کرنے کے لئے ایک زراعت گاہ قرار دیا گیا ہے اور

اسے علم وعمل کے حصول کا زمانہ بنایا گیا ہے تا کہ اعمال صالحہ کے ذریعہ آنے والے گھر (آخرت) کے لئے اس کی منفعت کو محفوظ کر لے۔

۲) شاگردوں کو علم کی طرف رغبت دلانا

طلبہ کو علم کی طرف مائل کرے اور انھیں علم اور علماء کے فضائل کی یاددہانی کرائے اور یہ بتائے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور وہ روز قیامت نور کے منبروں پر ہوں گے۔ انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ اسی طرح وہ سب کچھ جو آیات اور احادیث، آثار، اشعار اور امثال کی صورتوں میں علم اور علماء کے فضائل سے متعلق بیان ہوا ہے ان تمام باتوں سے طلبہ کو آگاہ کرے۔

۳) شاگردوں کو بداخلاقی سے روکنا

معلم کو چاہئے کہ طلبہ کو بری عادتوں سے روکے اور ان اعمال سے بھی منع کرے جن کا بجالانا شریعت کی رو سے حرام یا مکروہ ہے یا وہ امور جو حالات کو بگاڑنے یا علمی مشغولیات سے دور کرنے یا سوءادب کا باعث ہوں یا زیادہ باتیں بنانے سے جو بے فائدہ ہوں یا نامناسب افراد کی صحبت اختیار کرنے سے یا اس جیسے امور سے۔ لیکن یہ تنبیہ وتوبیخ بقدر امکان اشارات وکنایات میں ہو۔ توضیح وتشریح کا طریق اختیار نہ کیا جائے۔ از روئے رحمت ہو نہ بطریق سرزنش۔ اس لئے کہ صراحت ووضاحت، ہیبت ورعب کو ختم کرنے کا باعث ہوگی اور خلاف اخلاق امور کو اختیار کرنے کی جرأت دلائے گی اور حرص کو ابھارے گی کہ وہ ان امور پر اصرار کرتا رہے۔ اب اگر طالب علم اپنی ذکاوت وذہانت سے ان مذکورہ باتوں سے اشارات وکنایات کے ذریعے باز آ گیا تو یہ معلم کی بڑی کامیابی وکامرانی ہے۔ ورنہ اسے پوشیدہ طور سے ان امور سے منع کرے اور اگر طالب علم باز نہ آئے تو پھر علانیہ ان باتوں سے روکے اور اگر مناسب حال ہو تو اسے سختی سے منع کرے تا کہ وہ اور اس کے علاوہ دوسرے افراد ان باتوں سے رک جائیں اور ہر سننے والا مودّب ہو جائے۔ پس اگر طالب علم ان باتوں سے نہ رکے تو اس صورت میں اسے اپنے پاس سے دور کر دینے میں کوئی حرج نہیں اور اس سے روگردانی روا ہے تا کہ وہ واپس نہ آئے بالخصوص اگر یہ خوف ہو کہ طلبہ میں اس کے بعض رفقاء کہیں اس جیسے نہ بن جائیں۔

اسی طرح معلم کو چاہئے کہ طلبہ سے عہد لے کہ طلبہ ایک دوسرے سے کیسا سلوک کریں، سلام کرنے

میں، گفتگو کرتے وقت حسن تکلم، باہمی الفت، نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون اور طلبہ جو امور انجام دینا چاہیں استاد ان سب میں ان پر نظر رکھے۔ استاد جس طرح طلبہ کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ دینی معاملات میں اللہ سے کس طرح رابطہ استوار کیا جاتا ہے اسی طرح انھیں یہ بھی سکھائے کہ دنیاوی امور میں لوگوں سے کس طرح پیش آنا چاہیے۔ دینی اور دنیوی امور دونوں فضیلتوں میں ان کی تکمیل کرے۔

۴) طلاب سے نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آنا

معلم طلبہ کے سامنے اپنی بڑائی کا اظہار نہ کرے بلکہ ان کے ساتھ نہایت نرمی اور خاکساری کے ساتھ پیش آئے۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنْ الْمُؤْمِنِینَ ﴾(۱)

''اور جو صاحبان ایمان آپ کا اتباع کرلیں ان کے لئے اپنے شانوں کو جھکا دیجئے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ اَوْحىٰ اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا''(۲)

''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی ہے کہ میں تم لوگوں کو آگاہ کروں کہ تم تواضع سے کام لو۔''

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهَ عَبْداً بِعَفْوٍ اِلَّا عِزاً وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ''(۳)

''صدقہ دینے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی اور عفو و مغفرت کے ذریعہ اللہ بندے کی عزت میں اضافہ کر دتا ہے۔ جب بھی کوئی اللہ کے لئے تواضع و انکساری سے کام لیتا ہے تو اللہ اسے بلندی عطا کرتا ہے۔''

جب تواضع کا یہ حکم عام انسانوں کے لئے ہے تو پھر ان لوگوں کے لئے کیسا ہوگا جو استاد کے لئے اولاد کے مانند ہیں اور ہمیشہ اس کے ساتھ ہیں اور نفع بخش علم حاصل کرنے میں انھیں اپنے استاد پر پورا بھروسا ہے، اس کے ساتھ ساتھ انھیں ایک دوسرے کی ہم نشینی اور ایک دوسرے سے ملاقات اور محبت کا شرف اور

۱۔ سورۂ شعراء/ ۲۱۵.
۲۔ سنن ابی داؤد، ج/ ۴، ص/ ۲۷۴، ح/ ۴۸۹۵.
۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج/ ۲، ص/ ۳۸۶.

مودت کی صداقت حاصل ہے۔اور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لِیْنُوْا لِمَنْ تُعَلِّمُوْنَ وَلِمَنْ تَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُ''(۱)

''تم نرمی کا سلوک کرو اس سے جس کو تم تعلیم دیتے ہو اور اس سے تم جس سے تعلیم حاصل کرتے ہو۔''

معلم پر لازم ہے کہ دوسروں سے زیادہ طلبہ کے ساتھ حسن سلوک روا رکھے اور جب ان سے ملاقات کرے تو مہربانی سے پیش آئے، مسکراہٹ، خندہ پیشانی اور خوش روئی کو اپنا شعار بنائے۔حسن مودّت سے پیش آئے، محبت سے آگاہ کرے۔اپنی شفقت کا اظہار کرے اور حسب امکان اپنے علم اور جاہ ومنزلت سے طلبہ پر احسان کرے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان طلبہ میں سے اگر کوئی نظر نہ آئے یا حلقہ درس میں شریک افراد میں سے کوئی معمول سے زیادہ غائب رہے تو استاد اس کے بارے میں دریافت کرے، اس کے حالات سے باخبر ہو اور اس کے نہ آنے کا سبب معلوم کرے اور اگر اس کے بارے میں اطلاعات فراہم نہ ہو سکیں تو اس کی طرف کسی کو روانہ کرے یا خود بنفس نفیس اس سے ملنے جائے اور یہ امر افضل ہے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ جاری رکھتے تھے۔اگر غائب ہونے والا بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔اگر غمگین ہو تو اس کے غم کو ہلکا کرے یا اگر وہ سفر پر گیا ہوا ہو تو اس کے اہل خانہ کی خبر گیری رکھے اور اس سے جن لوگوں کا تعلق ہے ان کے احوال سے باخبر ہو۔ان کے ساتھ رابطہ رکھے۔ان کی حاجت روائی کرے اور امکان بھر ان سے ملتا جلتا رہے۔اگر وہ کسی شے کے ضرورت مند نہ ہوں پھر بھی ان سے مودّت اور دعا کا رشتہ قائم رکھے۔

اور اس میں سے یہ بھی ہے کہ استاد، طلبہ اور حاضرین مجلس کے نام، کنیت، القاب ان کے وطن اور حالات سے واقف ہو اور ان کے لئے کثرت سے دعا کرے۔

اور ایک مسلسل حدیث میں وارد ہوا ہے کہ نام، کنیت، شہر اور کہاں مقیم ہے اس کے بارے میں سوال کرنا کافی ہے۔(۲)

اور مناسب ہے کہ ان میں سے ہر ایک سے اس طرح مخاطب ہو بالخصوص جیسے فاضل جلیل۔اس کی

۱۔احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۱۵۳.

۲۔یعنی وہ حدیث جس کی سند اس طرح ہے''حدثنی شیخی فلان وسالنی عن اسمی و کنیتی وبلدی واین انزل''ملاحظہ کرو، احیاء علوم الدین، ج/۳۲۳.

کنیت اور پسندیدہ نام سے اسے یاد کرے اور اس طرح خطاب کرے جس میں اس کی تعظیم وتوقیر ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اپنے اصحاب کی تکریم کے سبب ان کی کنیت سے انھیں پکارتے تھے۔ اگر معلم ایسا کرے گا تو ان کے سینے کو کھول دے گا، ان کے سوالات کے جوابات شرح وبسط کے ساتھ فراہم کرے گا۔ ان کی محبت کو اپنی طرف جذب کرلے گا اور اس میں مزید اضافہ وہ معلم کرے گا جو طالب علم کی فلاح کا خواہاں ہوگا اور جو امور اس کے لئے مناسب اور درست ہیں انہیں ظاہر کرے گا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی اس وصیت کو عملی جامہ پہنائے گا:

''اِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ وَاِنَّ رِجَالًا يَاتُوْنَكُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ يَتَفَقَّهُوْنَ فِيْ الدِّيْنِ، فَاِذَا اَتَوْكُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَيْراً''(١)

''لوگ تمھارے پیروکار ہیں اور وہ حضرات مختلف جگہوں سے تمہارے پاس ''تفقہ فی الدین'' کے لئے آتے ہیں جب وہ تمھارے پاس آئیں تو انھیں بھلائی کی تلقین کرو۔''

بہرکیف عالم کی نسبت متعلم سے ایسی ہی جیسی طبیب کی مریض سے ہوتی ہے۔ پس ایسے امور انجام دینا چاہئے جن سے مریض کی شفایابی کو ممکن بنایا جاسکے۔ اس لئے کہ نفسانی جہالت کی بیماری، جسمانی بیماری سے زیادہ طاقت ور ہوتی ہے۔

۵) تعلیم میں سخاوت سے کام لینا

معلم نے جو علم حاصل کیا ہے اسے خرچ کرنے میں سخاوت سے کام لے۔ آسانی کے ساتھ طالبان علم تک اسے پہنچائے۔ طالبان علم کو فائدہ پہنچانے کے لئے، نرمی، نصیحت اور اہم امور کی جانب رہنمائی کے ساتھ ساتھ ان سے لطف وکرم کا برتاؤ کرے۔ طلبہ کو اس بات کا لالچ دلائے کہ وہ علم کی جس دولت سے آشنا کر رہا ہے اس کے نہایت عمدہ فوائد ہیں۔ معلم کو چاہئے کہ طلبہ کو جس علم کی ضرورت ہے یا وہ جس علم سے متعلق اس سے سوال کر رہے ہیں اگر طالب علم اس کا اہل ہو تو استاد اس علم سے دریغ نہ کرے۔

اور طلبہ جن علوم ومعارف کے اہل نہیں ہیں استاد کو چاہئے کہ انھیں طلبہ سے مخفی رکھے اس لئے کہ وہ معلومات ان کے ذہن کی پراگندگی اور حالت کی خرابی کا سبب بن جائیں گی۔ اگر طالب علم اس بارے میں استاد سے دریافت کرے تو استاد کو چاہئے کہ اسے آگاہ کردے کہ یہ علم اس کے لئے نقصان دہ ہے۔

....

١۔ کنز العمال، ج/١٠، ص/٢٤٦، حدیث/٢٩٣١٤.

استاد نے کنجوسی کی وجہ سے اس علم سے اسے محروم نہیں کیا ہے بلکہ یہ کام از راہ شفقت ولطف وکرم ہے۔ پھر اس کے بعد طالب علم کو محنت اور حصول علم کی رغبت دلائے تا کہ وہ اس علم کو حاصل کرنے کی اہلیت پیدا کرلے۔

اور لفظ ''ربانی'' کی تفسیر میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ:

''اَلَّذِیُ یُرَبِّیُ النَّاسَ بِصِغَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ کِبَارِہٖ''(۱)

''ربانی وہ ہے جو لوگوں کی تربیت بڑے علم سے پہلے چھوٹے علم کے ذریعہ کرتا ہے۔''

۶) شاگردوں کو واجب کی انجام دہی سے پہلے غیر واجب میں مشغول ہونے سے روکنا

استاد کا طالب علم کو اس بات سے روکنا کہ ضروری کاموں سے پہلے غیر ضروری کاموں میں مصروف نہ ہو جائے اور واجب عینی سے قبل واجب کفائی کو اختیار نہ کرے۔ اس پر یہ فرض عین ہے کہ اپنے قلب کی اصلاح کرے اور تقویٰ کے ذریعہ اپنے باطن کو پاک و پاکیزہ بنائے۔ لیکن استاد پر لازم ہے کہ پہلے اپنے نفس کا مواخذہ کرے تا کہ طالب علم پہلے مرحلہ میں اس کے اعمال کی اقتدا کرے۔ اس کے بعد اس کی باتوں سے استفادہ کرے۔ اسی طرح استاد طلبہ کو علوم میں عدم ترتیب سے روکے یعنی ان کی استعداد اور صلاحیت کے اعتبار سے علوم کی جانب ان کی رہنمائی کرے جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

۷) طلاب کو تعلیم دینے پر حریص ہونا

استاد کو چاہئے کہ طلبہ کو علم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار اور مستعد رہے۔ انھیں مطالب کے سمجھانے، مفاہیم سے آشنا کرنے اور ان کے اذہان وعقول کو علم سے قریب لانے کے لئے اپنی پوری توانائی صرف کرے اور اس کا خاص اہتمام کرے اور جب تک اس سے زیادہ ضروری اور اہم کام درپیش نہ ہو اس کام کو اپنی حاجتوں اور مصلحتوں پر ترجیح دے اور اپنی نصیحت بے دریغ ان پر خرچ کرے۔ ان میں سے ہر ایک کو اس کی فہم وفراست اور یادداشت کے مطابق سمجھائے اور سکھائے۔ پس جو طالب علم ممتاز اور ذہین ہو تو اسے اشارات وکنایات کے ذریعہ سمجھائے اور ان کے علاوہ دیگر طلبہ کے لئے وضاحت سے کام لے۔

۱۔ صحیح بخاری، ج/۲، ص/۳۱.

۸) طلب علم میں مشغول رہنے کی تشویق کرنا

استاد کو چاہئے کہ طلبہ کو آمادہ کرے کہ وہ ہر وقت مصروف رہیں اور ان سے مطالبہ کرے کہ کچھ وقت درس کو دہرانے کے لئے مخصوص کریں۔ استاد نے جو اہم مسائل اور مباحث ان سے بیان کئے ہیں ان کے بارے میں طلبہ سے سوال کرے۔ ان میں سے جن طلبہ کو دیکھے کہ انھوں نے درس کو یاد کیا ہے اور اس جانب توجہ مبذول کی ہے ان کی تکریم وتجلیل اور تعریف وتوصیف کرے اور اگر انھیں اپنے حال کی تباہی، خود پسندی اور غرور کا خطرہ نہ ہو تو اس بات کو علانیہ کہے۔ جس طالب علم کو دیکھے کہ اس نے کوتاہی کی ہے اسے تنہائی میں ڈانٹے ڈپٹے اور اگر مصلحت دیکھے تو مجمع عام میں بھی ان کی سرزنش کرے اس لئے کہ استاد کی مثال طبیب کی سی ہے۔ وہ دوا کا استعمال وہیں کرتا ہے جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے اور فائدہ پہنچاتی ہے۔

۹) دقیق مسائل بیان کرنا

استاد کو چاہئے کہ اپنے شاگردوں اور شرکاء کے سامنے دقیق مسائل اور عجیب نکات جو اس کی نظر میں سودمند ہوں، وہ پیش کرے اور اس طرح ان کی عقول کا امتحان لے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ فاضل کی فضیلت واضح ہو جائے گی نیز اس وسیلے سے ان کی مشق وتمرین میں اضافہ ہوگا اور فکر وفہم کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ امتحان میں ناکام ہو جانے والوں کی سرزنش نہ کرے مگر یہ کہ اگر مصلحت دیکھے تو اس بارے میں باز پرس کر سکتا ہے۔

ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لا یَسْقُطُ وَرَقُهَا اِنَّهَا مِثْلُ الْمُسْلِمِ حَدِّثُوْنِی مَا هِیَ؟ فَوَقَعَ النَّاسُ فِیْ شَجَرِ الْبَوَادِیْ ....ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَا هِیَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ هِیَ النَّخْلَةُ''(۱)

''درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور یہ مسلمان کی مانند ہے تم بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگوں نے صحرا کے درختوں کو دیکھنا شروع کیا پھر انھوں نے آنحضرتؐ سے کہا: یا رسول اللہ! آپ فرمائیے وہ کون سا درخت ہے؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔''

....

۱۔صحیح بخاری، ج/۲،ص/۱۲۔

اسی طرح جب وہ سبق کی تشریح سے فارغ ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ درس سے متعلق مسائل طلبہ کے سامنے پیش کرے اور جو کچھ انھیں سمجھایا تھا اسے دہرانے کے لئے کہے تاکہ وہ اس طرح ان کی ذہانت وفطانت اور جو کچھ تشریح کی تھی اس کو یاد رکھنے کا امتحان لے سکے۔ اگر درست جواب کے ذریعہ طالب علم کے فہم وفراست کا استحکام ظاہر ہو جائے تو اس بات پر اس کی تعریف کرے اور جس نے درس کو نہیں سمجھا ہے نرمی کے ساتھ اسے دوبارہ سمجھائے۔

استاد کے لئے مناسب ہے کہ طلبہ کو حکم دے کہ اجتماعی طور سے درس میں شریک ہوں اس لئے کہ اجتماعی درس کا فائدہ انفرادی درس سے حاصل نہیں ہوتا اور انھیں حکم دے کہ درس سے فارغ ہونے کے بعد آپس میں اس درس کو دہرائیں تاکہ وہ درس ان کے ذہن نشین ہو جائے۔

۱۰) بحث کے دوران شاگردوں کے ساتھ انصاف سے کام لینا

معلم پر لازم ہے کہ بحث کے دوران شاگردوں کے درمیان انصاف سے کام لے۔ ان میں سے اگر کوئی عمدہ بات کہتا ہے تو خواہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اس کی افادیت کا اعتراف کرے، اس لئے کہ انصاف، علم کی برکت کی وجہ سے ہے۔ اسلاف میں سے کسی نے کہا ہے:

''مِنْ بَرَكَةِ الْعِلْمِ وَآدَابِهِ الْاَنْصَافُ ،وَمَنْ لَمْ يُنْصِفْ لَمْ يُفْهِمْ وَلَمْ يَتَفَهَّمْ''

''علم کی برکت اور اس کے آداب میں سے انصاف کرنا ہے جس نے انصاف نہیں کیا، اس نے نہ سمجھا یا اور نہ ہی سمجھا۔''

استاد کو چاہئے کہ بحث اور تقریر کے دوران طالب علم کے ساتھ رہے اور جہاں سے سوال آرہا ہے اسے سنے خواہ کہنے والا کمسن ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے سننے سے اعراض نہ کرے۔

استاد پر لازم ہے کہ اگر کوئی طالب علم زیادہ علم حاصل کرتا ہے تو اس بنیاد پر ان میں سے کسی سے حسد نہ کرے بالخصوص اپنے بیٹے یا کسی اور کے مقابل میں۔ اس لئے کہ حسد کرنا حرام ہے اور اس سے حسد کیسے ہوگا جو بیٹے کی جگہ پر ہے اور اس کی فضیلت استاد کی جانب لوٹتی ہے اور اس میں معلم کا نہایت وافر حصہ ہے اس لئے کہ وہ اس کا مربی ہے اور اس کی تعلیم وتربیت کی وجہ سے اسے آخرت میں ثواب جزیل ملے گا اور وہ دنیا میں مسلسل دعا اور بہترین تعریف وتوصیف کا مستحق قرار پائے گا۔ ہم نے نہ دیکھا اور نہ ہی سنا کہ اساتذہ میں سے کسی نے اپنے بیٹے کو دوسرے طلبہ سے افضل قرار دیا ہو اور وہ لڑکا کامیاب ہوا ہو؛ اس لئے

کہ معاملہ خدا کے ہاتھ میں اور علم ﴿فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ (۱)
''اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تو بڑے فضل کا مالک ہے۔''

۱۱) طلاب میں بعض کو بعض پر برتری نہ دینا

طلبہ اگر صفات میں استاد کے مساوی ہوں۔ سن وسال، خوبیوں اور دینی اعتبار سے یکساں ہوں تو استاد پر لازم ہے کہ وہ طلبہ کے سامنے یہ ظاہر نہ ہونے دے کہ اس کے نزدیک بعض طالب علم دوسرے طالب علم سے افضل ہیں اسی لئے وہ ان کی طرف زیادہ توجہ دیتا ہے اور اسے ان سے زیادہ الفت ومودّت ہے۔ اس لئے یہ بات نفسانی اعتبار سے پریشان کن ہوگی اور دل کو متنفر بنادے گی۔ اب اگر ان میں سے کچھ طلبہ حصول علم کا زیادہ شوق رکھتے ہیں، بہت محنت کرتے ہیں، نہایت مودّب ہیں تو استاد کو چاہئے کہ ایسے طالب علم کی تکریم کو ملحوظ رکھے۔ ان کی افضلیت کو ظاہر کرے اور اس بات کو واضح کردے کہ ان طلبہ کی توقیر وتکریم کا سبب یہ ہے کہ وہ ان خوبیوں کے مالک ہیں اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے طلبہ زیادہ مستعد اور تعلیم کی جانب راغب رہیں گے اور یہ عمل دوسرے طلبہ کو اس امر پر ابھارے گا کہ وہ ان اضافی صفات اپنے اندر بھی پیدا کرلیں۔

۱۲) طلاب کو زیادہ روی سے روکنا

جب استاد یہ محسوس کرے کہ طالب علم نے حصول علم کی جو روش اختیار کی ہے وہ اس کی طاقت، استعداد، صلاحیتوں اور ذاتی تقاضوں سے بالاتر ہے اور اسی وجہ سے معلم یہ سمجھتا ہے کہ طالب علم درس سے متنفر نہ ہوجائے اور اس کی طبیعت اچاٹ نہ ہوجائے۔ لہٰذا ایسی صورت میں معلم پر لازم ہے کہ نہایت نرمی اور خندہ پیشانی سے اسے سمجھائے اور پیغمبر اکرم ﷺ کا یہ قول اسے سنائے:

''اِنَّ الْمُنبَتَ لا اَرَضاً قَطَعَ وَلا ظَهْراً اَبْقىٰ'' (۲)

اگر کسی نے اپنی سواری کو تھکا دیا ہے تو اس نے نہ تو مسافت طے کی ہے اور نہ ہی سواری کی حفاظت کی ہے۔

اسی طرح مثالیں بیان کرکے اسے سمجھائے اور اسے آمادہ کرے کہ وہ نرمی، میانہ روی اور اپنی جدوجہد میں اعتدال پیدا کرے۔

۱۔ سورۂ جمعہ/۴۔ ۲۔ الکافی، ج ۲، ص ۸۷۔

اگر استاد یہ محسوس کرے کہ طالب علم اپنی جدوجہد کے سبب اکتا گیا ہے یا تنگ دل ہو گیا ہے اور اسی قسم کی کسی پریشانی سے دوچار ہے تو اسے حکم دے کہ وہ استراحت کرے۔ اپنے مشاغل کم کر دے اور اسے سختی سے منع کرے کہ وہ ایسا علم حاصل نہ کرے اور ایسی کتاب نہ پڑھے جو اس کے فہم سے بالاتر ہو یا اس کی عمر اس کی متقاضی نہ ہو۔

اگر کوئی طالب علم کسی علم کے حصول کے لئے استاد سے مشورہ کرے اور استاد اس کی قوت ادراک اور حافظے سے نا آشنا ہو تو استاد کو چاہئے کہ اس وقت تک مشورہ نہ دے جب تک وہ اس کے ذہن کو آزما نہ لے اور اس کی حالت سے واقفیت حاصل نہ کر لے۔

۱۳) جن علوم سے ناواقف ہے طلاب کی سامنے ان کی برائی نہ کرنا

اگر معلم کسی خاص فن میں ماہر ہو تو اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ طالب علم کے سامنے دوسرے علوم وفنون کی برائیاں اور خرابیاں بیان کرے جیسا کہ اکثر جاہل معلمین کی عادت ہے ''اس لئے کہ انسان اس چیز کا دشمن ہوتا ہے جس کا اسے علم نہیں ہوتا۔''

اسی طرح استاد کو چاہئے کہ جو طریقۂ تعلیم اس کے قبضے میں نہیں ہے اس سے بھی طالب علم کو آشنا کرے۔ اگر یہ محسوس کرے کہ اس کے پاس دوسروں کے مقابل میں کم درجہ علم ہے تو اسے چاہئے کہ طالب علم کو اس علم کے ماہر کے پاس بھیج دے۔ اس طرح کی رہنمائی مسلمانوں کی نصیحت، علم اور دین کی حفاظت کے لئے ضروری اور لازمی ہے اور یہ معلم کے کمال کی مکمل دلیل ہے اور طالب علم کے لئے صالح ملکہ پیدا کرنے کا باعث ہے۔

۱۴) اگر شاگرد کسی دوسرے استاد سے سبق لے تو ناراض نہ ہونا

یہ بات سب سے اہم ہے کہ جو طالب علم کسی معلم کے پاس پڑھتا ہے اگر وہ کسی اور معلم سے بھی درس حاصل کرتا ہے کسی ایسی مصلحت کے تحت جسے وہ طالب علم اچھی طرح جانتا ہے تو معلم طالب علم کی اس بات سے غمگین اور رنجیدہ نہ ہو۔ یہ ایک ایسی مصیبت ہے جس میں اکثر جلیل اساتذہ مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ بھی اس میں مبتلا ہوتے ہیں جن کی نیت میں فساد اور ذہن میں فتور ہوتا ہے اور مقصد للٰہیت نہیں ہوتا اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تعلیم سے ان کا مقصد نہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی تھی اور نہ ہی ثواب کا حصول تھا۔ درحقیقت معلم ایک ایسا بندہ ہے جسے دوسرے بندوں تک آقا کے پیغام کو پہنچانے پر مامور کیا گیا

ہے۔ پس اگر آقا کسی دوسرے غلام کو پیغام کی ادائیگی کے لئے بھیج دے تو پہلے کو ناراحت نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ اس بات سے آقا کے نزدیک اس کی منزلت کم نہ ہوگی بلکہ اس کی قدر و منزلت میں مزید اضافہ ہوگا جب آقا یہ دیکھے گا کہ یہ دونوں آقا کے حکم کو تسلیم کر رہے ہیں۔

یہ اس وقت ممکن ہوگا جب دوسرا معلم اہل ہو، لیکن اگر وہ جاہل یا فاسق یا بدعتی یا غلطیوں کا پتلہ ہو اور وہ طالب علم کو ایسی خراب صفات و عادات سے آشنا کرے جسے اس کے سابقہ حاصل کردہ علم پر کسی طرح ترجیح نہ دی جا سکے تو ایسی صورت میں صحیح اور کامیاب مقصد کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسی چیزوں سے دھوکا کھانے سے بچنا بہتر ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ﴾(۱)

''اور اللہ خوب جانتا ہے کہ خرابی کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون ہے۔''

۱۵) باصلاحیت طالب علم کو تدریس کا موقع دینا

جب طالب علم، اپنے علم کو پایۂ تکمیل تک پہنچادے اور تعلیم دینے کا اہل ہو جائے اور تعلیم حاصل کرنے سے بے نیاز ہو جائے تو استاد پر یہ لازم ہے کہ اس کا نظام کار معین کرے، محافل اور اجتماعات میں اس کی تعریف و توصیف کرے۔ لوگوں کو حکم دے کہ اسے مصروف رکھیں۔ اس سے علم حاصل کریں اس لئے کہ جاہل اس کی حالت سے مانوس نہیں ہوگا اور اطمینان حاصل نہیں کرے گا جب تک معلم تعلیم کے درپے نہ ہو اور جس کے احوال کا علم ہے اس بارے میں رہنمائی نہ کرے۔ استاد کو چاہئے کہ طالب علم کے مفصل حالات سے اپنی معلومات کے مطابق لوگوں کو آگاہ کرے اور اس کے تقویٰ، عدالت وغیرہ سے بھی لوگوں کو مطلع کرے، اسی طرح ان باتوں سے بھی باخبر کرے کہ لوگوں کو اس سے علم حاصل کرتے وقت کن امور سے واسطہ پڑے گا۔ انتظام علم اور حالات کی درستی کے لئے یہ سبب عظیم ہے۔

اسی طرح اگر استاد اس کی جانب سے آزادی کے ساتھ تدریس کی جانب میلان دیکھے اور یہ محسوس کرے کہ وہ اس درجہ اور مرتبہ سے کم استعداد رکھتا ہے اور اسے مزید علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے تو استاد پر لازم ہے کہ طالب علم کو تدریس سے باز رکھے اور اس پیشہ کو اس کے لئے مناسب نہ جانے اور تنہائی میں اس عمل سے شدت کے ساتھ منع کرے۔ اگر استاد اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو تو علانیہ طور

۱۔ سورۂ بقرہ/ ۲۲۰.

سے اسے روکے تا کہ وہ صحیح مقصد تک رسائی حاصل کر لے۔ اپنے کام پر واپس جائے اور کمال تک پہنچنے کے لائق ہو سکے۔

اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ استاد، شاگرد کے لئے ایسا ہی ہے جیسا طبیب، مریض کے لئے ہوتا ہے، طبیب ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ بیماری اور مرض کی تشخیص کر لے تا کہ اس کا علاج کر سکے اور اس مریض کو جیسی دواؤں کی ضرورت ہے انھیں مہیا کی جائیں اور حالات کی تفصیل احاطۂ تحریر میں نہیں آ سکتی ہے بلکہ استاد اپنی ذہانت سے اس مسئلہ کو حل کرے گا وہ ہر مقام کی مناسبت سے جو مناسب جانے گا، اقدام کرے گا اور ہر بیماری کا کامیاب علاج اور دوائے شافی مہیا کرے گا اور اللہ معین و مددگار رہے۔

دوران درس، معلم کے آداب

یہ آداب مندرجہ ذیل ہیں:

۱) تدریس کے لئے وقار وسکینہ کے ساتھ گھر سے نکلنا

جب استاد درس دینے کے لئے روانہ ہو تو نہایت آمادگی اور تیاری کے ساتھ ہو۔ اس کا لباس پر وقار ہو، کپڑے اور جسم نظیف ہوں۔ اس کے لئے سفید پوشاک زیب تن کرنا باعث فضیلت ہے۔ وہ لباس فاخرہ کی جانب توجہ مبذول نہ کرے۔ بلکہ ایسا لباس ہو جو باوقار ہو اور دل جس کی جانب مائل ہو جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نماز عیدین اور نماز جمعہ کے ائمہ جماعت کو کیسا لباس پہننا چاہئے اور کتاب الکافی میں ''بَابُ التَّجَمُّلِ وَالزِّی'' میں اس بارے میں صحیح روایات بیان کی گئی ہیں اور ایسا لباس پہننے کی غرض علم کی عظمت اجاگر کرنا اور شریعت کو محترم بنائے رکھنا ہے۔ استاد کو چاہئے کہ وہ خوشبو لگائے، داڑھی میں کنگھی کرے اور ہر عیب لگانے والی شے کو زائل کرے۔ گذشتہ علماء کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی ان سے حدیث کا علم حاصل کرنے آتا تھا تو وہ غسل کرتے، خوشبو لگاتے، نیا لباس زیب تن کرتے، سر پر عمامہ رکھتے پھر اپنے تخت پر جلوہ افروز ہوتے اور عود کی دھونی دی جاتی یہاں تک کہ وہ درس سے فارغ ہو جاتے اور فرماتے: ''اُحِبُّ اَنْ اُعَظِّمَ حَدِيثَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهَ وَ آلِهِ وَ سَلَّم.''

''میں یہ چاہتا ہوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی عظمت کو قائم رکھوں۔''

۲) تدریس پر جاتے وقت ماثور دعا پڑھنا

درس کے ارادے سے گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے:

''اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُ بِکَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضِلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزِلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَ لا اِلٰہَ غَیْرُکَ '' اس کے بعد کہے ''بِسْمِ اللّٰہِ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ وَ لا حَوْلَ وَ لا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ جَنَانِی وَ اَدِرِ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِی''

''یااللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں کسی کو گمراہ کروں یا مجھے کوئی گمراہ کرے یا یہ کہ میں پھسل جاؤں یا مجھے پھسلایا جائے یا میں ظلم ڈھاؤں یا مجھ پر ظلم ڈھایا جائے یا یہ کہ میں جہالت دکھاؤں یا میرے خلاف جہالت کا مظاہرہ کیا جائے۔'' تیرا پناہ لینے والا معزز ہے۔'' اور تیری توصیف جلیل القدر ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے ـــــ اللہ کے نام سے آغاز ہے، میرا خدا کافی ہے میں نے خدا پر توکل کیا ہے۔ کوئی طاقت وقوت نہیں سوائے اللہ کے جو بلند اور باعظمت ہے۔ اے اللہ! میرے دل کو پائیدار رکھ اور میری زبان پر حق کو جاری فرما'' اور جب تک بزم میں پہنچے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے۔

۳) کلاس میں حاضر افراد کو سلام کرنا

جب کلاس میں پہنچے تو جملہ حاضرین کو سلام کرے اور اگر وہ مسجد ہو تو دو رکعت تحیہ مسجد کی نماز پڑھے ورنہ یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور اس کام کی اہلیت رکھنے کی بنیاد پر دو رکعت نماز پڑھتا ہوں۔ یا نماز حاجت پڑھے، راست روی، تایید ایزدی، غلطیوں سے محفوظ رہنے کے لئے یا مطلق طور پر نماز ادا کرے کیوں کہ ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرُ مَوْضُوْعٍ'' ''نماز بہترین عمل ہے۔'' لیکن خصوصی طور سے اس عمل کے لئے اس کا مستحب ہونا ثابت نہیں ہے۔ اگر چہ بعض علماء نے اسے مستحب قرار دیا ہے۔ اس کے بعد توفیق خدا، اعانت اور حفاظت کی دعا کرے۔

۴) سکون واطمینان کے ساتھ بیٹھنا

استاد کو چاہئے کہ نہایت اطمینان، وقار، تواضع اور خشوع کے ساتھ نگاہ نیچی کئے ہوئے پیروں کو موڑ کر ایڑیوں کے بل بیٹھے۔ چار زانو ہو کر کولھے کے بل نہ بیٹھے اور نہ ہی اپنی پسند سے ایسی نشست اختیار کرے جو شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔(۱) اور بغیر کسی عذر کے اپنے دونوں پاؤں اور نہ ہی کوئی ایک پاؤں پھیلائے اور درس کے دوران نہ تو پہلو کی طرف سے ٹیک لگائے اور نہ ہی پیٹھ کے پیچھے کوئی تکیہ لگائے اور اسی طرح

ا۔ بحار الانوار ط بیروت، ج/۲/۷، ص/۴۶۹.

کوئی اور کام نہ کرے۔لیکن اگر درس نہ ہو رہا ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ طالب علم اولاد کے مانند ہوتے ہیں۔

۵) قبلہ رخ بیٹھنا

کہا گیا ہے کہ قبلہ رو ہو کر بیٹھے اس لئے کہ یہ باعث شرف ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''خَیْرُ الْمَجَالِسِ مَا اسْتُقْبِلَ بِهِ الْقِبْلَةُ''(۱)''بہترین نشست وہ ہیں جن میں قبلہ رو ہو کے بیٹھا جائے۔'' اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ استاد کا قبلہ کی طرف پشت کرنا بہتر ہے تا کہ طلبہ کا رخ قبلہ کی جانب رہے اس لئے کہ ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔

۶) تعلیم علم اور تبلیغ احکام کی نیت کرنا

درس کا آغاز کرنے سے قبل بلکہ گھر سے نکلتے وقت یہ نیت کرے کہ وہ علم سکھانے، اس کی اشاعت کرنے، شریعت کے فائدوں کو پھیلانے اور دینی احکام کی تبلیغ کے لئے روانہ ہو رہا ہے جو بطور امانت اس کے سپرد کی گئی ہے اور جس کے بیان کرنے کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ استاد کو چاہئے کہ مباحثہ کے ذریعہ اپنے علم میں اضافہ کرتا رہے، درست باتوں اور حق کی جانب واپسی کا اظہار کرے۔ وہ طلبہ اور متعلمین کے اجتماع میں ذکر خدا کرتا رہے اور علماء گذشتہ اور سلف صالحین کے لئے دعا کرتا رہے اور ان کے علاوہ جو مقاصد ہوں انھیں سامنے لائے۔ وہ ان اہداف کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے کئی گنا ثواب کا مستحق ہوگا اس لئے کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے جود وکرم سے ہمارے اعمال کی اصلاح کرے۔ ہمارے اقوال کو درست راہ پر چلائے اور ہمارے باطن اور مقاصد کو اپنے فضل وکرم سے خالص اپنے لئے قرار دے۔

۷) پڑھاتے وقت ایک خاص حالت کی رعایت کرنا

بقدر امکان یہ کوشش کرے کہ ایک جہت میں براجمان ہوتا کہ وہ اپنے جسم کو پیش قدمی اور بے جگہ ہونے اور اضطراب و بے چینی سے محفوظ رکھے۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو موڑنے اور انگلیوں کو باہم الجھانے سے بچائے اور اپنی آنکھوں کو بلاضرورت ادھر ادھر نہ گھمائے۔

....

۱۔المبسوط، ج/ ۸،ص/۹۰.

زیادہ مذاق کرنے اور ہنسنے سے بچتا رہے کیونکہ اس سے ہیبت میں کمی واقع ہوتی ہے اور احترام باقی نہیں رہتا، حیا جاتی رہتی ہے اور دلوں سے عزت واحترام کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ اگر مزاح کم کیا جائے تو یہ پسندیدہ عمل ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۱) اوران کے بعد تشریف لانے والے ائمہ کرام علیہم السلام کا عمل تھا۔ (۲)

اور ہنسنا بھی اسی ضمن میں آتا ہے آنخضرت اس طرح ہنستے تھے کہ آپ کی ڈاڑھ نظر آتی تھی۔ لیکن کبھی بھی آپؐ کی ہنسی کی آواز باہر نہیں آتی تھی اور متوسط طریقے سے مسکراتے تھے۔ (۳)

۸) ایسی جگہ بیٹھنا جہاں سے سب دیکھیں

استاد ایسی جگہ بیٹھے جہاں سے تمام حاضرین کو اس کا چہرہ نظر آئے اور خطاب کرتے وقت وہ ان کی جانب خصوصی طور سے توجہ دے سکے، نظریں گھما سکے اور وہ جس سے گفتگو کر رہا ہو یا سوال کر رہا ہو یا کسی بارے میں بحث کر رہا ہو اس کی جانب خصوصی التفات اور توجہ مبذول کر سکے خواہ وہ طالب علم عمر میں چھوٹا ہو یا کم حیثیت کا مالک ہو۔

۹) ہمنشینوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنا

شرکائے بزم سے استاد کا اخلاق دوسرے افراد کی بہ نسبت زیادہ اچھا ہونا چاہئے۔ ان میں جو علم یا عمر یا تقویٰ اور شرف کی حیثیت سے دوسروں سے برتر ہو تو استاد پر لازم ہے کہ ان کی توقیر کرے۔ جس طرح نماز جماعت کی امامت میں انھیں مقدم رکھا جاتا ہے اسی ترتیب سے نشستوں میں ان کی رفعت ومنزلت کو قائم رکھے اور کلاس میں دوسرے شرکاء سے مہربانی کا برتاؤ کرے۔ ان کی تکریم روا رکھے۔ استاد کو بہترین سلام، خندہ پیشانی، مسکراہٹ اور بشاشت کے ساتھ ان کے احترام کے لئے کھڑا ہونا چاہئے اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ اگرچہ بعض روایات اس گمان کا سبب بنی ہیں۔ (۴)

۱۔ مکارم الاخلاق، ص/۲۱.
۲۔ شرح ابن الحدید نہج البلاغہ، ح/۱، ص/۲۵
۳۔ مکارم الاخلاق، ص/۲۱.
۴۔ جیسا کہ سنن ابی داؤد، ج/۴، ص/۳۸۵ میں ابی امامہ سے مروی ہے "خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُتَوَكِّئاً عَلىٰ عَصاًفَقُمْنَااِلَيْهِ فَقَالُ لَا تَقُوْمُوْا كَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهُمْ بَعْضاً"

۱۰) پڑھانے سے پہلے قرآن مجید کی چند آیات کی تلاوت کرنا

درس وتدریس کے آغاز سے قبل برکت حاصل کرنے کے لئے قرآن کریم کی کچھ آیتوں کی تلاوت کرے۔بعض علماء سورہ الاعلیٰ کی تلاوت کو معمول بناتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اس سورہ میں لفظ''اَعْلیٰ''''قَدَّرَ فَھَدٰی''وَ''سَنُقْرِءُ کَ فَلَا تَنْسٰی''''فَذَکِّرْ''اوراللہ تعالیٰ کا قول''صُحُفِ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسیٰ''،تعلیم کے مقصد زیادہ قریب اورفال نیک ہے۔تلاوت کے بعد اپنے لئے حاضرین مجلس کے لئے اورتمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے۔اس کے بعد''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم''کہےاس کے بعد''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم''اورپھر''اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ''اوراس کے بعد''وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ وَاَصْحَابِہِ الْمُنْتَجَبِیْنَ''کہے۔اس کے بعد علماءگزشتہ اورسلف صالحین اورخاص طور سے اساتذہ کرام،اپنے والدین اورحاضرین کے لئے دعا کرے اورکسی مدرسہ یا عمارت میں ہوتو وقف کرنے والے کے حق میں دعا کرے۔اگر چہ اس بارے میں کوئی خاص حدیث واردنہیں ہوئی ہےلیکن اس میں خیرعظیم اور برکت ہےاور یہ ایسی جگہ ہے جہاں دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اوراس میں ماسبق علماءکی اقتدا بھی ہے وہ حضرات اس امرکومحبوب اور پسندیدہ قرار دیتے تھے۔

۱۱) سبق کوسمجھانے کے لئے سب سے آسان طریقہ اپنانا

استادکو چاہئے کہ درس کی تفہیم کے لئے آسان راستوں کا انتخاب کرےاوراس کے الفاظ دل نشین اور شیریں ہوں،آسان ہوں،واضح ہوں،قابل فہم ہوں۔جن مطالب کومقدم ہونا چاہئے انھیں پہلے بیان کرےاورجنھیں موخررکھنا ہےانھیں بعد میں بیان کرے۔مقدمات کوترتیب سے بیان کرےجن پرفکری تحقیق کا دارومدار ہے۔جہاں ٹھہرنا مناسب ہووہاں پرتوقف کرےاور جہاں عبارت مربوط ہونی چاہئے وہاں تسلسل کے ساتھ بیان کرے۔حاضرین کی ضرورت کےتحت جن الفاظ ومعانی کی تفہیم میں دشواری ہوانھیں دوبارہ بیان کرے۔جب مسئلہ کی وضاحت کر چکےتو تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوجائے تاکہ اگرکسی کے ذہن میں اس مسئلہ کے بارے میں کوئی بات ہوتو وہ بیان کرسکے۔

اگر دینی امور کے بارے میں کوئی اعتراض ہوتو ایسا نہ کرے کہ ایک نشست میں شبہات بیان کرے اوراس کے جواب کودوسری نشست کے لئے اٹھا رکھے،بلکہ دونوں کوایک ساتھ بیان کرے یا دونوں کو بعد

میں بیان کرے بالخصوص اس وقت جب درس میں خاص وعام سب شریک ہوں اس لئے کہ احتمال ہے کہ کوئی شریک جلسہ دوبارہ اس جگہ نہ آئے اور شبہہ واعتراض اس کے ذہن میں رہ جائے اور اس کا جواب اسے نہ مل سکے اور اس طرح یہ مسئلہ فتنہ کا سبب بن جائے۔

۱۲) زیادہ اہم کو مقدم کرنا

اگر معلم کے ذمے مختلف دروس ہوں تو اسے چاہئے کہ ان میں سے پہلے اشرف اور اہم کا انتخاب کرے اور بالتدریج انھیں طالب علموں کو پڑھائے۔ ترتیب اس طرح ہونی چاہئے کہ پہلے اصول دین پھر تفسیر پھر حدیث پھر اصول فقہ پھر نحو پھر معانی۔ اسی طرح دوسرے علوم بھی ترتیب اور ضرورت کے اعتبار سے پڑھائے جائیں۔ ہم ان شاء اللہ ایک مخصوص باب کے ذیل میں اس ترتیب اور تدریج کی وضاحت کریں گے۔

۱۳) سبق کو زیادہ طولانی نہ کرنا

استاد کو چاہئے کہ اپنے درس کو اتنا طویل نہ بنائے کہ طلبہ اکتا جائیں اور ان کے لئے سبق کا سمجھنا اور یاد رکھنا مشکل ہو جائے۔ اس لئے کہ درس کا مقصد فائدہ پہنچانا اور سمجھانا ہے اور درس کے طولانی ہونے کی وجہ سے یہ مقصود فوت ہو جائے گا۔ اور نہ ہی درس اتنا مختصر ہو کہ اس کے بعض بیانات نامکمل رہ جائیں اور ان کا سمجھنا اور یاد رکھنا ممکن نہ رہے تو اس طرح بھی مقصود حاصل نہ ہوگا۔

۱۴) فکر کو پراکندہ اور پریشان کرنے والا سبق نہ دینا

اگر معلم کسی پریشانی، بے چینی اور فکری اضطراب سے دوچار ہو تو اسے درس نہیں دینا چاہیے جیسے بیمار ہو یا بھوکا ہو یا پیاسا ہو یا رفع حاجت کے لئے نہ جا سکتا ہو، خوشی کی انتہا ہو یا غم کی شدت یا غضب ناک ہو یا اونگھ آ رہی ہو یا اضطراب ہو یا سردی لگ رہی ہو یا گرمی لگ رہی ہو جو باعث اذیت ہوں۔ یہ وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے معلم بحث و بیان کو کما حقہ بیان کرنے سے قاصر رہے گا اور مطلوب حاصل نہ ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ فتویٰ دیتے وقت ان عوارض کی وجہ سے فتویٰ نہ دے سکے۔

۱۵) حاضرین کو تکلیف دینے والی کوئی چیز کلاس میں نہ ہو

مجلس درس میں ایسی کوئی چیز نہ ہو جو حاضرین کی اذیت کا باعث ہو جیسے دھنواں یا غبار یا چیخ پکار یا

دھوپ جو شدید گرمی کا سبب بنے یا اسی قسم کی کوئی دوسری چیز جو مطلوب تک رسائی میں رکاوٹ بنے، بلکہ سامعین اور حاضرین ہر اس بات سے محفوظ رہیں جو فکر کی پراگندگی اور دل کی پریشانی کا موجب ہوتا کہ تدریس کے مقصد کو کما حقہ حاصل کیا جاسکے۔

۱۶) سبق دیتے وقت طلاب کی مصلحت کا خیال رکھنا

استاد کو چاہئے کہ کلاس کے وقت کو آگے پیچھے کرنے میں طلبہ کی مصلحت کو مدنظر رکھے۔اگر معلم کو اس وقت کوئی اور ضروری کام درپیش نہ ہو اور مزید تکلیف کا باعث بھی نہ ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ معلم کے لئے جو مطالعہ اور تصنیف و تالیف کے لئے موزوں وقت ہے وہ تدریس کے وقت سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے لہٰذا ایسے وقت میں درس نہ رکھا جائے۔

۱۷) آواز میں میانہ روی کا خیال رکھنا

استاد کو چاہئے کہ دوران درس اپنی آواز کو ضرورت سے زیادہ بلند نہ کرے اور نہ ہی اپنی آواز کو اتنا پست رکھے کہ کچھ لوگ مطالب کو اچھی طرح سمجھنے سے قاصر رہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے:''اِنَّ اللّٰـهَ يُحِبُّ الصَّوتَ الْخَفِيضَ وَ يُبْغِضُ الصَّوتَ الرَّفِيعَ''(۱)

''بے شک اللہ دھیمی آواز کو پسند فرماتا ہے اور اونچی آواز کو ناپسند کرتا ہے۔''

۱۸) کلاس کو سوءادب سے محفوظ رکھنا

استاد کو چاہئے کہ مجلس درس کو شور و غل سے محفوظ رکھے اس لئے کہ غلطیاں شور و غل کے تحت ہوتی ہیں۔ آواز بلند ہونے، مباحثہ میں بے ادبی اور گستاخی کئے جانے، بحث و مباحثہ کا رخ تبدیل ہو جانے، ایک مسئلہ کی تکمیل سے قبل دوسرے مسئلہ کی طرف پلٹ جانے سے محفوظ رکھے۔اگر کسی بحث کرنے والے سے ایسی باتیں ظاہر ہونا شروع ہوں تو ان کے پھیلنے سے پہلے اور لوگوں کے غیظ و غضب میں آنے سے پہلے ہی نہایت نرمی کے ساتھ اس معاملہ کو رفع دفع کردے۔تمام حاضرین سے مخاطب ہو کر انھیں یاد دلائے کہ ان باتوں کا پھیلانا کس قدر قبیح ہے اور یہ باتیں دشمنی، بغض و حسد کا سبب ہیں جو فکری انتشار کو جنم دیتی ہیں اور ان کی وجہ سے دین رخصت ہو جاتا ہے۔ واجب و ضروری ہے کہ یہ اجتماع خالصةً لوجہ اللہ ہو تا کہ

۱۔کنز العمال، ج/۳،ص/۵۶۹.

اس کے ذریعہ دنیاوی فوائد کے ساتھ ساتھ اخروی سعادت بھی حاصل ہو جائے۔

۱۹) بے ادبی کرنے والے کی سرزنش کرنا

اگر استاد یہ محسوس کرے کہ کوئی طالب علم بحث کے دوران حد سے تجاوز کر رہا ہے یا وہ کسی سے جھگڑا کر رہا ہے یا اس کا اخلاق برا ہے یا حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد بھی وہ انصاف سے کام نہیں لے رہا ہے یا بلا وجہ شور وغوغا کر رہا ہے، حاضرین یا غائبین کے بارے میں گستاخی کر رہا ہے یا وہاں موجود اپنے سے برتر شخص پر اپنی بڑائی چاہ رہا ہے یا محوخواب ہے یا دوران درس کسی دوسرے سے بات کر رہا ہے جو کسی طور سے مناسب نہیں یا ہنس رہا ہے یا کسی کا مذاق اڑا رہا ہے یا کوئی ایسا کام انجام دے رہا جس کی وجہ سے حلقہ درس میں شریک طلبہ کے اخلاق میں خلل واقع ہو رہا تو ان سب باتوں پر ایسے طالب علم کی سختی سے سرزنش کرے اور اگر ان امور کو درست نہیں کیا گیا تو فساد کا باعث ہوگا۔

۲۰) طلاب سے نرمی سے پیش آنا

استاد پر لازم ہے کہ طلبہ سے گفتگو کرتے اور ان کے سوالات کو سنتے وقت نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آئے۔ پس اگر سوال کرنے والا اعتراض کو پیش کرنے یا حیا یا علم کی کمی کی وجہ سے اس بارے میں کچھ تحریر کرنے سے عاجز ہو اور صرف مفہوم بیان کر رہا ہو تو معلم کو چاہئے کہ سب سے پہلے اس کے مقصود کو واضح کرے اور اعتراض کے سبب کی وضاحت کرے اور اپنے علم کے مطابق اس کا جواب دے۔ اگر طالب علم کا مقصود غلط ثابت ہو جائے تو معلم اس سے احتمالات کے بارے میں سوال کرے اور اس سے کہے: ''کیا اس بات سے تمھاری مراد یہ تھی''۔ اگر طالب علم ہاں کہے تو پھر اس اعتراض کا جواب دے ورنہ دوسرے احتمالات بیان کرے۔ اور اگر طالب علم کوئی پھسپھسا سا سوال کرے تو استاد اس کی ہنسی نہ اڑائے اور نہ ہی سوال کرنے والے کی تحقیر کرے۔ یہ ایسا امر ہے جس کی کوئی تدبیر نہیں اور یاد کرے کہ سب کا یہی حال تھا جب انھوں نے علم حاصل کیا تو یہ باتیں سمجھ میں آنے لگیں۔

۲۱) اس کے پاس آنے والے اجنبی سے محبت سے پیش آنا

اگر کوئی مسافر استاد کے پاس حاضر ہو تو اس سے ادب کے ساتھ پیش آئے اور خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرے تا کہ اس کا سینہ کشادہ ہو جائے اس لئے کہ آنے والا سہما ہوا، دہشت زدہ ہوگا بالخصوص اگر علماء کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہو اور اس کی طرف اجنبیت کے ساتھ نظر نہ کرے کیونکہ یہ عمل اس کے لئے

خجالت کا باعث ہوگا اور اسے سوال کرنے سے روک دے گا اور اگر وہ باصلاحیت ہے تو اس کے باوجود بھی بحث میں حصہ لینے سے گریز کرے گا۔

۲۲) دوران درس آنے والے عالم کے احترام کا خیال رکھنا

اگر کوئی عالم اور دانش مند جلسۂ درس میں آجائے اور معلم اگر درس کا آغاز کر چکا ہو تو فوراً درس کو روک کر اس کے بیٹھنے کا انتظار کرے اور اگر وہ درس کے دوران آئے جب درس کا آغار ہو چکا ہو تو اس کے لئے درس کو دہرائے یا مقصد درس کی وضاحت کرے اور اگر وہ عالم اس وقت آئے جب درس اختتام کے قریب ہو اور جماعت قیام کے لئے تیار ہو کہ اس کے پہنچتے ہی روانہ ہو جائے گی تو معلم کو چاہئے کہ باقی بچے ہوئے درس کو موخر کر دے اور اس کے بیٹھنے تک کسی دوسری گفتگو میں مصروف ہو جائے پھر وہ درس کا اعادہ کرے یا باقی ماندہ درس کو تکمیل تک پہنچائے تا کہ آنے والا بیٹھنے کے بعد حاضرین جلسہ کے کھڑے ہو جانے پر شرمندہ نہ ہو۔

۲۳) جس چیز کے بارے میں نہیں جانتا اگر سوال کیا جائے تو ''نہیں جانتا'' کہنا

آداب درس میں سب سے ایک اہم بات یہ ہے کہ اگر استاد سے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے جو اس کے علم میں نہ ہو یا درس میں ایسی بات پیش آجائے جس سے وہ لاعلم ہو تو استاد پر لازم ہے کہ وہ ''مجھے یہ بات معلوم نہیں'' یا ''مجھ پر یہ بات واضح نہیں'' یا ''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے'' یا ''میں اس بارے میں دوبارہ غور کروں گا''۔ ''اس نے اس بات کا احاطہ نہیں کیا ہے۔'' عالم جس بات کو نہیں جانتا ہے اس کے علم کا تقاضا ہے کہ وہ یہ کہے: ''میں نہیں جانتا۔ اللہ اس بات سے زیادہ باخبر ہے۔''

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اِذَا سُئِلْتُمْ عَمَّا لا تَعْلَمُوْنَ فَاهْرَبُوا قَالُوا: وَكَيْفَ الْهَرَبُ؟ قَالَ: تَقُولُونَ: اَللّٰهُ اَعْلَمُ.

''اگر تم سے وہ بات دریافت کی جائے جو تمھارے علم میں نہیں ہے تو تم اس سے راہ فرار اختیار کر لو دریافت کیا گیا کہ راہ فرار کس طرح اختیار کی جائے؟ فرمایا: تم کہو: واللہ اعلم۔''(۱)

ایک دانش مند کا قول ہے: ''**يَـنـبَـغِي لِلْعَالِمِ اَن يُوَرِّثَ اَصْحَابَهُ لا اَدْرِي**'' عالم کے لئے یہ بات مناسب ہے کہ اپنے اصحاب کو ''لا ادری'' کا وارث بنائے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ جملہ کثرت سے کہے

۱۔ سنن دارمی، ج/۱، ص/۶۳.

تا کہ انھیں یہ جملہ کہنے میں آسانی ہواور وہ اس کے عادی بن جائیں اورضرورت کے وقت اسے استعمال کریں۔ یہ بات جان لو کہ عالم کا ''میں نہیں جانتا'' کہنا اس کی منزلت کوکم نہیں کرتا بلکہ اسے بڑھاتا اور رفعت عطا کرتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت کو دوبالا کرتا ہے۔ یہ اس عالم پرفضل وکرم خداوندی ہے کیونکہ اس نے حق کوتھامے رکھاہےاوراس کا دامن نہیں چھوڑا ہے۔

''لا ادری'' وہ نہیں کہتا ہے جس کے پاس علم کم ہوتا ہےاورتقویٰ اوردین کی کمی ہوتی ہےاس لئے کہ وہ اپنی کم علمی کے سبب ڈرتا ہے کہ ایسا کہنے سے لوگوں کی نگاہوں سے گر جائے گا جبکہ یہ سوچنا بھی ایک طرح کی جہالت ہے۔

۲۴) غلط فہمی کی طرف متوجہ کرانے میں جلدی کرنا

استاد نے اگرکوئی تقریر کی ہو یا کسی سوال کا جواب دیا ہواوراس کی درستی کے بارے میں اسے شک ہوتو اس پر لازم ہے کہ حاضرین کے جانے سے پہلے اس کے فاسد اور غلط ہونے پر انھیں مطلع کرے اوراس بارے میں کسی قسم کی شرم وحیا محسوس نہ کرے یا کسی اور بات کے سبب اس عمل سے باز نہ رہےاوراس کا نفس امارہ جو برائی پر ابھارتا ہے کہیں اسے اس امرکو موخر کرنے اورکسی دوسرے موقع پر اٹھار کھنے کے لئے مجبور نہ کرے۔اس لئے کہ یہ نفس کا دھوکا اور ابلیس لعنۃ اللہ علیہ کی تلبیس (شبہہ میں مبتلا کرنا،اخفائے حقیقت کرنا) ہےاورکئی اعتبارات سےاس میں بہت زیادہ نقصانات پوشیدہ ہیں۔

۲۵) سبق ختم ہونے کی طرف متوجہ کرنا

معلم کو چاہئے کہ جب درس سے فارغ ہورہا ہو یا فارغ ہونے کا ارادہ کررہا ہوتو طالب علم اورحاضرین کواس طرح متوجہ کرے کہ انھیں پتہ چلے کہ درس اختتام پذیر ہوگیا۔ اسلاف کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ ایسے وقت میں کہا کرتے تھے: ''وَاللّٰہُ اَعْلَمُ''

اوربعض علماء کا یہ کہنا ہے کہ بہتر ہے کہ درس کے اختتام سے قبل ایسی بات کہے جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ اب درس ختم ہورہا ہے جیسے کہ وہ یہ کہے: ''یہ درس کی آخری بات ہے'' یا ''اس کے بعد جو کچھ ہے ہم اسے انشاءاللہ بعد میں بیان کریں گے'' اوراسی سے ملتے جلتے کہے تا کہ اس کا قول ''وَاللّٰہُ اَعْلَمُ خَالِصَۃً اللہ تَعالٰی'' کا ذکر رہےاوراس مفہوم پرصادق آئے۔لہٰذا معلم کو چاہئے کہ ہر درس کا آغاز ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' سے کرے تا کہ آغاز وانجام دونوں وقت ذکر خدا جاری وساری ہو۔

۲۶) سبق کو وعظ و نصیحت پر ختم کرنا

معلم کو چاہئے کہ درس کو ایسے ذکر پر ختم کرے جو دل میں نرمی پیدا کر دے اور آنکھیں ڈبڈبا جائیں۔ ایسی باتیں ہوں جو حکمتوں اور پند و نصائح سے تعلق رکھتی ہوں اور دل کی پاکیزگی کے سامان فراہم کریں تاکہ لوگ جب منتشر ہوں تو خشوع و خضوع اور اخلاص کے ساتھ منتشر ہوں اس لئے کہ نرمی اور خشک بحث ومباحثہ جو اخلاقی امور سے عاری ہو وہ دل میں قوت تو پیدا کرتی ہے لیکن وہ قوت بعد میں سختی اور سنگ دلی میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اخلاقی اور اصلاحی مطالب، طالب علم کو ہر وقت علم کی جانب مائل رکھیں گے اور اسے طلب کمال کی راہ دکھائیں گے اور معلم کے اخلاقی نصائح سے بڑھ کر اور کوئی شے زیادہ مفید اور سودمند نہیں ہے۔

۲۷) درس کو دعا پر ختم کرنا

معلم نے مجلس درس کو جس طرح دعا سے شروع کیا تھا اسی طرح دعا پر ختم کرے کیونکہ اب وہ قبولیت کا زیادہ حقدار اور قریب ہے۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے طلبہ کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ رکھا ہے اور انھیں اپنے ثواب کے لئے مخصوص کرلیا ہے۔ معلم اور طلبہ کو یہ چاہئے کہ اپنی دعاؤں میں ائمہ راشدین، علمائے سابقین اور بالعموم مسلمانوں کو شامل رکھیں اور یہ کہ ان کے تمام اعمال خالصۃً لوجہ اللہ ہوں اور اس کی رضامندی وخوشنودی سے قریب لے جانے والے ہوں۔

۲۸) طلاب کے اٹھنے کے بعد تھوڑی دیر ٹھہرنا

معلم پر لازم ہے کہ حاضرین کے اٹھ جانے کے بعد تھوڑی دیر اپنی جگہ پر موجود رہے اس لئے کہ اس میں معلم اور طلبہ دونوں کے لئے فوائد اور آداب مضمر ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہے:

۱) اگر کسی کے ذہن میں سوال کا کوئی حصہ بچ رہا ہے تو درس کے اختتام کے بعد اس فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے وہ استاد سے دریافت کر سکتا ہے۔

۲) اگر کسی طالب علم کو استاد سے کوئی کام ہو اور وہ درس کے ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا تو یہ موقع اس کے لئے غنیمت ہوگا کہ وہ اپنی بات استاد سے کہے۔

۳) معلم جب طلبہ کے بعد روانہ ہوگا تو اسے بھیڑ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور تکلفات کی زحمت ختم

ہوجائے گی جو پہلے نکلنے کی صورت میں سامنے آتی اوراس کے آگے جانے میں یہ قباحت ہے کہ پیچھے چلنے والے طلبہ کے جوتوں کی آواز کہیں معلم کے دل میں عجب وخود پسندی پیدانہ کردے جو بہت بڑے خطرے کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے۔

۴)اگرمعلم کے پاس کوئی سواری ہوتو وہ ان کے درمیان سوار ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔اس کے علاوہ بہت سے دیگرامور۔

۲۹) طلاب کومرتب اور منظّم رکھنے کے لئے ایک چالاک ناظر مقرر کرنا

معلم کوچاہئے کہ طلبہ کے لئے کسی ایسے شخص کوناظر مقرر کرے جوذہین اور چاق وچوبند ہوجوحاضرین درس کوان کے درجات کے اعتبار سے ان کی جگہوں پر بٹھائے،سونے والوں کو جگائے ،غافل کوہشیار کرے اورانھیں مشورہ دے کہ کون سی بات مناسب ہےاورکون سا کام نامناسب ہے۔وہ لوگوں سے کہے کہ درس کی سماعت پرتوجہ دیں اور خاموشی سے سنیں۔اسی طرح استادان کے لئے اپنا ایک نائب اور جانشین مقرر کرے جو جاہلوں کوعلم سکھائے اور جولوگ معلم کے درس کودوبارہ پڑھنا چاہتے ہوں انھیں اس درس سے آگاہ کرے اور جولوگ عالم سے سوال کرنے اور مسائل دریافت کرنے یادرس لینے سے شرمارہے ہوں وہ ان کے لئے تمام چیزیں مہیا کرے۔اس سے عالم کے وقت کی بچت بھی ہوگی اور طالب علموں کے منافع اورمصالح بھی پورے ہوجائیں گے۔

۳۰) کلاس سے جاتے وقت ماثور دعا پڑھنا

معلم جب مجلس درس سے اٹھےتو کہے''**سُبْحَانَکَ اَللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ اَشْهَدُ اَن لَااِلٰهُ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوبُ اِلَیْکَ**''

''اے اللہ تو پاک و پاکیزہ اور لائق حمد وستائش ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔میں تجھی سے طلب مغفرت کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔''

﴿ **سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِینَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِینَ** ﴾(۱)

....

۱۔الصافات/۱۸۰۔۱۸۲.

''آپ کا پروردگار جو مالک عزت ہے ان کے بیانات سے پاک وپاکیزہ ہے اور ہمارا سلام تمام مرسلین پر ہو۔اور ساری تعریف اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

اس چیز کو بعض علماء نے سنت نبوی کے عنوان سے نقل کیا ہے۔(۱) اور بعض روایات میں آیا ہے کہ سورۂ صافات کی یہ تین آیتیں نشست کا کفارہ ہیں۔(۲)

جس طرح ان کی تلاوت کرنا عالم کے لئے مستحب ہے اسی طرح ہر شریک درس وجلسہ کے لئے جو جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہے یہ امر استحباب رکھتا ہے۔لیکن عالم کے حق میں اس کی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

....

۱۔کتاب من لایحضرہ الفقیہ ،ج/۳،ص/ ۲۳۸،الجامع الصغیر،ج/۲،ص/۱۱۲

۲۔ الکافی ،ج /۲،ص/۴۹۶،کتاب من لایحضرہ الفقیہ ،ج /۳،ص/ ۲۳۸،مجمع البیان ،ج /۸،ص/۴۶۲،بحار الانوار، ج/۲/۷،ص/ ۴۶۸

دوسرا باب

کتابت اور کتابوں کے بارے میں

اس میں کچھ مسائل ہیں:

۱) لکھنے کی طرف رغبت دلانا

بہت سی احادیث میں کتابت کی تشویق کی گئی ہے اور کتابت کرنے پر بے انتہا ثواب کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں نبی اکرم صلى الله عليه وآله وسلم سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا: ''قَيِّدُوا الْعِلْمَ'' تم علم کو مقید کرلو''سوال کیا گیا'' ''وَمَا تَقْيِيدُهُ'' اس کو قید کرنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ''كِتَابَتُهُ'' اس کو تحریری شکل میں لانا۔(۱)

روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نبی اکرم صلى الله عليه وآله وسلم کی خدمت میں بیٹھا کرتا اور آپؐ سے حدیثیں سنا کرتا تھا وہ اسے پسند آتی تھیں لیکن اسے یاد نہیں ہوتی تھیں۔ اس نے نبی اکرم صلى الله عليه وآله وسلم سے اس بات کی شکایت کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا: ''اِسْتَعِنْ بِيَمِينِكَ اَوْمَأَ بِيَدِهِ اَىْ خَطِّ ''(۲) ''تم اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو'' اور اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی لکھ لو۔

حضرت امام حسن بن علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے اپنی اور اپنے بھائی کی اولاد کو بلوایا اور فرمایا: ''اِنَّكُمْ صِغَارُ قَوْمٍ وَيُوشِكُ اَنْ تَكُونُوا كِبَارَ قَوْمٍ آخَرِينَ فَتَعَلَّمُوا الْعِلْمَ فَمَنْ لَمْ

۱۔ مجمع الزوائد، ج/۱، ص/۱۹۶ ۲۔ سنن ترمذی، ج/۵، ص/۳۹

يُسْتَطِع مِنْكُمْ اَنْ يَحْفَظَهُ فَلْيَكْتُبُهُ ''(۱)''تم سب قوم کے خردسال فرزند ہو اور وہ وقت دور نہیں کہ تم دوسری قوم کے لئے بزرگوں میں شمار کئے جاؤ۔ تم پر لازم ہے کہ تم علم (حدیث) حاصل کرو پس اگر تم میں سے کوئی اسے یاد کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ انھیں لکھ لے۔''

ابوبصیر سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

''اُكْتُبُوا فَاِنَّكُمْ لَا تَحْفَظُوْنَ حَتّٰى تَكْتُبُوْا''(۲)

''تم احادیث کو لکھ لو اس لئے کہ جب تک لکھو گے نہیں تم انھیں یاد نہ کر پاؤ گے۔''

اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

''اَلْقَلْبُ يَتَّكِلُ عَلَى الْكِتَابَةِ''(۳)

''دل کتابت پر اعتماد کرتا ہے۔''

عبید بن زرارہ سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''اِحْتَفِظُوْا بِكُتُبِكُمْ فَاِنَّكُمْ سَوْفَ تَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهَا''(۴)

''تم اپنی کتابوں کی حفاظت کرو (یعنی انھیں لکھ کر محفوظ کر لو) کیونکہ عنقریب تمھیں ان کی ضرورت پڑے گی۔''

مفضل بن عمر سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اُكْتُبْ وَبُثَّ عِلْمَكَ فِي اِخْوَانِكَ فَاِنْ مِتَّ فَاَوْرِثْ كُتُبَكَ بَنِيْكَ فَاِنَّهُ يَاتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانُ هَرَجٍ لَا يَانِسُوْنَ فِيْهِ اِلَّا بِكُتُبِهِمْ''(۵)

''تم لکھو اور لکھ کر اپنے بھائیوں تک علم پھیلاؤ اس لئے کہ تمھاری موت کے بعد تم اپنی اولاد کو اپنی کتابیں بطور وراثت چھوڑ کر جاؤ گے کیونکہ لوگوں پر خانہ جنگی کا ایک ایسا دور آئے گا جس میں وہ سوائے اپنی کتابوں کے کسی اور چیز سے مانوس نہ ہوں گے۔''

شیخ صدوقؒ نے اپنی امالی میں اپنی سند سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا مَاتَ وَ تَرَكَ وَرَقَةً وَاحِدَةً عَلَيْهَا عِلْمٌ كَانَتِ الْوَرَقَةُ

۱۔ سنن دارمی، ج/۱، ص/۱۳۰ ۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۵۲ ۳۔ الکافی، ج/۱، ص/۵۲
۴۔ الکافی، ج/۱، ص/۵۲ ۵۔ الکافی، ج/۱، ص/۵۲

سِتْرًا بَیْنَهُ وَ بَیْنَ النَّارِ وَ اَعْطَاهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ لِكُلِّ حَرْفٍ مَدِیْنَةً اَوْسَعُ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیهَا وَ مَنْ جَلَسَ عِنْدَ الْعَالِمِ سَاعَةً نَادَاهُ الْمَلَكُ جَلَسْتَ اِلیٰ عِبْدِی وَ عِزَّتِی وَجَلالِیْ لَاُسْكِنَنَّكَ الْجَنَّةَ مَعَهُ وَلا اُبَالِی''(۱)

مومن اگر مرتے وقت ایک ورق چھوڑ کر مرتا ہے جس میں علم کی باتیں تحریر ہوں تو وہ ورق اس کے اور جہنم کے درمیان پردہ بن جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اسے ہر حرف کے عوض دنیا اور مافیہا سے زیادہ وسیع ایک شہر عطا فرمائے گا اور جو شخص کسی عالم کے پاس ایک گھنٹہ بیٹھتا ہے تو (خدا کی جانب سے ایک) فرشتہ اسے پکار کر کہتا ہے: تم میرے بندے کے ساتھ بیٹھے تھے مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں تمھیں اس کے ساتھ جنت میں رہائش فراہم کروں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

۲) لکھنے میں خلوص نیت ایک ضروری امر

کاتب کا فرض ہے کہ کتابت کرتے وقت اپنی نیت کو اللہ کے لئے خالص کرلے۔ جس طرح حصولِ علم کے لئے اخلاص لازم ہے۔ اس لئے کہ کتابت عبادت ہے اور اس کا تعلق طلب علم اور حفاظت علم سے ہی ہے۔ اگر کتابت دنیوی منفعت کے لئے ہو اس سے خداوند عالم کے علاوہ کسی اور کا قصد ہو تو اس کی مثال ایسے علم جیسی ہے کہ اگر اسے خالصۃً لوجہ اللہ حاصل نہ کیا جائے تو نگاہ قدرت میں پسندیدہ نہیں ہے اور اس کی مذمت اور ملامت کے بارے میں پہلے جو ذکر ہو چکا ہے وہی کافی ہے۔

اس کے اس عمل سے خیر وشر میں اضافہ ہوگا کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے وہ کچھ تحریر کر رہا ہے جو قیامت کے دن اس کے حق میں حجت یا اس کے خلاف برہان ہوگا۔ اسے چاہئے کہ وہ دیکھے کہ کیا تحریر کر رہا ہے اور خیر وشر سے متعلق کون سے مطالب اس کی تحریر سے معرض وجود میں آرہے ہیں۔ وہ سنت کی باتیں لکھ رہا ہے یا بدعت سے متعلق تحریر ہے جس پر اس کی زندگی اور اس کی موت کے بعد ایک طویل عرصے تک عمل کیا جاتا رہے گا۔ لہٰذا اس سے جو فائدہ حاصل کرے یہ کاتب اس کے اجر میں شریک ہوگا یا اس سے جو گناہ ملے گا اس میں بھی اس کی شراکت ہوگی۔ کاتب کو لکھتے وقت یہ غور کرنا چاہئے کہ وہ کون سا سبب مہیا کر رہا ہے۔

اس طرح اس بات کا پتہ بھی چل جاتا ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر کتابت کا ثواب علم کے ثواب سے بڑھ جاتا ہے کیونکہ اس کا فائدہ زیادہ اور دائمی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں آتا

۱۔ امالی شیخ صدوق، ص/۴۰ قدرے اختلاف کے ساتھ

ہے علماء کے قلم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے افضل ہے: ''مِـدَادُ الْـعُـلَـمَـاءِ اَفْـضَـلُ مِـنْ دِمَـاءِ الشُّهَدَاءِ''(۱)

۳) ضروری کتابوں کو مہیا کرنا

طالب علم کے لئے یہ لازمی ہے کہ اسے علوم نافعہ میں سے جن کتابوں کی ضرورت ہو انھیں بقدر امکان حاصل کرنے کی کوشش کرے خواہ کتابت کے ذریعہ یا کسی سے خرید کر ورنہ کرایہ پر یا بطور امانت اس لئے کہ کتاب حصول علم کا آلہ (ذریعہ) ہے۔

طالب علم کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ کتابوں کے حصول، اس کی جمع آوری اور اس کی کثرت کو ہی علم وفہم سمجھ لے بلکہ اس کے باوجود بھی وہ جد وجہد اور سعی وعمل کرتا رہے اور علماء واساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتا رہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اِذَا لَـمْ تَـكُـنْ حَـافِـظاً وَاعِـياً فَـجَـمْـعُـكَ لِـلْـكُـتُـبِ لَا يَـنْـفَـعُ

''اگر تم یاد کرنے والے اور محفوظ رکھنے والے نہیں ہو تو کتابوں کی جمع آوری تمھارے لئے سودمند نہیں ہے۔

۴) کتابیں عاریت پر دینا مستحب ہے

ایسے شخص کو بطور عاریت کتاب دینا مستحب ہے جسے کتاب دینے میں کسی ضرر کا امکان نہ ہو اور کتاب دینے والے کا بھی کوئی نقصان نہ۔ کتابوں کو عاریۃً مہیا کرنا سنت موکدہ ہے اس لئے کہ اس سے علم میں معاونت، خیر میں مدد اور بر وتقویٰ کے کاموں میں کمک ملتی ہے۔ بلکہ مطلقاً عاریت دینے کی فضیلت اور اجر ثابت ہے ایک بزرگ کا قول ہے: ''بَـرَكَةُ الْعِلْمِ اِعَارَةُ الْكُتُبِ'' ''کتابیں عاریۃً مہیا کرنے سے علم میں برکت ہوتی ہے اور دوسرے نے کہا ہے:

''مَـنْ بَـخِـلَ بِـالْـعِـلْـمِ اُبْتُلِيَ بِاِحْدَىٰ ثَلاثٍ اَنْ يَنْسَاهُ، اَوْ يَمُوتَ فَلَا يَنْتَفِعُ بِهٖ اَوْ تَذْهَبَ كُتُبُهٗ''

''جو علم میں کنجوسی سے کام لیتا ہے وہ تین باتوں میں سے کسی ایک میں مبتلا ہو جاتا ہے:

۱۔ بحار الانوار، ج/۲، ص/۱۴.

١) اس علم کو فراموش کر دیتا ہے
٢) مرجاتا ہے اور علم سے فائدہ حاصل نہیں کر پاتا ہے
٣) یا یہ کہ اس کی کتابیں اس کے پاس باقی نہیں رہتیں

جو شخص کسی سے عاریۃً کتابیں لیتا ہے اس پر لازم ہے کہ کتابیں عاریت دینے والے کا شکریہ ادا کرے اور اسے جزائے خیر دے۔

٥) عاریتی کتابوں کی حفاظت کرنا

اگر کوئی شخص عاریۃً کتاب لے تو اس پر اسے ضائع اور خراب ہونے سے بچانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ نہ تو اس کتاب کو واپس دینے سے انکار کرے اور نہ ہی زیادہ عرصے تک اپنے پاس رکھے۔ جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو کتاب کو واپس کر دے اور جب کتاب کی ضرورت باقی نہ ہو تو اسے اپنے پاس روکے نہ رکھے۔ تاکہ کتاب کا مالک اس کتاب سے فائدہ حاصل کرنے سے محروم نہ رہے۔ یہ اس سے فائدہ حاصل کرنے میں سستی سے کام نہ لے۔ مالک کتاب کسی دوسرے شخص کو عاریۃً کتاب دینے سے منع نہ کرے۔ جب مالک کتاب اسے واپس طلب کرے تو اس کے بعد کتاب کو روکے رکھنا حرام ہے اور لینے والا کتاب کا ضامن ہے۔

٦) عاریتی کتابوں کی مرمت کرنا جائز نہیں

جسے عاریۃً کتاب دی گئی ہے یا جس نے اجرت پر کتاب حاصل کی ہے اسے اجازت نہیں ہے کہ دوسرے کی کتاب کو مالک کی اجازت کے بغیر درست کرے۔ اس میں کسی قسم کی اصلاح کرے اور نہ ہی اس میں حاشیہ لگائے اور نہ ہی کتاب کے شروع اور آخر کے خالی صفحات پر کچھ تحریر کرے مگر یہ کہ مالک کتاب اس بات پر راضی ہو۔ نہ ہی اس کتاب کی نقل بنائے اور نہ ہی کسی اور کو بطور عاریت دے اور نہ ہی بلاضرورت اسے کسی کے پاس امانت رکھے خواہ کہ شرعاً اس کی اجازت بھی ہو اور نہ ہی مالک کی اجازت کے بغیر اس کتاب سے کچھ نقل کرے اس لئے کہ کتاب سے کچھ لکھنا، مطالعہ کے فائدے سے زیادہ افادیت کا باعث ہوتا ہے اور یہ کام مشکل ہوتا ہے۔ اگر کتاب کو اس لئے وقف کیا گیا ہے کہ اس سے ہر طرح کا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں تو پھر کتاب کے روکے رکھنے احتیاط کے ساتھ اس میں سے کچھ تحریر کرنے اور اس سے فائدہ حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اگر ناظر کتاب یا جسے ناظر کی جانب سے اجازت مل چکی ہو اگر وہ اہلیت وصلاحیت رکھتا ہے تو کتاب کی غلطیوں کی اصلاح کرسکتا ہے۔ بلکہ ایسا کرنا اس پر واجب ولازم ہے پس اگر ناظر خاص موجود نہ ہو تو حاکم شرعی کو اس میں نظر کرنی چاہئے اگر وہ مالک کتاب یا ناظر کی اجازت سے کتاب سے کچھ نقل کرکے لکھنا چاہتا ہے تو کاغذ کتاب کے اندر رکھ کر نقل نہ کرے اور کتاب کے اوپر دوات نہ رکھے اور نہ ہی کتاب کے اوپر سے قلم کو گذارے یعنی اس پر لکیر کھینچے۔

بطور خلاصہ عرف عام میں جسے کوتاہی کہتے ہیں اس سے کتاب کو بچانا ضروری ہے جس طرح انسان اپنی ذاتی کتاب کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ اس سے زیادہ حفاظت کی حقدار ہے۔ ذاتی کتاب میں جس بات کی اجازت ہے عاریۃً لی ہوئی کتاب میں وہ جائز نہیں ہے خصوصاً اس کے لئے جو کتابوں کی حفاظت کی پرواہ کرتا ہو۔ اس لئے کہ اکثر لوگ ایسے ہیں جن کی بے توجہی کے باعث کتابوں کی حفاظت سے غفلت برتی جاتی ہے اور یہ امر بطور عاریت وامانت لی گئی کتاب کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

۷) کتاب کی حفاظت کرنے کے آداب

جب کتاب سے کچھ نقل کرے یا اس کا مطالعہ کرے تو کتاب کو زمین پر کھلا ہوا نہ رکھے بلکہ معمول کے مطابق اسے دو کتابوں کے درمیان یا میز پر رکھے تاکہ اس کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے اور اس کا ورق اور جلد خراب نہ ہو پائے۔

جب کتابوں کو قطار میں رکھنا چاہے تو میز کے اوپر رکھے یا ان کے نیچے لکڑی ہو یا الماری ہو یا اسی طرح کی کوئی اور چیز ہو۔

کتابوں کو رکھتے وقت علوم، ان کی فضیلت اور ان کے مصنفین کی افضلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ادب کو ملحوظ رکھا جائے۔ جو اشرف ہیں انھیں اوپر رکھا جائے پھر بتدریج کتابیں رکھی جائیں اگر ان کتابوں میں قرآن مجید بھی ہو تو اسے تمام کتابوں کے اوپر رکھا جائے اور بہتر یہ ہے کہ جز دان میں رکھ کر صدر مجلس میں رکھا جائے۔ دیگر کتب کو اس ترتیب سے رکھا جائے: کتب احادیث، تفسیر قرآن پھر تفسیر حدیث پھر اصول دین پھر اصول فقہ پھر فقہ پھر عربی نحو وصرف۔ بڑی تقطیع کی کتابیں چھوٹی تقطیع کی کتابوں پر نہ رکھی جائیں کیونکہ کہ اس طرح کتابیں اکثر گر جاتی ہیں اور کتاب کے درمیان نشانات اور جلد کا بقایا حصہ نہ رکھا جائے اس سے کتاب جلدی پھٹ جاتی اور خراب ہو جاتی ہے۔

کتاب کی حفاظت کے لئے اس کے اوپر کاغذات وغیرہ کا انبار نہ لگایا جائے اور نہ اسے تکیہ بنایا جائے، نہ ہی اس سے پنکھے کا کام لیا جائے۔ نہ اسے چھاڑو بنایا جائے اور نہ ہی اس کا سہارا لیا جائے۔ نہ اس پر ٹیک لگائی جائے۔ نہ ہی اسے کیڑے مکوڑے مارنے کے لئے استعمال کیا جائے۔ ورق کے حاشیے یا کناروں کو موڑا نہ جائے۔ اس میں لکڑی یا کسی خشک شے سے نشانی نہ لگائی جائے۔ بلکہ نرم و نازک کاغذ وغیرہ نشانی کے لئے رکھا جائے۔

۸) کتاب عاریت لیتے یا خریدتے وقت اسے غور سے دیکھنا

جب کوئی شخص عاریۃً کتاب لے تو اس پر لازم ہے کہ لیتے اور واپس کرتے وقت اچھی طرح چھان بین کر لے۔ اگر کوئی کتاب خریدے تو اس کے آغاز انجام اور درمیانی حصے کو اچھی طرح دیکھ بھال لے۔ اس کے ابواب کی ترتیب اور اجزاء کو اچھی طرح دیکھے اور کتاب کی ورق گردانی کر کے اس کے درست ہونے کا اندازہ لگا لے۔

۹) بعض اہم جملوں کی کتابت

اگر کوئی دینی کتاب تحریر کرنا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ با طہارت ہو، قبلہ رخ ہو، اس کا جسم، اس کے کپڑے، سیاہی اور کاغذ سب پاک ہوں اور کتاب کا آغاز ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ '' اور '' اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ وَآلِہٖ '' سے کرنا چاہئے۔ جس کتاب سے نقل کر رہا ہے اگر اس کے مصنف نے نہ لکھا ہو پھر بھی یہ لکھے اور جو کچھ تحریر کر رہا ہے اگر وہ مصنف کا کلام نہ ہو تو اسے واضح کرے اس طرح کہ تحریر کے بعد کہے ''مصنف یا استاد نے فرمایا ہے'' وغیرہ۔

اسی طرح کتاب کو الحمد للہ اور درود و سلام پر ختم کرے جب وہ یہ لکھ چکے کہ ''یہ فلاں آخری جزو ہے اور اس کے بعد یہ آ رہا ہے'' اور اگر کتاب مکمل نہ ہوئی تو مکمل ہونے کے بعد لکھے ''فلاں کتاب'' یا ''فلاں جزو تکمیل کو پہنچا'' یا یہ کہ ''کتاب مکمل ہو گئی'' یا اسی قسم کے دیگر جملے ان جملوں کو لکھنے کے بہت سے فائدے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کا نام تحریر کرے تو تعظیم کے ساتھ لکھے جیسے لفظ ''تَعَالٰی'' یا ''سُبۡحَانَہٗ'' یا ''عَزَّ وَجَلَّ'' یا ''تَقَدَّسَ'' یا اسی قبیل کا کوئی دوسرا لفظ استعمال کرے اور اسے زبان سے بھی ادا کرے۔

جب کبھی نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی تحریر کرے تو اس کے بعد الصلاۃ و السلام علیہ علی و آلہ لکھے اور زبان سے بھی درود و سلام بھیجے۔

اور کتاب میں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ کو مختصر کر کے نہ لکھے اور اگر سطر میں آنحضرتؐ کا اسم گرامی بار بار آئے تو صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بار بار لکھنے پر اکتاہٹ محسوس نہ کرے جیسا کہ کچھ محروم اور دین سے منحرف افراد اپنی کتابوں میں ''صلعم'' یا ''صلم'' یا ''صیم'' لکھتے ہیں۔ یہ تمام الفاظ افضیلت اور نص کے خلاف ہیں بلکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے ''صلعم'' لکھا اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔(۱)

اگر کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کا کامل نام نہیں لکھے گا تو کم از کم اس کے تحریر کرنے کا جو ثواب ملتا وہ اس سے محروم رہے گا۔ نبی اکرم ﷺ سے ایک حدیث میں وارد ہوا ہے: ''مَنۡ صَلّٰی عَلَیَّ فِی کِتَابٍ لَمۡ تَزَلِ الۡمَلائِکَۃُ تَسۡتَغۡفِرُ لَہُ مَادَامَ اسۡمِیۡ فِی ذٰلِکَ الۡکِتَابِ''(۲)

''جو شخص کتاب میں درود لکھے اور مجھ پر درود بھیجے تو جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے گا فرشتے اس شخص کے لئے طلب مغفرت کرتے رہیں گے۔''

اور جب کسی صحابہ کا ذکر بالخصوص اکابرین کا ذکر ہو تو چاہئے کہ ''رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ'' یا ''رِضۡوانُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ'' لکھے یا بزرگوں میں کسی مشہور شخصیت کا ذکر کرے تو ''رَحِمَہُ اللّٰہُ'' یا ''تَغَمَّدَہُ اللّٰہُ بِرَحۡمَتِہٖ'' یا اسی طرح کا کوئی جملہ تحریر کرے اور عادت یہ بن چکی ہے کہ انبیاء کے لئے صلاۃ و سلام لکھتے ہیں تو لازم ہے کہ ائمہ کرام علیہم السلام کے لئے ''علیہ السلام'' لکھا جائے بلکہ اس کے علاوہ دوسرے کلمات لکھنا بھی جائز قرار دیا گیا ہے بلکہ ہر مومن پر درود بھیجنا جائز ہے جیسا کہ قرآن وحدیث سے رہنمائی ملتی ہے۔

مدح وثنا کے بارے میں بتایا گیا ہے اسے بھی تحریر کرے اس لئے کہ یہ دعا ہے جو کر رہا ہے کلام نہیں کہ ہے جس کی روایت کر رہا ہے۔ اس میں کسی روایت کی قید نہیں ہے اور نہ ہی مصنف کی جانب سے اس کا ثابت ہونا ضروری ہے بلکہ اصل کتاب سے نقل کر رہا ہے یا جہاں سے سنا ہے۔ اگر اس میں یہ چیزیں موجود نہ رہی ہوں پھر بھی انھیں تحریر میں لائے اور اگر کوئی ایسی چیز دستیاب ہو جس کے بارے میں روایات موجود ہیں اور وہ تصنیف میں بھی مذکور ہیں تو اسے باقی رکھنا اور لکھنا زیادہ ضروری ہے یہی امر راجح اور زیادہ

۱۔ تدریب الراوی، ج/۲، ص/۷۷۔ ۲۔ مجمع الزوائد، ج/۱، ص/۱۳۶۔

پسندیدہ ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ ان سب چیزوں کو کتابت سے ختم کر دینا چاہئے۔ البتہ انھیں زبان پر جاری کرنا ضروری ہے اور یہ امر لازم وضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام آیت (١) کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے بھیجا جائے اور اگر صرف درود پر ہی اکتفا کیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

کتابت میں مضاف اور مضاف الیہ کو جدا جدا لکھنے کو ناپسند قرار دیا گیا ہے جیسے ''عبداللہ'' یا ''رسول اللہ'' میں ''عبد'' یا ''رسول'' سطر کے آخر میں اللہ کا لفظ سطر کے آغاز میں لکھا جائے کیونکہ کہ اس سے بد صورتی ظاہر ہوتی ہے اور اس کا نام ''کراہت تنزیہی'' ہے۔

اس سے نبی اکرم ﷺ اور اسمائے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ملحق ہوتے ہیں جس سے عبارت میں خلل واقع ہوتا ہے جیسے ان کا قول ''سَابُّ النَبِيِّ كَافِر'' (نبی کو گالی دینے والا کافر ہے) اب اگر ''سابٌّ'' سطر کے آخر اور ''النبی کافر'' دوسری سطر کے شروع میں لکھا جائے تو معنوی اعتبار سے اس میں بہت بڑی قباحت ہے۔ یہ کراہت صرف مضاف اور مضاف الیہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی دو لفظوں میں نامناسب فاصلہ قبیح ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں نے لفظ کے کچھ حروف سطر کے آخر میں اور کچھ کو سطر کے اول میں ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

١٠) تحریر

جو حصول علم میں مشغول ہو اسے تحریر کے نہایت عمدہ اور خوبصورت ہونے کا اہتمام نہیں کرنا چاہئے بلکہ تحریر کی درستی اور صحت کی جانب توجہ مبذول کرنی چاہئے اور خط ''تعلیق'' سے پرہیز کرے اور تعلیق کا مفہوم ہے کہ جن حروف کو علیٰ حدہ علیٰ حدہ لکھنا چاہئے انھیں باہم پیوست کر دینا اور ''مشق'' سے بھی بچنا چاہئے مشق کے معنی ہیں بکھرے ہوئے حروف کے ساتھ تیزی سے کتابت کرنا کسی نے کہا: ''وَزْنُ الْخَطِّ وَزْنُ الْقِرَائَةِ وَاَجْوَدُ الْقِرَائَةِ اَبْيَنُهَا وَاَجْوَدُ الْخَطِّ اَبْيَنُهُ'' ''خط کا معیار ومقیاس قرائت سے ملتا جلتا ہے بہترین قرائت وہ ہوتی ہے جو واضح اور سمجھ میں آتی ہو اسی طرح بہترین خط وہ ہوتا ہے جو واضح ہو اور پڑھا جا سکے۔

باریک کتابت سے اجتناب کرنا چاہئے اس لئے کہ اس سے فائدہ اٹھانا مشکل ہے یا جس کی نظر کمزور

١۔﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورۂ احزاب/٥٦)

ہے وہ اس سے مکمل فائدہ حاصل نہیں کر سکتا بلکہ بعد میں خود کاتب کی نظر بھی کمزور ہو جائے گی اور وہ خود بھی اس سے فائدہ حاصل نہیں کر پائے گا۔

مناسب ہے کہ کتاب کا دیباچہ، ابواب، فصول اور اس قبیل کے موضوعات سرخ روشنائی سے لکھے جائیں اس لئے کہ وہ بیان میں زیادہ واضح ہوتے ہیں اور کلام کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ اگر متن کے ساتھ اس کی شرح بھی تحریر کی جائے تو متن کی کتابت سرخ روشنائی سے کی جائے یا یہ کہ ایک لمبا خط کھینچ دیا جائے جس سے اس کا علیحدہ ہونا واضح ہو جائے۔

۱۱) مکتوب کو اصل کتاب سے ملانا

جب کتابت مکمل کر چکے تو اصل کتاب سے اس کا مقابلہ کرے یعنی ملا کر دیکھے کہ کوئی بات لکھنے سے رہ تو نہیں گئی ہے۔ ایک بزرگ نے اپنے بیٹے سے کہا: تم نے کتابت مکمل کر لی؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ تو فرمایا: کیا تم نے اسے اصل کتاب سے مطابق کر لیا؟ اس نے کہا: نہیں۔ تو انھوں نے کہا: پھر تم نے اسے لکھا ہی نہیں۔ اخفش نے کہا: ''اِذَا نُسِخَ الْكِتَابُ وَلَمْ يُعَارَضْ ثُمَّ يُنْسَخُ وَلَمْ يُعَارَضْ خَرَجَ اَعْجَمِيًّا '' ''اگر کتاب تحریر کی جائے اور اسے اصل سے نہ ملایا جائے پھر لکھا جائے اور اصل سے مطابقت نہ دی جائے تو وہ کتاب غیر واضح قرار پائے گی۔

۱۲) کتاب میں لازمی مقامات کی نشاندہی

جب مقابلہ کر کے کتاب کی تصحیح کر رہا ہے تو مناسب ہے کہ جہاں ضروری ہو وہاں پر اعراب لگائے، حروف تہجی پر نقطے لگائے، عبارت پر اعراب لگائے اور جو مشتبہ الفاظ ہیں ان کے اعراب کا خاص خیال رکھے جہاں پڑھنے یا لکھنے میں غلطی ہو سکتی ہے ان مقامات کی اچھی طرح چھان بین کرے۔

جو لفظ بغیر نقطے اور اعراب کے سمجھ میں آتے ہیں ان پر نقطہ لگانا اور اعراب لگانا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ اس کے علاوہ دوسرے امور کی جانب توجہ دینا زیادہ بہتر ہو گی۔ کیونکہ یہ کوشش تھکا دینے والی اور بے سود ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''اِعْرَبُوْا حَدِيْثَنَا فَاِنَّا قَوْمٌ فُصَحَاء ''(۱)

''تم ہماری حدیثوں پر اعراب لگاؤ اس لئے ہم فصیح قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔''

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۵۲.

سب سے اہم چیز ایسی عبارت پر اعراب لگانا ہے جو اختلاف معنی کا سبب بن سکتی ہے جیسے حدیث ''ذَکَاۃُ الْجَنِینِ ذَکَاۃُ اُمِّہِ ''(۱) گوسفند کے شکم میں جو بچہ ہے اس کی طہارت ماں کی طہارت پر موقوف ہے۔ اسی طرح ناموں کو صحیح اعراب کے ساتھ لکھا جائے اس لئے کہ وہ سماعی ہوتے ہیں۔

اگر ضرورت محسوس کرے تو حاشیہ میں اس کے مقابل میں اس کے اعراب کو تحریر کردے اس لئے کہ اس طرح التباس سے دوری ہو جائے گی بالخصوص جب خط باریک ہو اور سطریں تنگ ہوں۔

حواشی کی کتابت اور فوائد اور اہم تنبیہات جو غلطیوں کی نشان دہی کریں یا اختلاف روایت کو واضح کریں یا کتاب کے کسی خاص نسخہ کی نشان دہی کریں اور اسی قسم کی باتیں، ان کتابوں کے حاشیوں پر لکھنا جو اس کی ملکیت میں ہوں کوئی ممانعت نہیں رکھتا اور اگر وہ کتاب اس کی ملکیت میں نہ ہو تو اجازت لے کر اس پر لکھ سکتا ہے۔ اسے صرف انہی فوائد کو تحریر کرنے کی اجازت ہے جو اہم ہوں اور اس مقام سے مناسبت رکھتے ہوں۔ بے جا مباحث اور بے ربط باتوں کو تحریر کرنے سے دوری کرے جیسا کہ اس دور کے بعض غافل افراد اس قسم کی حرکتیں کر رہے ہیں۔ جنھیں علماء کی اصطلاحات سے واقفیت حاصل نہیں ہے انھوں نے اکثر کتابوں کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔

یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ دو سطروں کے درمیان کوئی عبارت تحریر کی جائے۔ اللہ توفیق کا فراہم کرنے والا ہے۔

۱۔ کتاب من لایحضرہ الفقیہ، ج/۳، ص/۲۰۹.

تیسرا باب

مناظرے کے بارے میں

پہلی فصل: مناظرے کے آداب وشرائط
دوسری فصل: مناظرے کے آفات وخطرات

مقدمه

جان لو کہ مناظرہ احکام دین میں سے ہے جس کا تعلق دین سے ہے لیکن مناظرے کے کچھ شرائط اور آداب ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مناظرہ صرف اللہ کے لیے ہو اور ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے ہو جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ہیں۔ اس میں بے شمار خطرات اور آفات ہیں۔ ہم مناظرے کے بارے میں دو فصلوں میں بحث کریں گے۔

پہلی فصل

مناظرے کے شرائط اور آداب

پہلی شرط: مقصد؛ حق تک رسائی اور اظہار حق

مناظرے کی غرض حق تک رسائی اور حق کا ظاہر ہونا ہو جس طرح بھی ممکن ہو، نہ کہ اپنے آپ کو درست ثابت کرنا۔ اپنی علمیت کا رعب قائم کرنا اور اپنے نظریے کو ثابت کرنا ہو کیونکہ اسے بحث ومباحثہ کہتے ہیں اور تم جانتے ہو کہ اس میں کتنی برائیاں ہیں اور اس کی کس قدر شدید ممانعت کی گئی ہے۔

اور اس مقصد کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ مناظرہ نہ کرے مگر اس وقت جب اثر ہونے کی امید ہو اب اگر وہ جانتا ہو کہ مناظرہ کرنے والا حق کو قبول نہیں کرے گا اور وہ اپنی رائے سے واپس نہیں لوٹے گا اور جب اس پر اس مناظر کی غلطی واضح ہو جائے تو ایسے شخص سے مناظرہ کرنا جائز نہیں ہے کیوں یہ آفتوں کو جنم دے گا اور جس مقصد کے حصول کے لیے مناظرہ کیا جا رہا ہے وہ پورا نہیں ہوگا۔

دوسری شرط: خلوت میں ہو

مناظرہ اگر خلوت میں کیا جائے تو یہ محفل اور صدر مجلس میں کئے جانے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس لیے کہ یہ مقصد کو مجتمع رکھتا ہے اور فکر کو صاف ستھرا رکھنے کے لیے زیادہ موزوں اور حق تک رسائی کے لیے

زیادہ سودمند ہے۔اور مناظرہ عوام کی موجودگی میں ریاکاری کے اسباب کو تقویت دیتا اور دوسرے کو لا جواب کرنے پر مائل کرتا ہے خواہ یہ باطل ہی پر کیوں نہ ہو۔

اور جو لوگ فاسد مقاصد اور غلط اہداف رکھتے ہیں وہ اکثر خلوت میں جواب دینے سے تساہلی اور سستی سے کام لیتے ہیں لیکن وہ محافل میں اپنے رقیبوں پر برتری دکھانے کے لے مسائل کا جواب دینے میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔

تیسری شرط: گمشدہ کا متلاشی ہو

مناظر طلب حق میں ایسا ہو جیسے گم شدہ کو تلاش کر رہا ہے اور جب حقیقت کو پالے تو اسے شکر گزار ہونا چاہیے۔اور اس میں کوئی فرق نہ کرے کہ وہ بات خود اس کے ذریعہ سے ظاہر ہو یا کسی اور کے ذریعہ سے اپنے رفیق کو اپنا مددگار سمجھے نہ کہ اپنا دشمن اور جب وہ اس کی غلطی کی نشان دہی کرے اور اس پر حق کو واضح کر دے تو اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔اسی طرح اگر وہ گم شدہ کو پانے کے لیے کسی راستے کا انتخاب کرے اور کوئی دوسرا شخص اسے متنبہ کرے کہ وہ جس چیز کا متلاشی ہے وہ دوسرے راستے پر ہے اور حق مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے اسے اسی طرح حاصل کرنا چاہیے۔اس کا حق ہے کہ اگر حق دشمن کی زبان پر جاری ہوا تو وہ اس بات پر خوش ہو اور اس کا شکر گزار ہو نہ کہ شرمندہ ہو اور غصہ کے مارے چہرہ سیاہ اور سرخ ہو جائے اور اپنی تمام تر کوشش و کاوش اس کے دفاع اور جہاد میں صرف کر دے۔

چوتھی شرط: مددگار کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے

جو لوگ مناظرہ کرنے والے کے معین و مددگار ہوں انھیں ایک دلیل سے دوسری دلیل تک جانے اور ایک سوال سے دوسرے سوال تک منتقل ہونے سے منع نہ کرے بلکہ ایسے مواقع فراہم کرے کہ جو دلائل اس کے پاس ہیں وہ انھیں ظاہر کر دے اور حق تک رسائی کے لیے جس چیز کی ضرورت ہو وہ کلام اس کی زبان سے جاری ہو جائے پس اگر کسی جملے میں یا بین السطور کوئی بات آئی ہو اگرچہ وہ اس بات سے غافل ہو اسے چاہیے کہ اس بات کو قبول کر لے اور شکر خدا بجا لائے اصل غرض تو حق تک رسائی ہے۔ایسا کلام جو سنائی دے رہا ہے اگر اس سے مطلوب حاصل ہو جاتا ہے تو اسے قبول کر لینا چاہیے خواہ کہنے والا نظر نہ آ رہا ہو۔

جہاں تک مناظر کے اس قول کا تعلق ہے: ''یہ مجھ پر لازم نہیں آتا تم اپنی پہلی بات پر قائم نہیں رہے اور تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہئے'' اوراسی طرح کے دیگر جملے مناظرین کے جھوٹ کا پلندہ اورافواہیں، محض بغض وعناداورراہ راست سے نکل جانے کا ذریعہ ہیں۔

تم اکثر مناظرے جومحافل ومجالس میں دیکھتے ہووہ جنگ وجدال پر منتہی ہوتے ہیں۔اعتراض کرنے والا دلیل طلب کرتا ہےاوردعویٰ کرنے والا دلیل جانتے ہوئے بھی دلیل دینے سے مکر جاتا ہےاورنشست کا اختتام اصراراورانکاراوردشمنی پر ہوتا ہےاور یہ شریعت مطہرہ سے خیانت اورعین فساد ہے۔اورازروئے قرآن جواپنے علم کو چھپاتا ہےاس کی مذمت کی گئی ہے اورایسا شخص اپنے علم کوظاہر نہ کرکے اس زمرے میں داخل ہوجاتا ہے۔

پانچویں شرط: عالم سے مناظرہ کرے

مناظرہ ان لوگوں کے ساتھ کرے جو مستقل علمی حیثیت کے مالک ہوں اس لئے کہ اگر وہ حق کا متلاشی ہےتو ایسے افراد سے اسے استفادہ کا موقع فراہم ہوگا اوراکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جلیل القدرعلماءاورافاضل سے مناظرہ کرنے سے لوگ اجتناب واحتراز کرتے ہیں اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں حق ان کی زبان سے ظاہر نہ ہوجائے اوران سے کم علم حضرات کی جانب رجوع کرتے ہیں اس مقصد کے پیش نظر کہ ان پر غلبہ حاصل کرکے باطل کورواج دیں۔

دوسری فصل

مناظرہ کے آفات اور خطرات

اگر مناظرہ اس لیے کیا جا رہا ہے کہ غلبہ حاصل کیا جائے، دوسروں کو خاموش کر دیا جائے، فخر ومباہات کیا جائے اور اپنے علم وفضل کے اظہار کا شوق پورا کیا جائے تو اس نوعیت کا مناظرہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اخلاق کا منبع اور سرچشمہ ہے اور دشمنِ خدا ابلیس کے نزدیک وہ پسندیدہ ہے اور اس کا تعلق باطنی برائیوں سے ہے جیسے، خود پسندی، ریاکاری، حسد، مناقشہ، اپنے نفس کو پاکیزہ قرار دینا اور جاہ ومرتبہ کی محبت وغیرہ اور شراب کی نسبت ظاہری برائیوں سے ہے جیسے، زنا، قتل، تہمت لگانا جس طرح اگر کسی کو اختیار دیا جائے شراب پینے اور دیگر برائیوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے تو وہ شراب کو معمولی سمجھتے ہوئے منتخب کر لے جو اسے دیگر فواحش کو ارتکاب کرنے کی دعوت دے گی۔ اسی طرح جس شخص کو دوسرے کو شکست دینے اور مناظرے میں غلبہ حاصل کرنے کی محبت غالب آجائے اور وہ جاہ ومنزلت اور فخر ومباہات حاصل کرنا چاہتا ہو تو یہ بات اسے دیگر تمام برائیوں کے اظہار کی جانب لے جائے گی تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مناظرے میں خطرات اور آفات ہیں جس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

ہم ان میں سے کچھ کا تذکرہ کرتے ہیں:

۱) حق سے روگردانی

حق سے روگردانی، اسے ناپسند کرنا اور اس کی مدافعت کی طمع جنگ وجدال کے ذریعہ یہاں تک کہ مناظرے کے لیے بدترین اشیاء میں سے یہ ہے کہ حق اس کے دشمن کی زبان سے ظاہر ہو جائے اور جب

بھی حق ظاہر ہوگا یہ جس طرح بھی اس پر قدرت حاصل کرے اس کا انکار کر دے گا خواہ شبہے میں ڈال کر خواہ دھوکہ اور فریب کے ذریعہ اور مکر وحیلہ کے طریقے سے پھر جنگ وجدال اس کی عادت اور مزاج میں داخل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ جب بھی کوئی بات سنتا ہے تو اس کی جنگ وجدال والی طبیعت اسے اعتراض پر ابھار دیتی ہے تا کہ وہ اپنی فضیلت کو ظاہر کر سکے اور دشمن کو نیچا دکھا سکے خواہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو اس کا مقصد اپنے آپ کو نمایاں کرنا ہوتا ہے حق کو ظاہر کرنا نہیں ہوتا۔

اور اللہ تعالیٰ نے مساوی قرار دیا ہے اسے جو اللہ پر بہتان تراشی کرتا ہے اور اسے جو حق کو جھٹلاتا ہے ارشاد باری عزاسمہ ہے: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَائَهُ﴾ (عنکبوت/۶۸)

''سب سے بڑھ کر ظالم وہ ہے جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے اور جب حق آجائے تو وہ اسے جھٹلا دے۔''

ابو درداء، ابو امامہ، واثلہ اور انس سے روایت ہے ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچانک ہمارے پاس آگئے اور ہم کسی دینی مسئلہ کے بارے میں آپس میں جھگڑا کر رہے تھے تو آنحضرت اس قدر شدید ناراض ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ اسی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ جھگڑا ترک کر دو مومن باہم جھگڑا نہیں کیا کرتے، جھگڑا چھوڑ دو جھگڑا لو مکمل خسارے میں ہے، جھگڑا مت کرو اس لیے کہ میں روز قیامت جھگڑنے والے کی شفاعت نہیں کروں گا اور فرمایا کہ جو شخص صداقت پر فائز ہونے کے باوجود بحث وجدال ترک کر دے میں اس کے لیے جنت میں تین گھروں کی ضمانت دیتا ہوں فصیل، درمیانی حصہ اور بلند حصے کی، تم بحث ومباحثہ کو ترک کر دو اس لیے کہ بت پرستی کے بعد اللہ نے سب سے پہلے جس چیز سے روکا ہے وہ بحث وجدال ہے۔(۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے:

''ثَلاثٌ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَ جَلَّ بِهِنَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ مِنْ اَيِّ بَابٍ شَاء مَنْ حَسُنَ خُلُقُهُ وَخَشِيَ اللّٰهَ فِي الْمَغِيْبِ وَالْمَحْضَرِ وَتَرَكَ الْمِرَاءَ وَاِنْ كَانَ مُحِقًّا''(۲)

....

۱۔ مجمع الزوائد، ج/۱، ص/۱۵۶

۲۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۰۰

''تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جو بھی ان سے متصف ہوکر اللہ سے ملاقات کرے گا وہ جس دروازے سے چاہے گا جنت میں داخل ہوجائے گا۔ جس شخص کا اخلاق اچھا ہو جو شخص غیب وشہود دونوں میں خوف خدا رکھتا ہو اور جو بحث وجدال کو ترک کردے خواہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو

''وَعَنْ اَبِی عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلامِ قَالَ قَالَ اَمِيرُ الْمُوْمِنِيْنَ علیہ السلام: اِيَّاكُمْ وَالْمِرَاءَ وَالْخُصُوْمَةَ فَاِنَّهُمَا يُمْرِضَانِ الْقُلُوْبَ عَلَى الْاِخْوَانِ وَيَنْبُتُ عَلَيْهِمَا النِّفَاقُ''(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ''خبردار تم لوگ بحث ومباحثہ اور دشمنی سے بچو کیونکہ یہ دونوں برادران ایمانی کے خلاف دلوں کو بیمار بناتے ہیں اور ان پر منافقت کا پودا اگاتے ہیں۔''

۲) ریاکاری

مناظرے کے آفات وخطرات میں سے ایک ریاکاری ہے اور لوگوں کا جمگھٹا اور ان کے دلوں کو موہ لینے کی کوشش اور اپنی جانب توجہ مبذول کرالینا تاکہ اس کے نظریے کو درست قرار دیں اور دشمن کے مقابلے میں اس کی مدد کریں۔ اور ریاکاری ایک عاجز کردینے والی بیماری ہے اور خوف ناک مرض ہے اور ہلاک کر دینے والا روگ اور شرک خفی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوا وَمَاالشِّرْكُ الْاَصْغَرُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ هُوَ الرِّيَاءُ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالىٰ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِذَاجَازَى الْعِبَادَ بِاَعْمَالِهِمْ اِذْهَبُوْا اِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَرَاَؤُوْنَ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوْاَهَلَ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمُ الْجَزَاءَ''(۲)

''سب سے زیادہ خوف ناک چیز جس سے میں تمھارے لیے ڈرتا ہوں وہ شرک اصغر ہے لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرک اصغر سے کیا مراد ہے؟ تو آنحضرت نے فرمایا وہ ریاکاری ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب لوگوں کے اعمال کی جزا دے گا تو ان سے کہے گا تم ان کے پاس جاؤ دنیا میں جن کے دکھاوے کے لیے تم عمل کیا کرتے تھے دیکھو تمھیں ان کے پاس سے کسی قسم کی جزا مل رہی ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۰۰
۲۔ مسند احمد، ج/۵، ص/۴۲۸

''اِسْتَعِیْذُوا بِاللّٰہِ مِنْ جُبِّ الْخِزْیِ قِیْلَ وَمَا ھُوَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَادٍ فِی جَھَنَّمَ اُعِدَّ لِلْمُرَائِیْنَ''(۱)

''تم اللہ سے پناہ طلب کرو رسوائی کے کنویں سے۔ آنحضرتؐ سے سوال کیا گیا: یہ رسوائی کا کنواں کیا ہے؟ تو آنحضرتؐ نے جواب دیا: جہنم میں ایک وادی ہے جو ریا کاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

جراح مدائنی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ کے قول: ﴿فَمَنْ کَانَ یَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ أَحَدًا﴾ (کہف/۱۱۰)

(جو اپنے رب سے ملاقات کا خواہش مند ہے اسے چاہئے کہ عمل صالح بجالائے اور رب کی عبادت میں کسی اور کو شریک قرار نہ دے) کے ذیل میں روایت کی ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اَلرَّجُلُ یَعْمَلُ شَیْأً مِنَ الثَّوَابِ لَا یَطْلُبُ بِہٖ وَجْہَ اللّٰہِ اِنَّمَا یَطْلُبُ تَزْکِیَۃَ النَّاسِ یَشْتَھِی اَنْ یُسْمِعَ بِہِ النَّاسَ فَھٰذَا الَّذِیْ اَشْرَکَ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ''(۲)

''ایک شخص ثواب کا کام انجام دیتا ہے لیکن اس کا مقصد رضائے رب حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ لوگ اسے اچھا سمجھیں اس کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگوں میں اس کی شہرت ہو جائے یہ ہے وہ شخص جس نے رب کی عبادت میں شرک کیا ہے۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّ الْمَلَکَ لَیَصْعَدُ بِعَمَلِ الْعَبْدِ مُبْتَھِجاً بِہٖ فَاِذَاصَعِدَ بِحَسَنَاتِہٖ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِجْعَلُوْھَا فِی سِجِّیْنٍ اِنَّہٗ لَیْسَ اِیَّایَ اَرَادَبِہٖ''

''فرشتہ بندے کے عمل کو خوشی خوشی اوپر لے کر جاتا ہے جب وہ اس کی نیکیوں کو لے کر بلندی کی جانب روانہ ہوتا ہے تو خداوند عالم اس سے یہ فرماتا ہے کہ اسے سجین (۲) میں ڈال دو اس نے اس عمل کو صرف میرے لیے انجام نہیں دیا ہے۔''(۴)

امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے:

....

۱۔ کنز العمال، ج/۱۰، ص/۴۷۴

۲۔ الکافی، ج/۲، ص/۲۹۴

۳۔ سجین ایک جگہ یا کتاب جس میں کفار و فجار کے اعمال درج ہوتے ہیں

۴۔ الکافی، ج/۲، ص/۲۹۴

''ثَلاثُ عَلامَاتٍ لِلْمُرَائِي: يَنْشَطُ اِذَا رَأى النَّاسَ وَيَكْسَلُ اِذَا كَانَ وَحْدَهُ وَيُحِبُّ اَنْ يُحْمَدَ فِي جَمِيْعِ اُمُوْرِهِ''(۱)

''ریا کار کی تین نشانیاں ہیں: (۱) جب لوگوں کو دیکھتا ہے تو ہشاش بشاش مستعد اور چست نظر آتا ہے اور (۲) جب تنہا ہوتا ہے تو سست اور کاہل ہو جاتا ہے اور (۳) یہ چاہتا ہے کہ ہر کام میں اس کی تعریف وتوصیف کی جائے۔''

۳) غیظ وغضب

مناظر اکثر اوقات غیظ وغضب میں مبتلا رہتا بالخصوص جب اس کی بات مسترد کر دی جائے یا اس کی بات پر اعتراض کیا جائے اور اس کی دلیل عوام الناس کے سامنے بنظر حقارت دیکھی جائے۔ تو لا محالہ وہ ایسے عالم میں غضب ناک ہو جاتا ہے اور کبھی اس کا غضب حق پر مبنی ہوتا ہے اور کبھی ناحق ہوتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول نے غضب کیسا بھی ہو اس کی مذمت کی ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے غضب اختیار کرنے والوں کی سرزنش کی ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ﴾(فتح/۲۶)

''جب کفار نے اپنے دلوں میں حمیت کو بسا لیا جاہلیت والی حمیت تو اللہ نے اپنے رسول پر تسکین کو نازل فرمایا۔''

اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمّت کی ہے کہ انھوں نے اس حمیت (تعصب، غصہ) کا مظاہرہ کیا جو غضب سے برآمد ہوتی ہے اور مومنین کی ستائش کی جس کی وجہ سے اللہ نے ان پر سکینہ (تسکین، اطمینان) کو بطور انعام نازل فرمایا۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے ایک ایسے عمل کا حکم دیجئے جو کم ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لا تَغْضِبْ'' ''تم غضب ناک نہ ہونا آنحضرتؐ نے پھر دوبارہ فرمایا ''لا تَغْضِبْ'' ''تم غصہ میں نہ آنا۔(۲)

(۳) الکافی، ج/۲، ص/ ۲۹۵.
(۱) المحجۃ البیضاء، ج/ ۵، ص/ ۲۹۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون سی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب سے دور لے جاتی ہے تو آنحضرتؐ نے فرمایا "لا تَغْضِبْ" "تم غضب ناک نہ ہونا۔" (۱)

ابودرداء کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: مجھے ایسا کوئی عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کردے تو آنحضرت نے فرمایا: تم غضب نہ کرو۔ (۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اَلْغَضَبُ يُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَايُفْسُد الْخِلُّ الْعَسَلَ" (۳)

"غضب ایمان کو اسی طرح فاسد کر دیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔"

امام محمد باقر علیہ السلام کے سامنے غضب کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"اِنَّ الرَّجُلَ لَيَغْضَبُ فَمَا يَرْضٰى اَبَداً حَتّٰى يَدْخُلَ النَّارَ" (۴)

"جب کوئی شخص غضب ناک ہوتا ہے تو وہ اس وقت تک راضی نہ ہوگا جب تک واصل جہنم نہ ہو جائے۔"

امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ: "مَكْتُوْبٌ فِي التَّوْرٰيةِ فِيْمَا نَاجَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِهِ مُوْسٰى يَا مُوْسٰى اَمْسِكْ غَضَبَكَ عَمَّنْ مَلَّكْتُكَ عَلَيْهِ اَكُفَّ عَنْكَ غَضَبِي" (۵)

"توریت میں تحریر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے چپکے چپکے گفتگو کی اور کہا: اے موسیٰ! اپنے غصہ کو اس سے روک لو جو تمھاری ملکیت میں ہے میں تم سے غضب کو دور رکھوں گا۔"

وَعَنْ اَبِى حَمْزَةَ الثُّمَالِيِّ قَالَ قَالَ اَبُوْجَعْفَرِ عَلَيْهِ السَّلامِ: "اِنَّ هٰذَا الْغَضَبَ جَمْرَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تُوْقَدُ فِيْ قَلْبِ اِبْنِ آدَمَ، وَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا غَضِبَ اِحْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَانْتَفَخَتْ اَوْدَاجُه وَدَخَلَ الشَّيْطَانُ فِيْهِ" (۶)

ابوحمزہ ثمالی امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ: "یہ غضب ایک انگارہ ہے جس کا تعلق شیطان سے ہے جو اولاد آدم کے دل میں بھڑکتا ہے۔ تم میں سے جب بھی کوئی غضب ناک ہوتا ہے تو اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور اس کی گردن کی رگ پھول جاتی ہے اور اس کے اندر شیطان داخل ہو جاتا ہے۔"

....

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۱۴۳
۲۔ احیاء علوم الدین
۳۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۰۲
۴۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۰۲
۵۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۰۲
۶۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۰۴

۴) حقد (کینہ رکھنا)

حقد وکینہ، غضب کا نتیجہ اور پھل ہے کیونکہ جسے غصہ آتا ہے وہ موجودہ حالات میں تشفی نہ ہونے کی وجہ سے غصہ پینے پر مجبور ہوجاتا ہے تو وہ غصہ اس کے باطن (دل) کی طرف چلا جاتا ہے اور وہاں پر جاگزیں ہوجاتا ہے اور کینہ میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

حقد (کینہ) کا مفہوم یہ ہے کہ کینہ پرور کا دل اس کے بوجھ کو محسوس کرے اور اس کے بغض اور اس کی نفرت کو لازم قرار دے دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اَلْمُؤْمِنُ لَيْسَ بِحُقُوْدٍ.''(۱)

''مومن کینہ پرور نہیں ہوتا۔''

حقد وکینہ بہت سی برائیوں کو جنم دیتا ہے مثلاً حسد دوسرے کی مصیبت پر خوش ہونا، فحش کلامی، قطع تعلق کر لینا اور اس سلسلہ میں ایسی باتیں کہنا جو جائز نہیں ہیں جیسے جھوٹ، غیبت، راز کا افشاء کرنا، پردے کو فاش کرنا وغیرہ وغیرہ اور ایسی باتیں بیان کرنا جن کا بیان کرنے والا استہزا اور مذاق اڑانے تک پہنچ جائے اور جس طرح بھی ممکن ہو قول اور فعل سے اذیت پہنچانا یہ تمام باتیں حقد وکینہ کے بعض نتائج اور ثمرات ہیں۔

ان حرام کردہ آفتوں سے بچنے کے باوجود حقد کے کمتر ترین درجات میں سے یہ بھی ہے کہ تم جن چیزوں کو بطور ثواب بجا لاتے تھے ان سے محقد علیہ (جس سے کینہ کیا جائے) کو محروم کر دو مثلاً مسکراہٹ، نرمی اور کرم وعنایت اور اس سے نیکی اور مواسات کے خلاف برتاؤ پر قیام کرنا۔ یہ سب کام دین میں تمھارے درجہ کو کم کرنے کا سبب بنتے ہیں اور یہ تمھارے اور عظیم فضیلت اور بے انتہا ثواب کے درمیان حائل ہوجاتے ہیں اگرچہ تمھیں کسی عذاب سے دوچار نہیں کرتے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اَلا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ خَلَائِقِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؟اَلْعَفْوُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ، وَتَصِلُ مَنْ قَطَعَكَ وَالْاِحْسَانُ اِلىٰ مَنْ اَسَاءَ اِلَيْكَ وَاِعْطَاءُ مَنْ حَرَمَكَ''(۲)

''کیا میں تمھیں دنیا اور آخرت کے بہترین اخلاق وعادات سے مطلع نہ کردوں؟ جو تم پر ظلم ڈھائے تم

....

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۴۱.
۲۔ الکافی، ج/۲، ص/۱۰۷

اسے معاف کردو، جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس سے صلۂ رحمی کرو، جو تم سے برائی سے پیش آئے تم اس کے ساتھ بھلائی کرو اور جو تمھیں محروم رکھے تم اسے عطا کرو۔

۵) حسد

حسد، کینہ پروری کا نتیجہ ہے جیسا کہ بیان کیا گیا اور مناظرہ کرنے والا اکثر ان سے جدا نہیں ہوتا اس لیے کہ کبھی وہ غالب آتا ہے اور کبھی مغلوب ہو جاتا ہے۔ جب وہ غالب آجاتا ہے اور اس کی ستائش ہوتی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ یہ صرف اس کی ذات تک محدود رہے کسی اور کو نہ ملے اور یہی عین حسد ہے۔

حسد کے بارے میں جو روایات وارد ہوئی اور اس سلسلہ میں جو سرزنش کی گئی ہے وہ حد وحساب سے باہر ہے۔ حسد کی مذمت کے لیے یہی کافی ہے کہ اول سے لے کر آخر تک زمین میں جس قدر گناہ کئے گئے ہیں اور فساد ہوتے ہیں وہ سب کے سب حسد کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ جب ابلیس نے آدم علیہ السلام سے حسد کیا تو اس کا معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اللہ نے اسے نکال باہر کیا اور لعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا اور اس کے لیے جہنم کا عذاب مقرر کر دیا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس کے بعد شیطان اولا دآدم پر مسلط ہو گیا اور اسی طرح جاری ہو گیا جیسے خون اور روح بدن میں جاری وساری ہیں اور وہی سارے بگاڑ اور فساد کی وجہ بن گیا۔ آدم کی تخلیق کے بعد یہ پہلی خطا ہے جو سرزد ہوئی اور اسی حسد کی وجہ سے آدم کے بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا جیسا کہ خداوند عالم نے اپنی محترم کتاب میں بیان کیا ہے۔ (مائدہ/ ۲۷۔۳۲)

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے حاسد کو شیطان اور جادوگر کے ساتھ ساتھ رکھا ہے: ﴿ **وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ** ﴾ (فلق/ ۳۔۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''**اَلْحَسَدُ يَاكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ**''(۱)

''حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر ختم کر دیتی ہے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''**دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمْ ،اَلْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ وَهِيَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ حَالِقَةُ الشَّعْرِ وَلٰكِنْ حَالِقَةُ الدِّيْنِ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَاتَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَنْ تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوا**''

....

۱۔ سنن ابن ماجہ، ج/ ۲، ص/ ۱۴۸

''سابقہ امتوں کی بیماری تم میں سرایت کرگئی ہے جس کا نام حسد اور بغض ہے اور یہ ایک طرح کی موت ہے میں یہ نہیں کررہا ہوں کہ اس سے مراد موت کے وقت سر کے بال مونڈنا ہیں بلکہ یہ دین کی موت ہے۔ جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس کی قسم تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگے جب تک ایمان نہ لے آؤ اور تم ایمان نہیں لاؤ گے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔''(۱)

اور آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''سِتَّةٌ يَدْخُلُونَ النَّارَ قَبْلَ الْحِسَابِ بِسِتَّةٍ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنْ هُمْ؟ قَالَ اَلْاُمَرَاءُ بِالْجَوْرِ، وَالْعَرَبُ بِا لْعَصَبِيَّةِ وَالدَّهَاقِيْنَ بِالْكِبْرِ، وَالتُّجَّارُبِالْخِيَانَةِ وَاَهْلُ الرُّسَتَاقِ بِالْجَهَالَةِ وَالْعُلَمَاءُ بِا لْحَسَدِ''(۲)

''چھ طرح کے افراد ہیں جو چھ برائیوں کی وجہ سے پہلے جہنم میں داخل ہوں گے۔ سوال کیا گیا: یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: امراء ظلم کی وجہ سے، عرب تعصب کی بنا پر، صوبے کا رئیس تکبر کے باعث، تجارت کرنے والے خیانت کے سبب، دیہات کے باشندے جہالت کی بنا پر اور علماء حسد کی وجہ سے''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

''آفَةُ الدِّيْنِ اَلْحَسَدُ وَالْعُجْبُ وَالْفَخْر.''(۳)

''دین کی آفت حسد، خود پسندی اور فخر وغرور ہے۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے عمران کے بیٹے! میں نے لوگوں پر اپنا جو فضل وکرم کیا ہے اس بنیاد پر ان سے حسد نہ کرنا، اور اس کی طرف آنکھیں اٹھا کر بھی نہ دیکھنا اور اپنے نفس کو اس کے پیچھے نہ لگا دینا۔ اس لیے کہ حاسد میری نعمتوں سے ناراحت ہوتا ہے اور میں نے بندوں میں جو تقسیم کر رکھی ہے اس میں رکاوٹیں ڈالتا ہے اور جو شخص ایسا ہوگا میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اس کا مجھ سے کوئی تعلق ہے۔(۴)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۱۶۳۔
۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۱۶۳۔
۳۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۰۷
۴۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۰۷

''اِنَّ الْمُؤمِنَ یَغْبِطُ وَلَا یَحْسُدُ وَالْمُنَافِقُ یَحْسُدُ وَلَا یَغْبِطُ.''(١)

''اس میں کوئی شک نہیں کہ مومن رشک کرتا ہے حسد نہیں کرتا اور منافق حسد کرتا ہے رشک نہیں کرتا۔''

٦) قطع تعلقی اور رشتہ ناطہ توڑ لینا

قطع تعلقی اور رشتہ ناطہ توڑ لینا یہ بھی حقد و کینہ کا لازمی حصہ ہے اور یہ بڑے گناہوں اور عظیم معصیتوں میں سے ہے۔ داؤد بن کثیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''قَالَ اَبِی قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِیُّمَا مُسْلِمَیْنِ تَھَاجَرَا فَمَکَثَا ثَلاثًا لَا یَصْطَلِحَانِ اِلَّا کَانَا خَارِجَیْنَ عَنِ الْاِسْلَامِ وَلَمْ یَکُنْ بَیْنَھُمَا وَلَایَۃٌ وَاَیُّھُمَا سَبَقَ اِلیٰ کَلَامِ اَخِیْہِ کَانَ السَّابِقُ اِلیٰ الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْحِسَابِ''(٢)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب بھی دو مسلمان ایک دوسرے سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور تین دن گزر جانے کے باجود صلح نہیں کرتے تو وہ دونوں اسلام سے باہر نکل جاتے ہیں اور ان کے درمیان رشتۂ اخوت باقی نہیں رہتا۔ ان میں سے جو بھی اپنے بھائی سے بات کرنے میں سبقت کرے گا تو وہ روز حساب جنت میں پہلے داخل ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''لَایَفْتَرِقُ رَجُلَانِ عَلَی الْھِجْرَانِ اِلَّا اسْتَوْجَبَ اَحَدُھُمَا الْبَرَاءَۃَ وَاللَّعْنَۃَ وَرُبَمَا اسْتَحَقَّ کِلَاھُمَا فَقَالَ لَہٗ مُعْتَبٌ جَعَلَنِیَ اللّٰہُ فِدَاکَ ھٰذَا الظَّالِمُ فَمَا بَالُ الْمَظْلُوْمِ قَالَ لِاَنَّہٗ لَایَدْعُوْا اَخَاہُ اِلیٰ صِلَتِہٖ وَلَایَتَغَامَسُ لَہٗ عَنْ کَلَامِہٖ سَمِعْتُ اَبِی یَقُوْلُ اِذَا تَنَازَعَ اثْنَانِ فَعَازَّ اَحَدُھُمَا الْاٰخَرَ فَلْیَرْجِعِ الْمَظْلُوْمُ اِلیٰ صَاحِبِہٖ حَتّٰی یَقُوْلَ لِصَاحِبِہٖ اَیْ اَخِی اَنَا الظَّالِمُ حَتّٰی یَقْطَعَ الْھِجْرَانَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ صَاحِبِہٖ فَاِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ حَکَمٌ عَدْلٌ یَاخُذُ لِلْمَظْلُوْمِ مِنَ الظَّالِمِ''(٣)

قطع تعلق کی بنیاد پر جب دو آدمی ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں تو ان دونوں میں سے ایک یا کبھی کبھی دونوں براءت (بیزاری) اور لعنت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ (راوی) معتب نے دریافت کیا: (اللہ

....

١۔ الکافی، ج/٢، ص/٣٠٧ ٢۔ الکافی، ج/٢، ص/٣٠٧

٣۔ الکافی، ج/٢، ص/٣٤٤.

مجھے توفیق دے کہ میں اپنی جان آپ پر فدا کر دوں) یہ تو ظالم تھا مظلوم کا اس میں کیا قصور ہے؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اس نے اپنے بھائی کو صلہ رحمی کی دعوت نہیں دی اور اسے اپنی باتوں میں لگا کر اس جانب نہیں لایا۔ میں نے اپنے والد کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر دو آدمیوں میں جھگڑا ہو اور ایک دوسرے سے جھگڑ رہا ہو تو مظلوم کو چاہئے کہ اپنے ساتھی کے پاس واپس جائے اور اس سے کہے اے بھائی میں نے ظلم کیا ہے مجھے معاف کر دو یہاں تک کہ اس کے اور اس کے ساتھی کے درمیان قطع تعلق دور جائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے والا اور منصف ہے وہ ظالم سے مظلوم کا حق دلا کر رہتا ہے۔''

زرارہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا: ''**اِنَّ الشَّیْطَانَ یُغْرِی بَیْنَ الْمُؤمِنِیْنَ مَا لَم یَرْجِعْ اَحَدُھُمْ عَنْ دِیْنِهِ فَاِذَا فَعَلُوا ذٰلِکَ اِسْتَلْقیٰ عَلیٰ قَفَاهُ وَتَمَدَّدَ ثُم قَالَ فُزْتُ فَرَحِمَ اللّٰهُ اَمْرَءً اَلَّفَ بَیْنَ وَلِیَّیْنِ لَنا، یَا مَعْشَرَ الْمُؤمِنِیْنَ تَاَلَّفُوْا وَ تعاطَفُوا**''(۱)

''شیطان مومنین کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا رہتا ہے جب تک ان میں سے کسی ایک کو دین سے برگشتہ نہ کر دے پس جب وہ ایسا کر لیتے ہیں تو وہ اس کی پشت پر سوار ہو جاتا ہے اور پھیل جاتا ہے پھر کہتا ہے: ''میں کامیاب ہو گیا۔'' اللہ رحم کرے اس شخص پر جو ہمارے دو دوستوں کو باہم ملا دے ان میں الفت پیدا کرا دے۔ اے گروہ مومنین! تم باہمی الفت پیدا کرو اور ایک دوسرے پر مہربان و شفیق ہو جاؤ۔''

۷) جھوٹ اور غیبت

مناظرے کے دوران گفتگو میں جھوٹ اور غیبت کو شامل کرنا جس کی اجازت نہیں ہے، یہ بھی حقد و کینہ پروری کے لوازمات میں سے ہے۔ بلکہ مناظرے کا نتیجہ ہے اس لیے کہ مناظرہ کرنے والا اپنے ساتھی کے بارے میں ایسی باتیں کرنے سے گریز نہ کرے جو حقارت، مذمت اور توہین پر مبنی ہوں تو ایسی صورت میں وہ غیبت کا مرتکب ہوگا اور کبھی وہ اپنے حریف کے کلام میں تحریف سے کام لے گا۔ اس وقت وہ جھوٹا، تہمت لگانے والا اور معاملہ کو مشتبہ کرنے والا قرار پائے گا اور وہ کبھی اپنے مدمقابل کو جاہل اور احمق گردانتا ہے اس وجہ سے وہ تنقیص کا مرتکب ہوگا اور اسے برائی سے یاد کرنے والا کہلائے گا۔

....

۱۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۴۵

اوران برائیوں میں سے ہرایک بڑا گناہ ہے اوراس کے لیے کتاب وسنت میں اتنی سرزنش کی گئی ہے جو حدوحساب سے باہر ہے اورتمھارے لیے غیبت کی مذمت کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے مردار کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ارشاد باری ہے:

﴿وَلايَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ﴾(حجرات/۱۲)

''اورخبردارتم ایک دوسرے کی غیبت نہ کروکیا۔تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔یقیناً تم اسے ناپسند کروگے۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:''اِيَّاكُمْ وَالْغِيْبَةَ فَاِنَّ الْغِيْبَةَ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا اِنَّ الرَّجُلَ قَدْ يَزْنِي فَيَتُوْبُ فَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لايُغْفَرُ لَهُ حَتّٰى يَغْفِرَ صَاحِبُه''(۱)

تم لوگ خاص طور سے غیبت سے بچو کیونکہ غیبت زنا سے زیادہ شدید ہے ایک شخص زنا کر کے توبہ کرلیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا لیکن غیبت کرنے والا بخشانہیں جائے گا یہاں تک کہ جس کی غیبت کی گئی ہے وہ معاف نہ کردے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''مَا مِنْ مُومِنٍ قَالَ فِي مُومِنٍ مَارَأَتْهُ عَيْنَاهُ وَسَمِعَتْهُ اُذُنَاه فَهُوَ مِنَ الَّذِيْنَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(نور/۱۹)(۲)

''اگرکوئی مومن کسی مومن کے بارے میں وہ کچھ کہے جواس کی آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا ہے تو اس کا شماران لوگوں میں سے ہوگا جن کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: جولوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بدکاری پھیل جائے بے شک ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

مفضل بن عمر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے امام عالی مقام نے فرمایا:

''مَنْ رَوى عَلىٰ مُومِنٍ رَوَايَةً يُرِيْدُبِها شَيْنَهُ وَهَدْمَ مُرُوءَ تِهِ لِيَسْقُطَ عَنْ اَعْيُنِ النَّاسِ اَخْرَجَهُ اللّٰهُ مِنْ وَلَايَتِهِ اِلىٰ وَلَايَةِ الشَّيْطَانِ فَلا يَقْبَلُهُ الشَّيْطَانُ.''(۳)

....

۱۔مکارم اخلاق،ص۴۷۰ ۲۔الکافی،ج/۱،ص/۳۵۱.
۳۔الکافی،ج/۲،ص/۳۵۷

جو شخص کسی مومن کے خلاف کوئی ایسی بات کہے جس کے ذریعہ اس کے عیب کو ظاہر کرنا اور اس کی مروت کو منہدم کرنا مقصود ہو، تا کہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے گر جائے تو اللہ ایسے شخص کو اپنی سرپرستی سے نکال کر شیطان کی نگرانی میں دے دے گا لیکن شیطان بھی ایسے فرد کو قبول نہیں کرے گا۔''

زرارہ نے امام باقر علیہ السلام اور امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ اِلیٰ الْكُفْرِ اِنْ يُوَاخِيَ الرَّجُلَ عَلَى الدِّيْنِ فَيُحْصِيَ عَلَيْهِ عَثَرَاتِهِ وَ زَلَّاتِهِ لِيُعَنِفَهُ بِهَا يَوْماً مَّا''(۱)

ایسا بندہ کفر سے زیادہ قریب ہوتا ہے جو دینی اعتبار سے بھائی چارہ قائم کرنے کے بعد اپنے برادر ایمانی کی لغزشوں اور غلطیوں کو شمار کر کے رکھے تا کہ کسی دن ان کے ذریعہ اس کی سرزنش کرے۔

ابوبصیر نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:

''سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوقٌ وَقِتَالُه كُفْرٌ وَاَكْلُ لَحْمِهِ مَعْصِيَةٌ وَحُرْمَةُ مَالِه كَحُرْمَةِ دَمِهٖ''(۲)

''مومن کو گالی دینا فسق وفجور ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے اور اس کا گوشت کھانا (غیبت کرنا) معصیت ہے اور اس کا مال اتنا ہی محترم ہے جتنا اس کا خون محترم ہے۔''

فضیل نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے:

''مَامِنْ اِنْسَانٍ يَطْعَنُ فِي عَيْنِ مُؤمِنٍ اِلَّا مَاتَ بِشَرِّ مِيْتَةٍ وَكَانَ قَمِناً اَنْ لا يَرْجِعَ اِلیٰ خَيْرٍ.''(۳)

''اگر کوئی انسان کسی مومن کے اوپر طعنہ زنی کرتا ہے اور اس کی شخصیت کو مجروح کرتا ہے تو وہ بدترین موت مرے گا اور اس کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ خیر کی طرف واپس نہ آئے۔''

۸) تکبر اور بڑائی کا اظہار کرنا

تکبر اور بڑائی کا اظہار کرنا، مناظرہ اس کے بغیر ممکن نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

....

۱۔الکافی، ج/۲،ص/۳۵۴. ۲۔الکافی، ج/۲،ص/۳۶۰.
۳۔الکافی، ج/۲،ص/۳۶۱.

''اَلْعَظَمَةُ اِزَارِی وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَائی فَمَن نَازَعَنِی فِيهِمَا قَصَمْتُهُ''(۱)

''شکوہ وعظمت میرا لباس ہے اور کبریائی میری ردا ہے اور جو بھی ان دوصفتوں میں مجھ سے نزاع کرے گا میں اسے ہلاک کردوں گا۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''سب سے بڑا تکبر''غمص الخلق''اور''سفہ الحق''ہے راوی کہتا ہے میں نے دریافت کیا کہ غمص الخلق اور سفہ الحق کیا ہے تو ارشاد فرمایا: حق سے لاعلمی اور حق والوں پر طعن وتشنیع کرنا جو بھی ایسا کرتا ہے گویا وہ اللہ سے اس کی ردا کو چھین رہا ہے۔''(۲)

حسین بن ابی العلاء کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا:

''تکبر برے لوگوں کی ہر صنف میں ہوتا ہے اور تکبر خدا کی ردا ہے جو بھی اللہ کی ردا کو چھیننا چاہے گا، اللہ تعالیٰ اسے پستی میں ڈھکیل دے گا۔''(۳)

زرارہ نے امام باقر علیہ السلام اور امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے:

''لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ''(۴)

''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو۔''

عمر بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: میں بہترین کھانا کھاتا ہوں، نہایت اعلیٰ خوشبو سونگھتا ہوں اور عمدہ جانور پر سواری کرتا ہوں اور غلام میرے پیچھے پیچھے آتا ہے۔ کیا آپ ان سب چیزوں میں کسی قسم کا تکبر اور بڑائی دیکھتے ہیں؟! اگر ایسا ہے تو میں یہ کام انجام نہ دوں۔ امام علیہ السلام نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد فرمایا:

''متکبر اور ملعون وہ ہے جو لوگوں سے''غمص''کرے اور حق کو نہ پہچانے۔ عمر نے کہا کہ جہاں تک حق کا تعلق ہے میں اس سے ناواقف نہیں ہوں لیکن مجھے نہیں معلوم کہ''غمص''کیا ہے؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ شخص جو لوگوں کو حقیر سمجھے اور ان کے ساتھ تکبر سے پیش آئے وہ جبار ہے۔''(۵)

....

۱۔ سنن ابن ماجہ، ج/۲، ص/۱۳۹۷۔
۲۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۱۰
۳۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۰۹
۴۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۱۰
۵۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۱۱۔

۹) جاسوسی کرنا اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑے رہنا

جاسوسی کرنا اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑے رہنا اور مناظرہ کرنے والا اپنے مد مقابل مناظر کی لغزشوں کو خواہ وہ کلام میں ہوں یا ان کے علاوہ ڈھونڈھتا رہتا ہے تا کہ اسے اپنے لیے ذخیرہ کرے اور انھیں اس کو روکنے اس سے بیزاری کا اظہار کرنے یا اپنی خامیوں اور کمزوریوں کو دور کرنے کا ذریعہ قرار دے۔

یہاں تک یہ صاحبان غفلت اور ان لوگوں میں سرایت کر جاتا ہے جو دنیا داری کے لیے علم حاصل کرتے ہیں اور اپنے دشمن کے حالات اور عیوب کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں تا کہ ان عیوب و نقائص کو اس کے سامنے بیان کریں یا براہ راست اس سے بیان کریں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس کی وجہ سے اکڑتا ہے اور کہتا ہے میں نے اسے کیسا بے یار و مددگار گمنامی میں چھوڑ دیا ہے اور کیسا رسوا و ذلیل کر دیا ہے اور اسی قسم کی باتیں جو دین سے غافل اور شیطان کی پیروی کرنے والے افراد کیا کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ ''تم جاسوسی نہ کرو'' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''يَامَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَ لَمْ يُؤْمِنْ بِقَلْبِهِ لَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِيْنَ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ مُسْلِمٍ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ فَضَحَهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ بَيْتِهِ.''(۱)

اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے اور دل سے ایمان قبول نہیں کرتے! تم مسلمانوں کے عیوب تلاش نہ کرو جو بھی مسلمان کا عیب تلاش کرے گا تو اللہ اس کے عیوب کا تتبع کرے گا اور اگر اللہ کسی کے عیوب کا تتبع کرے تو اسے رسوا کر دیتا ہے خواہ وہ گھر کے اندر گھس کر بیٹھا ہو۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''اَقْرَبُ مَايَكُوْنُ الْعَبْدُ اِلَى الْكُفْرِ اَنْ يُّوَاخِيَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ عَلَى الدِّيْنِ فَيُحْصِيَ عَلَيْهِ زَلَّاتِهِ لِيَعَيِّرَهُ بِهَا يَوْمًامَّا''(۲)

''وہ بندہ کفر سے زیادہ قریب ہے کہ ایک شخص دوسرے کا دینی بھائی ہو اور وہ اس کی لغزشوں کو شمار کرتا رہے تا کہ وقت آنے پر اس کے ذریعہ اسے شرمندہ کرے۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

....

۱۔الکافی، ج/۲،ص/۳۵۴۔۳۵۵.
۲۔الکافی، ج/۲،ص/۳۵۵.

''مَنْ اَذَاعَ فَاحِشَةً کَانَ کَمُبْتَدِئِهَا وَمَنْ عَيَّرَ مُؤْمِنًا بِشَیْءٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰی يَرْكَبَهُ''(۱)

''جو شخص کسی برے کام کی اشاعت کرتا ہے تو گویا کہ اس نے خود اسے انجام دیتا ہے اور جو شخص کسی مومن کو شرمندگی سے دوچار کرتا ہے وہ اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اس عمل کو خود انجام نہ دے لے۔''

امام صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ لَقِیَ اَخَاهُ بِمَا يُؤَنِّبُهُ اَنَّبَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ''(۲)

''جو شخص اپنے برادر ایمانی کی ملامت کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی ملامت کرے گا۔''

امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''ضَعْ اَمْرَ اَخِيْکَ عَلٰی اَحْسَنِهٖ حَتّٰی يَاْتِيَکَ مَا يَغْلِبُکَ مِنْهُ وَلَا تَظُنَّنَّ بِكَلِمَةٍ خَرَجَتْ مِنْ اَخِيْکَ سُوْءً وَاَنْتَ تَجِدُ لَهَا فِی الْخَيْرِ مَحْمِلًا''(۳)

''تم اپنے برادر ایمانی کے کام کو اچھے پہلو پر محمول کرو یہاں تک کہ کوئی ایسی دلیل آئے جو تمھارے فیصلے پر غالب آجائے اور تمھارے بھائی کی زبان سے کوئی ناشائستہ لفظ نکلے جب تک تم اسے خیر پر محمول کر سکتے ہو تو ایسا کرو۔''

۱۰) لوگوں کی برائی پر خوش اور ان کی خوشی پر غمگین ہونا

لوگوں کی برائی پر خوش ہونا اور ان کی خوشی کے وقت غمگین ہو جانا اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہ پسند نہیں کرتا جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے تو ایسے شخص کے ایمان میں کمی ہے اور وہ دینداروں کے اخلاق سے بہت دور ہے۔''

اور یہ ان لوگوں کے درمیان غلبہ رکھتا ہے جن کے دلوں پر اپنے معاصرین کو خاموش کر دینے اور بھائیوں پر اپنی بڑائی کا اظہار کرنے کی محبت غالب آجاتی ہے اور بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے (۱) کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمانوں پر کچھ حقوق ہیں اگر کسی نے ایک حق کو بھی ضائع کر دیا تو وہ اللہ کی حکومت اور اس کی اطاعت سے نکل جائے گا اور ان میں سے یہ حدیث بھی ہے: محمد بن یعقوب کلینی قدس اللہ سرہ اپنی سند سے معلّٰی بن خنیس سے اور وہ امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے

۱۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۵۶
۲۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۵۶
۳۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۶۲
۴۔ الکافی، ج/۲، ص/۱۶۹۔۱۷۴

امام علیہ السلام سے دریافت کیا ''مَا حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ '' ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر کیا حق ہے امام علیہ السلام نے جواب مرحمت فرمایا کہ سات حقوق واجب ہیں ان میں سے ہر حق کو ادا کرنا اس پر واجب ہے اگر اس نے کسی ایک حق کو بھی ضائع کر دیا تو وہ اللہ کی ولایت (حکومت، اقتدار) اور اطاعت سے باہر چلا جائے گا اور اللہ کے پاس اس کا کوئی حصہ نہیں رہے گا۔ میں نے عرض کی: میں آپ پر فدا ہو جاؤں وہ حقوق کون سے ہیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اے معلیٰ! میں تم پر مہربان ہوں لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم ضائع کر دو اور ان کی حفاظت نہ کر سکو اور جاننے کے باوجود عمل نہیں کرو گے۔ معلیٰ کہتے ہیں: میں نے کہا: ''لا حول ولا قوة الا بالله '' (ہر طاقت اللہ کی جانب سے ہے) تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ان میں سب سے آسان حق یہ ہے کہ تم اس کے لیے وہی پسند جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو اور اس کے لیے اس چیز کو ناپسندیدہ قرار دو جو تم اپنے لیے ناپسند قرار دیتے ہو۔

دوسرا حق یہ ہے کہ تم اس کی ناراضی سے بچو اور اس کی خوشی کا خیال رکھو اور اس کے حکم کو تسلیم کرو۔

تیسرا حق یہ ہے کہ تم اپنی جان، اپنے مال، اپنی زبان، اپنے ہاتھ اور اپنے پاؤں سے اس کی مدد کرو۔

چوتھا حق یہ ہے کہ تم اس کے نگہبان، رہنما اور آئینہ بن جاؤ۔

پانچواں حق یہ ہے کہ اگر وہ بھوکا ہے تو تم سیر ہو کر کھانا نہ کھاؤ۔ اگر وہ پیاسا ہو تو تم سیراب نہ ہو۔ اگر وہ برہنہ ہو تو تم اس وقت تک لباس زیب تن نہ کرو جب تک وہ لباس نہ پہن لے۔

چھٹا حق یہ ہے کہ اگر تمھارے پاس خدمت گزار ہو اور تمھارے بھائی کے پاس خدمت گزار نہ ہو تو تم پر واجب ہے کہ تم اپنے خادم کو اس کے پاس روانہ کر دو تا کہ وہ اس کے کپڑے دھوئے اس کا کھانا تیار کرے اور اس کا بستر بچھائے۔

ساتواں حق یہ ہے کہ اس کی قسم پوری کرے، اس کی دعوت قبول کرے، مریض ہو تو اس کی عیادت کرے، اس کے جنازے میں شرکت کرے اور جب تمھیں پتہ چلے کہ وہ ضرورت مند ہے تو اس کی حاجت روائی میں جلدی کرو اس بات کا انتظار نہ کرو کہ وہ تم سے سوال کرے بلکہ جس قدر جلد ہو سکے اس کی ضرورت پوری کر دو اگر تم نے ایسا کر دیا تو تم نے اس کی محبت کو اپنی محبت اور اپنی محبت کو اس کی محبت سے ملا دیا۔(۱)

....

۱۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۵٦

۱۱) خودستائی اوراپنے منھ اپنی تعریف

مناظرہ کرنے والاخودستائی اوراپنے نفس کی تعریف کرنے سے عاری نہیں ہوتا خواہ وہ صراحت کے ساتھ ہو یا اشاروں اشاروں میں ہواوراپنی بات کو درست ثابت کرکے اورحریف کے کلام کی تنقیص کے ذریعہ ہواوراکثر وہ یہ بات کہہ کروضاحت کرتا ہے:''میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جن پرایسی باتیں مخفی ہوں۔''اوراسی قبیل کی باتیں کرتا ہےاوراللہ تبارک وتعالیٰ کاارشاد ہے:﴿فَلَاتُـزَكُّوْا أَنـفُسَكُمْ ﴾(نجم/۳۲)تم اپنے آپ کو پاک کوقرارنہ دویعنی غلطیوں سے مبرانہ سمجھو۔ایک عالم سے دریافت کیا گیا کہ وہ سچ کون سا ہے جوقبیح ہے؟فرمایا:کسی انسان کاخودستائی اوراپنے منھ اپنی تعریف کرنا۔(۱)

اور یہ بات جان لوکہ خودستائی ــــــ اللہ تعالیٰ نے جسے قبیح کہا ہےاورمنع فرمایا ہےلوگوں کےنزدیک تمھاری قدرومنزلت کوکم کردے گی اوراللہ تعالیٰ کےنزدیک ناپسندیدگی کا موجب ہوگی۔اگرتم یہ جاننا چاہو کہ تمھاری خودستائی تمھارے اغیار کےنزدیک تمھاری قدرومنزلت کونہیں بڑھاتی ہےتوتم کوچاہیے کہ اپنے معاصرین کودیکھوکہ جب وہ اپنے علم وفضل کی تعریف کرتے ہیں توتمھارادل کس طرح اسے قبول کرنے سے انکارکرتا ہےاور وہ تمھاری طبیعت پرگراں گزرتا ہےاورجدا ہوتے وقت تم کس طرح ان کی مذمت کرتے ہو۔یہ بات سمجھ لوکہ جب تم خودستائی اورتزکیہ نفس کررہے تھے وہ بھی دل سےتم سے مقابلہ کرنے لیے تمھیں براسمجھ رہے تھےاورجب تم ان سے جدا ہونے لگےتوانھوں نے اسے زبان سےبھی ظاہرکردیا۔

۱۲) نفاق

نفاق؛مناظرہ کرنے والے اسے اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں ۔وہ دشمنوں اور معاصرین اور پیروکاروں سے نہایت صلح آمیزانداز سے پیش آتے ہیں لیکن قلبی اعتبار سے وہ اس سے جھگڑتے رہتے ہیں اوراکثر وہ ملاقات کے وقت محبت اورشوق کا اظہارکرتے ہیں جب کہ بغض وحسد کی وجہ سے اس وقت ان کے تن بدن میں ارتعاش ہوتا ہےاوران میں سے ہرفریق کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ساتھی جوکچھ ظاہراً کہہ رہا ہے وہ مبنی برکذب ہے۔اس کے باطن میں کچھ اور ہےاوروہ ظاہراً کچھ اورکررہا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

....

ا۔احیاءعلوم الدین،ج/۱،ص/۴۱

''اِذَا تَعَلَّمَ النَّاسُ الْعِلْمَ وَتَرَكُوْاالْعَمَلَ وَتَحَابُّوْا بِالْاَلْسُنِ وَ تَبَاغَضُوْا بِالْقُلُوْبِ وَتَقَاطَعُوْا فِي الْاَرْحَامِ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ''(۱)

''جب لوگ علم تو حاصل کریں لیکن عمل کرنا ترک کر دیں، زبان سے تو محبت کریں لیکن دلوں میں باہمی بغض ہو اور رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لیں تو ایسی صورت میں اللہ ان پر لعنت کرے گا انھیں بہرا کر دے گا اور ان کی بصارت کو ختم کر دیگا۔'' ہم اللہ سے عافیت کی التجا کرتے ہیں۔

یہ وہ بارہ ہلاک کرنے والی عادتیں جن میں پہلے نمبر پر حق سے روگردانی کرنا ہے جس کی وجہ سے جنت حرام ہو جاتی ہے اور آخری نفاق ہے جو جہنم میں لے جاتا ہے۔ اور مناظرہ کرنے والے اپنے اپنے درجوں کے اعتبار سے اس بارے میں مختلف ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ افراد جو دین کے لحاظ سے سب سے زیادہ باعظمت اور عقل میں سب سے بڑھ کر ہوں وہ بھی ان عادات وخصائل میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ ان کی غرض وغایت یہ ہوتی ہے کہ یہ عادتیں ان میں مخفی رہیں اور وہ اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ یہ خصلتیں عوام الناس پر ظاہر نہ ہونے پائیں اور وہ خود بھی اس کے علاج کی طرف توجہ مبذول نہیں کرتے اور اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ وہ غیر اللہ کے لیے علم طلب کرتے ہیں۔

ہماری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ علم، عالم کو تنہا اور بے سہارا نہیں چھوڑتا راہ خدا سے انحراف کے سبب ہوسکتا ہے کہ یہی علم انسان کو ہلاکت سے دوچار کر دے، یا شقاوت وبدبختی کے سپرد کر دے جس طرح یہ علم صحیح اور درست اقدام کے نتیجے میں اسے سعادت وخوش بختی اور قربِ خداوندی سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ پس اگر تم یہ کہو کہ مناظرے میں دو فائدے ہیں جن میں سے ایک لوگوں کو علم کی جانب راغب کرنا ہے اس لیے کہ اگر اقتدار کی محبت نہ ہوتی تو علوم وفنون دنیا سے مٹ جاتے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مآخذ (sorces) علم تک رسائی کے لیے ذہن اور نفس کو قوی بنانا ہے۔

تو ہم جواب دیں گے کہ تم نے سچ کہا ہے اور ہم نے باب مناظرے کے ذیل میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کا مقصد باب مناظرہ کو مسدود کرنا نہیں ہے بلکہ ہم نے اس کے لیے شرائط اور آفات بیان کی ہیں تا کہ مناظر ان شرائط کا پاس کرے اور آفات سے احتراز واجتناب کرے۔ اس کے بعد علم کی جانب راغب ہو اور دل کو چابک دست بنا کر مناظرے کے فوائد حاصل کر سکتا ہے۔ پس اگر تمھاری غرض یہ ہو کہ مناسب

....

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۴۱

ہے اُسے ان آفات کی رخصت واجازت دے دی جائے اور یہ تمام باتیں برداشت کر لی جائیں محض اس لیے کہ وہ علم کی جانب راغب ہے اور اس کا ذہن فطری انگیزہ ہے اور شیطان اس قسم کی باتوں کو ہوا دینے اور رغبت دلانے پر مامور ہے اور وہ تمھاری نیابت اور معاونت سے مستغنی ہے۔ پس جسے علم کی جانب شیطان کی تحریک کی وجہ سے رغبت ہو اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ یُوَیِّدُ هٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ''(۱)

''اللہ تبارک وتعالیٰ اس دین کو مرد فاجر کے ذریعہ محفوظ کرے گا۔''

اور فرمایا: ''بِاَقْوَامٍ لَا خَلَاقَ لَهُمْ''(۲) ''ایسی قوم کے ذریعہ کرے جن میں کسی قسم کا خیر نہ ہوگا۔''

جسے علم حاصل کرنے کا رجحان انبیاء کی تحریک اور ان کی ترغیب کی بنا پر ہو اللہ تعالیٰ کا ثواب حاصل کرنے کے لیے علم حاصل کرے تو اس کا شمار انبیاء کے وارثین میں ہوگا۔ وہ مرسلین کا جانشین اور اللہ کے بندوں پر اللہ کی جانب سے امین ہوگا۔

جہاں تک ذہن کی تیزی کا تعلق ہے تو تم نے سچ کہا۔ اسے چاہئے کہ ذہن کی تیزی کو کام میں لائے اور ہم نے جن آفتوں کا تذکرہ کیا ہے ان سے اجتناب کرے۔ اس پر لازم ہے کہ مناظرے کو ترک کر دے اور طلب علم کی کوشش کرے طول تفکر کو اپنائے اور عادات کی کدورتوں سے اپنے دل کو صاف وشفاف بنائے کیونکہ یہ ذہن کی تیزی کے لیے زیادہ احسن عمل ہے اور دینداروں کے ذہن اس طرح تیز اور زیرک ہوتے ہیں کہ انھیں ان مناظروں کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر کوئی چیز فائدے مند ہو اور اس میں بے شمار آفتیں بھی ہوں تو اِس تھوڑی سی منفعت کے لیے بہت زیادہ آفتوں میں گرفتار نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس بارے میں اس کے لیے وہی حکم ہوگا جو شراب اور جوئے کا حکم ہے ارشاد باری ہے: ﴿یَسْأَلُونَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیهِمَا إِثْمٌ کَبِیرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَکْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾ (بقرہ/۲۱۹)

''اے نبی یہ آپ سے شراب اور پانسوں (جوئے کی ایک قسم) کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان میں بہت بڑا گناہ اور لوگوں کے لیے فوائد موجود ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔''(۲)

....

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۴۱ ۲۔ الکافی، ج/۵، کتاب الجہاد، ص/۱۹

خاتمہ

اور اس میں تین مطالب ہیں:

پہلا مطلب: علوم کے اقسام

دوسرا مطلب: طلب علم کے احکام

تیسرا مطلب: علوم کی ترتیب

پہلا مطلب:

علوم شرعیہ کے اقسام کے بارے میں

اور اس میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل: علوم اصلی

دوسری فصل: علوم فرعی

پہلی فصل

علوم اصلی

علوم اصلی چار ہیں:

۱۔علم کلام　　۲۔علم کتاب (قرآن)　　۳۔علم حدیث　　۴۔علم فقہ

علوم شرعیہ کو صرف چار علوم میں محدود کرنا علماء کی ایک جماعت کی اصطلاح میں ہے۔

بلکہ بعض علماء نے تو علوم شرعیہ کو صرف تین علوم :علم کتاب (قرآن) علم حدیث اور علم فقہ سے مخصوص کیا ہے۔

جہاں تک علم کلام کا تعلق ہے تو اسے ''اصول دین'' کہا جاتا ہے۔یہی علوم شرعیہ کی اساس اور بنیاد ہے۔اس لئے کہ اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ،اس کے رسول اور جانشین رسول وغیرہ کی معرفت حاصل کی جاتی ہے اور اسی علم کے ذریعہ صحیح رائے کو فاسد اور حق کو باطل سے ممتاز کیا جاتا ہے۔اس علم کو حاصل کرنے کی تشویق وترغیب اور اس کی فضیلت بیان کرنے کے لئے قرآن واحادیث میں بہت کچھ آیا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:**فَاعْلَمْ اَنَّهُ لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.**

اے نبی! آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔(۱)

نیز فرمایا:**أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِى أَنفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا**

بِالْحَقِّ (۲) کیاانہوں نے خود کبھی اس بارے میں غور فکر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے انھیں حق کے ساتھ خلق فرمایا۔

اورارشادفرمایا:أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللهُ مِنْ شَيْءٍ (۳) کیاانہوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی میں اور جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان پر نظر نہیں ڈالی؟!

ان تمام آیات کا مقصد یہ ہے کہ خالق واحد، قادر، علیم وحکیم کے اثبات کے لئے غور وفکر کرنا اور محکم و استوار خلقت اور پائیدار آثار کے ذریعہ استدلال کرنا واجب ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مَا قُلْتُ وَ لا قَالَ الْقَائِلُونَ قَبْلِي مِثْلَ لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (۴)

نہ ہی میں نے اور نہ مجھ سے پہلے آنے والوں نے لا اله الا اللّٰه جیسا کلمہ زبان سے ادا کیا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے علم کی عجیب وغریب باتوں کی تعلیم دیجئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: مَا صَنَعْتَ فِي رَاسِ الْعِلْمِ حَتّٰى تَسْأَلَ عَنْ غَرَائِبِهِ.

یہ بتاؤ تم نے اصل علم کے بارے میں کیا تگ ودو کی جواب تم اس کے عجائبات کے بارے میں سوال کر رہے ہو؟ اس نے دریافت کیا: یارسول اللہ! اصل علم کون سا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: مَعْرِفَةُ اللّٰهِ حَقَّ مَعْرِفَتِهِ.

اللہ کی معرفت حاصل کرنا جو معرفت حاصل کرنے کا حق ہے۔ اعرابی نے دریافت کیا: اللہ کی حقیقی معرفت کیا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا:

تَعْرِفُهُ بِلا مِثْلٍ وَ لا شَبَهٍ وَ لا نِدٍّ وَ اَنَّهُ وَاحِدٌ اَحَدٌ ظَاهِرٌ بَاطِنٌ اَوَّلٌ آخِرٌ لا كُفْوَ لَهُ وَ لا نَظِيرَ فَذٰلِكَ حَقُّ مَعْرِفَتِهِ.

تم اللہ کو اس طرح پہچانو کہ نہ کوئی اس کا ہمتا ہے نہ مانند اور نہ نظیر ہے۔ وہ یکتا، تنہا، ظاہر، پوشیدہ اور اول وآخر ہے۔ نہ اس کی کوئی مثال ہے اور نہ اس کی کوئی نظیر ہے یہی اس کی معرفت کا حق ہے۔(۱)

۱۔سورۂ محمد/۱۹۔ ۲۔سورۂ روم/۸۔ ۳۔سورۂ اعراف/۱۸۵۔
۴۔توحید شیخ صدوقؒ/۱۸۔ ۱۔توحید شیخ صدوقؒ/۲۸۴۔

اس بارے میں اہل بیت علیہم السلام سے بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں جو مزید واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ ثقۃ الاسلام کلینیؒ کی ''اصول کافی'' کی کتاب التوحید اور شیخ صدوقؒ کی کتاب ''التوحید'' کا مطالعہ کرے۔(۲)

جہاں تک علم کتاب (قرآن) کا تعلق ہے تو اصطلاحی اعتبار سے اس کا تین مستقل فنون پر اطلاق ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ کتابیں لکھی جاتی ہیں۔

۱۔علم تجوید: اور اس کا فائدہ قرآن کے حروف وکلمات کی موقعیت کی شناخت ومعرفت ہے ان کے مفرد اور مرکب ہونے کی صورت میں۔

۲۔علم قرائت: اس کا فائدہ اعراب کی قسمیں،کلمات کی بنا اور قرآنی ترکیب کی شناخت ہے جس طرح قرآن نازل ہوا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تواتر کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور اس میں گذشتہ فن تجوید اور کبھی کبھی ان دونوں علم (تجوید وقرائت) کو ایک ہی علم قرار دیا گیا ہے۔

۳۔علم تفسیر: اس کا فائدہ قرآن کریم کے معانی کی شناخت اور اس سے احکام اور حکمتوں کو اخذ کرنا ہے تا کہ انھیں احکام ومواعظ اور امر ونہی وغیرہ استعمال کیا جا سکے۔اسی کے ذیل میں ناسخ ومنسوخ محکم ومتشابہ وغیرہ کی معرفت حاصل کرنا بھی آتا ہے اس علم کی فضیلت،مطلوبیت اور اس کے حصوں کے آداب کے لئے بہت سی احادیث اور روایات وارد ہوئی ہیں۔

ابوعبدالرحمن سلمی سے مروی ہے کہ صحابہ میں سے جو ہمیں قرائت سکھاتے تھے انہوں نے ہم سے بیان کیا کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس آیتیں سیکھتے تھے اور جب تک ان آیات کے علمی وعملی پہلوؤں سے واقفیت حاصل نہ کر لیتے مزید دس آیات نہیں سیکھتے تھے۔(۳)

جہاں تک علم حدیث کا تعلق ہے تو وہ قرآن کریم کے بعد قدر ومنزلت کے اعتبار سے رفیع المنزلت، رتبے کے لحاظ سے اعلیٰ اور ثواب کی نظر سے اعظم ہے۔حدیث سے مراد وہ سب کچھ ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ائمہ معصومین علیہم السلام کے طرف منسوب کیا جائے قول،فعل،تائید یا وصف کے اعتبار سے یہاں تک کہ حرکت وسکون و بیداری اور نیند تک کی کیفیت اور علم حدیث کی دو قسمیں ہیں:

۱۔روایت: جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا علم حاصل کرنا

۲۔الکافی،ج/۱،ص/۲،۱۶۷۔۱۶۸.   ۳۔مجمع الزوائد،ج/۱،ص/۱۶۵.

۲۔درایت: اس سے مراد وہ علم حدیث ہے جس کا اطلاق ہو رہا ہو اور یہ افضل ہے۔ یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی معرفت حاصل ہوتی اور اس کے متن اس کے طرق اس کے صحیح اور سقیم ہونے کی معرفت حاصل کی جاتی ہے اور روایت کی شرطوں اور احادیث کی قسموں میں سے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے ان کا علم حاصل کیا جاتا ہے تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ کون سی حدیث مقبول ہے اور کون سی مردود ہے تاکہ مقبول پر عمل کیا جائے اور مردود سے اجتناب کیا جائے۔

امام صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

خَبَرٌ تَدْرِيهِ خَيْرٌ مِنْ اَلْفٍ تَرْوِيهِ. (۱)

ایک حدیث تم جس کی درایت حاصل کرلو (یعنی اسے سمجھ لو) یہ ہزار احادیث کی روایت کرنے سے بہتر ہے۔

نیز فرمایا: **عَلَيْكُمْ بِالدِّرَايَاتِ لا الرِّوَايَاتِ** (۲)

تم پر لازم ہے کہ درایت کرو، اسے سمجھو نہ یہ کہ صرف اسے روایت کرتے پھرو۔

اور فرمایا: **رُوَاةُ الْكِتَابِ كَثِيرٌ وَ رُعَاتُهُ قَلِيلٌ فَكَمْ مُسْتَنْسِخٍ لِلْحَدِيثِ مُسْتَغِشٌّ لِلْكِتَابِ وَ الْعُلَمَاءُ تُجْزِيهُمُ الدِّرَايَةُ وَ الْجُهَّالُ تُجْزِيهُمُ الرِّوَايَةُ** (۳)

''کتاب کی روایت کرنے والے تو بہت ہیں لیکن اس کی رعایت (لحاظ، خیال) کرنے والے کم ہیں۔ اکثر حدیث کے لکھنے والے کتاب میں الٹ پھیر کرتے ہیں (یعنی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے) علماء کے لئے درایت کافی ہوتی ہے اور جہلاء روایت پر تکیہ کرتے ہیں۔''

علم حدیث کی فضیلت میں وارد ہونے والی روایات میں سے مندرجہ ذیل احادیث نبوی کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے:

وَ مَنْ اَدَّىٰ اِلَىٰ اُمَّتِي حَدِيثًا يُقَامُ بِهِ سُنَّةٌ اَوْ يُثْلَمُ بِهِ بِدْعَةٌ فَلَهُ الْجَنَّةُ (۴)

جو بھی میری امت تک ایسی حدیث پہنچائے جس کے ذریعہ سنت کو قائم کیا جائے یا اس کے وسیلے سے بدعت کی دیواروں کو منہدم کر دیا جائے تو اس پر جنت واجب ہے۔

۱۔ بحارالانوار، ج۲، ص۲۰۶. ۲۔ بحارالانوار، ج۲، ص۲۰۹.
۳۔ بحارالانوار، ج۲، ص۲۰۶. ۴۔ الجامع الصغیر، ج۲، ص۱۶۱.

رَحِمَ اللّٰہُ خُلَفَائِی قِیلَ وَ مَنْ خُلَفَاؤُکَ؟ قَالَ: اَلَّذِینَ یَاتُونَ مِن بَعْدِی فَیَرْوُونَ اَحَادِیثِی وَ یُعَلِّمُونَهَا النَّاسَ.(۱)

اللہ میرے خلفاء پر رحم کرے۔سوال کیا گیا آپ کے خلفاء کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: جو لوگ میرے بعد آئیں گے وہ میری حدیثوں کی روایت کریں گے اور لوگوں کو احادیث کی تعلیم دیں گے۔

مَنْ حَفِظَ عَلیٰ اُمَّتِی اَرْبَعِیْنَ حَدِیثاً مِنْ اَمْرِ دِیْنِهٖ بَعَثَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَقِیهاً وَ کُنْتُ لَهُ شَافِعاً وَ شَهِیداً(۲)

میری امت میں سے جو شخص دینی امور سے متعلق چالیس حدیثیں یاد کرے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت اسے فقیہ کی حیثیت سے مبعوث کرے گا اور میں اس کی شفاعت کروں گا اور اس پر گواہ رہوں گا۔

جہاں تک فقہ کا تعلق ہے تو لغت میں اس کا معنیٰ ہے سمجھنا یا دقیق اشیاء کے بارے میں جاننا اور اصطلاح میں علم فقہ یہ ہے کہ حکم شرعی فرعی کا جسے تفصیلی دلیلوں کے ذریعے حاصل کرنا چاہے اس کی تصریح کی گئی ہو یا استنباط کیا گیا ہو۔اس علم کا فائدہ اللہ کے احکام واوامر کی بجا آوری اور اس کے نواہی (جن امور سے روکا گیا) سے اجتناب ہے اور اس کا فائدہ دنیا وآخرت میں ظاہر ہوگا۔

اس علم کی فضیلت اور آداب کے بارے میں حدیث میں آیا ہے: مَن یُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْراً یُفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ.(۳)

اللہ تعالیٰ جس شخص کے بارے میں خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں تفقہ (سمجھ بوجھ) عطا کردیتا ہے۔

فَقِیهٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ(۴)

ایک فقیہ، شیطان کے خلاف ہزار عبادت گزار سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

قول پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: خَصْلَتَانِ لا تَجْتَمِعَانِ فِی مُنَافِقٍ: حُسْنُ سَمْتٍ وَ فِقْهٌ فِی الدِّیْنِ(۵)

منافق میں دو خصلتیں یکجا نہیں ہوسکتیں: ایک اچھی ہیئت اور دوسرے دین کی سمجھ۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الْفِقْهُ وَ اَفْضَلُ الدِّیْنِ الْوَرَعُ(۶)

۱۔من لا یحضر الفقیہ، ج ۴، ص ۳۰۲.
۲۔الخصال، ج ۲، ص ۶۴۳.
۳۔سنن ترمذی، ج ۵، ص ۲۸.
۴۔سنن ترمذی، ص ۴۸.
۵۔سنن ترمذی، ص ۴۹.
۶۔کنز العمال، ج ۱۰، ص ۱۵۰.

افضل عبادت، فقہ (فہم) ہے اور افضل دین، پارسائی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْكَمَالُ كُلُّ الْكَمَالِ اَلتَّفَقُّهُ فِي الدِّيْنِ وَ الصَّبْرُ عَلَى النَّائِبَةِ وَ تَقْدِيرُ الْمَعِيْشَةِ(۱)

کمال اور مکمل کمال، دین میں تفقہ (سمجھ بوجھ حاصل کرنا) ہے اور مصیبت پر صبر کرنا اور اپنی معیشت کو استوار کرنا ہے۔

سلمان بن خالد نے امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے: مَا مِنْ اَحَدٍ يَمُوتُ مِنَ الْمُؤمِنِينَ اَحَبُّ اِلیٰ اِبْلِيس مِن مَوْتِ فَقِيْهٍ. (۲)

کسی مومن کی موت ابلیس کے نزدیک فقیہ کے مرنے سے زیادہ محبوب نہیں ہوتی۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اِذَا مَاتَ الْمُؤمِنُ الْفَقِيْهُ ثَلُمَ فِي الْإِسْلامِ ثُلْمَةٌ لا يَسُدُّهَا شَئٌ (۳)

جب کوئی مومن فقیہ موت سے ہم آغوش ہوتا ہے تو اس کی موت سے اسلام میں ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے جسے کوئی شے پر نہیں کر سکتی۔

۱۔ الکافی، ج ۱، ص ۳۲۔ ۲۔ الکافی، ج ۱، ص ۳۸۔
۳۔ الکافی، ج ۱، ص ۳۸۔

دوسری فصل

علوم فرعی

یہ وہ علوم ہیں جن پر اصلی علوم شرعیہ کی معرفت کا دارومدار ہے۔لیکن اللہ تبارک تعالیٰ کی معرفت اوراس کے متعلق مباحث متحقق ہونے میں ان علوم میں سے کسی ایک پر بھی پر موقوف نہیں ہیں۔ بلکہ صرف غور وفکر کرنا ان کے حصول کے لئے کافی ہے اور معرفت خدا ایک امر عقلی ہے جو ہر مکلّف پر واجب ہے اور یہ پہلا واجب ذاتی ہے (یعنی اپنے وجوب میں شرع اور عقل کا محتاج نہیں ہے) اگر چہ اس کے مباحث میں غور وخوض کرنا اوراس کے مطالب کے بارے میں تحقیق کرنا اوراس سے متعلق باطل پرستوں کے شبہات کو دور کرنا، بعض علوم عقلی جیسے منطق وغیرہ پر منحصر ہے۔ جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے تو وہ واضح عربی زبان میں ہے۔اس کی معرفت عربی علوم جیسے نحو،صرف،اشتقاق،معانی،بیان،بدیع،لغت عرب اوراصول فقہ پر موقوف ہے نیز اصول فقہ کا بھی محتاج ہے تاکہ اس کے ذریعے حکم عام، خاص، مطلق،مقید،محکم اور متشابہ اوراس کے دیگر اقسام کو پہچان سکے۔لہٰذا ان علوم میں جن پر کتاب الٰہی کی معرفت موقوف ہے ان علوم کا جاننا واجب ہے جس طرح فی نفسہ کتاب خدا کی معرفت واجب ہے۔پس اگر اسے واجب عینی مانا جائے تو اس کا جاننا واجب عینی ہوگا اور اگر اسے واجب کفائی تسلیم کیا جائے تو اس کی معرفت واجب کفائی رہے گی۔ ان شاءاللہ ہم عنقریب اس کی تفصیل بیان کریں گے۔

لیکن حدیث، تو حدیث کے بارے میں وہی گفتگو ہے جو قرآن کے بارے میں اور حدیث کے لئے بھی ان تمام علوم کی معرفت ضروری ہے جو قرآن کے لئے ضروری ہے۔البتہ حدیث میں روایوں کے

احوال کی معرفت کا اضافہ ہوگا، جرح وتعدیل کی حیثیت سے تا کہ یہ معلوم کیا جائے کہ ان احادیث میں سے کسے قبول کیا جائے اور کس حدیث کو مسترد کر دیا جائے اور یہ ''علم رجال'' کہلاتا ہے۔

جہاں تک فقہ کا تعلق ہے تو اس کی معرفت ان تمام اصلی اور فرعی علوم پر موقوف ہے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے اس لئے کہ شریعت کی معرفت متوقف ہے شارع، اس کی عدالت اور اس کی حکمت پر اور اس کے مبلغ اور محافظ کی معرفت پر۔ کتاب اللہ میں تقریباً پانچ سو آیتیں ہیں جو احکام شریعت پر مشتمل ہیں لہٰذا جو استدلال کے ذریعے ''تفقہ'' کا طالب ہے اس پر ان آیات کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔ لیکن حدیث میں ان احادیث کی معرفت ضروری ہے جو احکام شرعی پر مشتمل ہیں تا کہ ان احادیث اور آیات قرآنی سے احکام کا استنباط کر سکے۔ اب اگر ان دونوں سے استنباط ممکن نہ ہو تو اسے دوسرے باقی ماندہ دلائل کی جانب رجوع کرنا ہوگا جیسے عقل اور اجماع کی رہنمائی، جن سے اصول فقہ میں مقرر کردہ اصولوں کے مطابق استفادہ کیا جائے۔

منطق ایک مفید اور سودمند آلہ ہے جس سے بطور مطلق دلائل کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے اور منطق کے میزان پر ان مقدمات کو جو انسان کو صحیح مطلوب تک پہنچا دیں ان مقدمات کے مقابل میں جو مطلوب تک نہ پہنچائیں، تولا جا سکتا ہے۔

دوسرا مطلب

طلب علم کے احکام

علم حاصل کرنے کے احکام کے بارے میں اور یہ تین طرح کے ہیں:

۱۔ واجب عینی

۲۔ واجب کفائی

۳۔ مستحب

واجب عینی وہ ہے جس کو پورا کئے بغیر واجب ادا نہیں ہوتا ہے اور حدیث "**طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ**(۱) کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے کو اسی پر حمل کیا گیا اور واجب عینی کا تعلق اعتقاد، فعل اور ترک سے ہے۔

اعتقاد

کلمۂ شہادتین (**اَشْهَدُ اَن لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ**) کو ماننا اور جو کچھ اللہ کے لئے واجب وضروری اور اس کے لئے محال ہے اسے تسلیم کرنا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مربوط مسائل کے بارے میں دنیا اور آخرت میں جو کچھ لے کر آئے تھے اور جو چیزیں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں ان کی تصدیق کرنا اور ائمہ علیہم السلام کی امامت کا یقین رکھنا اور ان میں سے ہر ایک کو ایسی دلیل کے ساتھ تسلیم کرنا جس

۱۔ الکافی، ج ۱، ص ۳۰.

جس سے مطمئن ہو جائے اور یقین کامل حاصل ہو جائے اور متکلمین کے دلائل اور کلام کے دقائق کو معلوم کرنے کے لئے گہرائی میں جانا واجب کفائی ہے تا کہ دین کی حفاظت کی جائے ہو اور باطل پرستوں کے شبہات کو دور کیا جائے۔

فعل

مکلّف (بالغ) ہوتے ہی واجبات نماز کے بارے میں جاننا، اوقات نماز اور قبلہ سے واقفیت حاصل کرنا اور اسی طرح زکات، روزے، حج، جہاد اور امر بالمعروف کے بارے میں معلومات حاصل کرنا نیز دیگر ابواب فقہ جیسے عقود (عہد و پیمان، معاملات) اور ان کے احکام کو سیکھنا ہر مکلّف پر واجب عینی ہے اگر اسباب میں سے کوئی ایک سبب بھی موجود فقہی کتب میں بیان کئے گئے ہیں ورنہ وہ واجب کفائی رہے گا۔

اور اسی سے متعلق ہے ماکولات (کھائی جانے والی) مشروبات (جسے پیا جائے) ملبوسات (جسے پہنا جائے) میں سے جو چیزیں حلال ہیں اور جو حرام ہیں جن کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور اسی طرح عورتوں کے ساتھ زندگی گزارنے کے احکام۔

ترک

ان باتوں کو سیکھنا جن کے ذریعے ہلاکت میں ڈالنے والی عادات مثلاً ریا کاری، حسد، خود پسندی، تکبر وغیرہ سے دل کی طہارت حاصل ہو۔ اس موضوع سے متعلق مسائل پر جداگانہ علم میں بحث کی گئی ہے اور وہ قدر و منزلت کے اعتبار سے نہایت جلیل القدر علم ہے لیکن زمانے سے اس طرح مٹ گیا ہے کہ اب اس کا نشان تک دکھائی نہیں دیتا ہے۔

اگر تنگی وقت کی وجہ سے بالغ ہونے سے پہلے مصروفیت کی بنا پر ان واجبات میں سے کچھ علم کا حاصل کرنے سے باز رہا ہے تو از باب حسبہ ولی پر واجب ہے بچہ کو بلوغ سے پہلے واجبات کی تعلیم دے بلکہ اسے چاہئے کہ اپنے تمام گھر والوں کو ان تمام چیزوں کی تعلیم دے جن کے ذریعہ انھیں آتش جہنم سے دور رکھ سکے۔ ارشاد رب العزت:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا. (۱)

۱۔ سورۂ تحریم/۶.

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔
حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: عَلِّمُوهُمْ مَا يَنْجُونَ بِهِ مِنَ النَّارِ (۱)
تم انہیں وہ کچھ سکھاؤ جس کی وجہ سے وہ آتش جہنم سے نجات پا جائیں۔

واجب کفائی

ذکر شدہ علوم شرعی میں سے ان علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے جن کے ذریعہ دین کو قائم رکھا جائے یا معاشی امور میں ان کا سیکھنا ضروری ہو جیسے طب، حساب اور ضروری صنعتوں کا سیکھنا مثلاً سلائی کڑھائی، کاشتکاری یہاں تک کہ فصد لگانا وغیرہ۔

بعض علماء نے کہا ہے واجب کفائی، واجب عینی سے افضل ہے اس لئے کہ اگر بعض لوگ اسے بجا لائیں تو اس کے ترک کرنے پر تمام مکلفین پر جو گناہ لازم آتا ہے وہ اس سے بچ جاتے ہیں۔ واجب عینی کے برعکس کہ جو بھی اسے بجالاتا ہے وہ صرف اپنے آپ کو گناہ سے بچاتا ہے۔

مستحب

مستحب (علوم) جیسے نفل عبادتوں، دینی آداب، مکارم اخلاق وغیرہ کو سیکھنا جو بہت زیادہ ہیں اور اسی میں سے ''علم ہیئت'' کا سیکھنا بھی ہے تاکہ عظمت خداوند عالم سے واقف ہو سکے۔ نیز وہ علوم بھی جو علم ہیئت سے متعلق ہیں جیسے علم ہندسہ اور دیگر علوم کو بھی مستحب جانتے ہوئے انہیں سیکھنے کی کوشش کرے۔

کچھ علوم مطلقاً حرام ہیں جیسے جادو، شعبدہ بازی، فلسفہ کا کچھ حصہ اور ہر وہ علم جو دین میں شک وشبہ پیدا کرے۔ ان علوم میں سے بعض ایک اعتبار سے حرام ہیں اور ایک لحاظ سے حلال ہیں جیسے نجوم اور رمل کہ ان کی تاثیر اور یقیناً واقع ہونے پر عقیدہ رکھتے ہوئے انھیں سیکھنا حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اسے سیکھتا ہے لیکن اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ ہر امر اور اس کے اثرات خداوند عالم سے مربوط ہیں اور عادةً اور فطرةً جو امور ظاہر ہوتے ہیں نجوم اور رمل اسی بنا پر حکم لگاتے ہیں اگر ان سے صرف تفاؤل حاصل کیا جائے تو ان شرطوں کے ساتھ ان کا حاصل کرنا مباح ہے۔

۲۔ تفسیر الدر المنثور، ج ۶، ص ۲۴۴.

وہ علوم جن کا حاصل کرنا مکروہ ہے:

جدید دور کے شعراء کے اشعار سے آگاہی حاصل کرنا جن میں غزلیات اور عشق ومحبت کی شاعری شامل ہے جس سے وقت ضائع ہوتا ہے، عمر برباد ہوتی ہے اور ان اشعار سے کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

وہ علوم جن کا حاصل کرنا مباح ہے

تاریخ کی معرفت، جنگ کے واقعات اور یاوہ گوئی، غزل سرائی سے عاری اشعار جن میں نہ وقت کی بربادی ہو، نہ عمر کی تباہی اور ان میں واجب امور کا ذکر نہ کیا گیا ہو جیسے عرب عاربہ (زمانۂ جاہلیت کے عرب) کے اشعار جن کو قرآن کریم اور احادیث نبوی میں بطور حجت ودلیل پیش کیا جاسکتا ہے۔ ان قصائد و اشعار کا الحاق لغت سے ہے۔

اور دیگر علوم ومعارف جیسے طبیعات، ریاضیات، صنعتیں اور دیگر علوم وفنون فی نفسہ ان کا سیکھنا مباح کے ذیل میں آتا ہے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ نفس کی تکمیل کے لئے انہیں مستحب قرار دیا جائے۔ اس لئے کہ یہ علوم، علوم شرعی میں سے دیگر علوم کے لئے معاون اور مددگار ثابت ہوتے ہیں اور انسان کی قوت فکر کو بڑھاتے ہیں اور غور وفکر کی طرف مائل کرتے ہیں۔

اور کبھی ان علوم کا سیکھنا حرام ہو جاتا ہے اگر ان علوم کے سیکھنے کی وجہ سے واجب عینی اور واجب کفائی علوم کے سیکھنے میں کوتاہی عمل میں آئے جیسا کہ ہمارے زمانے میں بعض محروم اور دین سے بے خبر افراد کے ساتھ اکثر یہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ مباح اور مستحب علوم میں مشغول ہو کر واجب علوم سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسی ذیل میں آتے ہیں۔ مقدماتی علوم جو علوم شرعی کے آلہ اور مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو سیکھنے کے لئے حد سے زیادہ اہتمام کرنا وہ بھی وہاں پر جہاں پر علوم شرعی کا وجوب اپنی جگہ باقی ہو۔ اگر کوئی شخص ان علوم کی جانب مقررہ حد سے زیادہ توجہ مبذول کرے اور انہیں سیکھنے میں مشغول ہو جائے جو علوم شرعیہ تک رسائی کے لئے آلات، ذرائع اور وسائط ہیں اور علوم شرعیہ کا وجوب جوں کا توں باقی رہ جائے تو ان حالات میں ان علوم کا سیکھنا جو آلات وذرائع ہیں حرام قرار پائے گا۔

تیسرا مطلب

علوم کی ترتیب

یہ جان لو کہ ان علوم میں سے ہر علم کو حاصل کرنے کا ایک مرتبہ اور درجہ ہے اور طالب علم پر ان کا خیال رکھنا لازمی اور ضروری ہے تا کہ اس کی کوشش ضائع نہ ہو جائے اور طلب علم میں دشواری سے روبرو نہ ہو اور اس لئے بھی کہ وہ منزل مقصود تک جلد رسائی حاصل کر لے۔ ہم نے ایسے طلبہ بھی دیکھے ہیں کہ انہوں نے حصول علم کے لئے کافی وقت صرف کیا لیکن بہت کم علم حاصل کیا اور کچھ طلبہ ایسے بھی ہیں جنہوں نے کم عرصے میں زیادہ علم حاصل کر لیا اور اس کا سبب ترتیب اور عدم ترتیب کو ملحوظ رکھنا تھا۔

یہ بھی جان لیا جائے کہ علوم شرعیہ سے غرض ذاتی اور اصلی مقصد صرف علوم شرعی کا علم حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی غرض و غایت اللہ تعالی کی مرضی کا حصول ہے اور اس کی مرضی کی مطابقت ہے خواہ وہ آلیت (ذرائع، وسائط) یا علم یا عمل سے ہو یا نظام وجود کو قائم کرنے سے، یا بندوں سے مطلوب چیزوں کی طرف ان کی رہنمائی سے ہو یا ان کے علاوہ دیگر مطالب کے ذریعہ ہو اور اسی لئے طلب علم کی ترتیب مختلف ہو گی۔

جو شخص ابتدائے امر اور عنفوان شباب سے ہی حصول علم کی طرف مائل ہے وہ علمی مدارج و مراتب پر ترقی کرنے کے قابل اور مختلف علوم حاصل کرنے کا اہل ہے اور اس میں اس بات کی صلاحیت پائی جاتی ہے کہ وہ فقاہت اور دینی بصیرت، دلائل و براہین کے ذریعے حاصل کر سکتا ہے۔ آغاز امر میں اس پر لازم ہے کہ وہ:

۱۔ **حفظ قرآن کریم اور تجوید سیکھنے** پر توجہ مبذول کرے جو معتبر بنیادوں پر استوار ہو تا کہ حفظ قرآن کریم

اور صحیح تجوید اس کے لئے ایک موزوں کلید بن جائے اور کامیابی سے ہمکنار کرنے والا مددگار بن جائے جس کے ذریعے قلب منور ہو جائے اور طالب علم اس کے ذریعے دوسرے علوم حاصل کرنے کے قابل بن جائے اور تیار ہو جائے۔ جب وہ حفظ قرآن کریم اور تجوید سے فارغ ہو جائے تو عربی علوم کے حصول پر توجہ دے اس لئے کہ عربی علوم، علم شریعت کو سمجھنے کا پہلا آلہ اور عظیم سبب ہے۔ لہٰذا اسے چاہئے کہ سب سے پہلے:

۲۔ **علم صرف** پڑھے اور بتدریج آسان کتابوں سے مشکل کتابوں کی طرف اور چھوٹی کتابوں سے بڑی کتابوں کی جانب اقدام کرے تا کہ اس میں مہارت حاصل کر لے اور علمی اعتبار سے اس علم کا احاطہ کر لے۔ اس کے بعد

۳۔ **علم نحو** پڑھنا شروع کرے اور اس میں بھی وہی طریقہ اختیار کرے جسے علم صرف میں اختیار کیا تھا بالخصوص اس میں زیادہ محنت کرے اور نحوی قواعد کو یاد کر لے کیونکہ معانی کو سمجھنے میں اس کا بہت زیادہ اثر ہے اور قرآن وحدیث میں مہارت حاصل کرنے میں اس کا کافی دخل ہے اس لئے کہ دونوں عربی زبان میں ہیں اس کے بعد وہ دیگر عربی علوم کی جانب منتقل ہو جائے اور جب ان سے فارغ ہو جائے تو

۴۔ **علم منطق** سیکھنے میں مشغول ہو جائے اور اس کے مطالب کو درمیانی حد تک مطالعہ کرے اور جس طرح دوسرے علوم کو حاصل کرنے میں تگ ودو کی تھی اس میں اتنی زیادہ محنت ومشقت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ اس کے بغیر بھی مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور زیادہ سیکھنے میں وقت کی بربادی ہے۔ اس کے بعد وہ منتقل ہو

۵۔ **علم کلام** سیکھنے کی طرف اور اس میں بھی بتدریج آہستہ آہستہ سمجھ کر آگے بڑھے اور اس علم کی کیفیت اور مزاج سے آگاہی حاصل کر لے تا کہ اس میں بحث وتحقیق کا ملکہ پیدا ہو جائے اور عوالم کی خصوصیات اور خوبیوں سے مطلع ہو سکے۔ پھر اس کے بعد وہ منتقل ہو

۶۔ **اصول فقہ** کی جانب۔ اسی ترتیب کے ساتھ بتدریج اس کی کتابیں اور مباحث پڑھے اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے دین میں تفقہ کا طالب ہے اسے چاہئے کہ علم نحو کے بعد اس علم کی طرف زیادہ توجہ دے کیونکہ یہ علم تحریر کے اعتبار سے اولیٰ اور تحقیق کے لحاظ سے زیادہ حقدار ہے۔ اصول فقہ پڑھتے وقت کم پر راضی نہ ہو۔ بلکہ یہ علم جس قدر اس پر واضح اور آشکار ہو گا اسی قدر فقہی مباحث اور شرعی دلائل اس پر ثابت اور واضح ہوتے چلے جائیں گے۔ اس کے بعد وہ منتقل ہو

۷۔**علم درایۃ الحدیث** کی طرف۔اس علم کا مطالعہ کرے۔اس کے قواعد وضوابط کا علم حاصل کرے۔اس کی اصطلاحات سے واقفیت حاصل کرے۔یہ کوئی مشکل علم نہیں ہے بلکہ اس کی اصطلاحات مدون ہیں اور اسکے فوائد یکجا ہیں۔اس علم سے واقف ہونے کے بعد وہ منتقل ہو

۸۔**قرائت حدیث** کی جانب، روایت، تفسیر، بحث اور تصحیح کے ساتھ جو بھی موقع ومحل کے اعتبار سے ضروری ہو اور وقت اس بات کی اجازت دے۔کم از کم حدیث کی کوئی ایسی ایک کتاب پڑھے جو فقہی ابواب اور احادیث پر مشتمل ہو۔پھر وہ منتقل ہو

۹۔**آیات قرآنی** کی طرف، جو احکام شرعی سے متعلق ہیں اور علماء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے تلاش کر کے اس موضوع پر جداگانہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔لہٰذا اس بارے میں کسی ایک کتاب کا مطالعہ کرے اور اس کے راز ورموز کے بارے میں تلاش وجستجو کرے اور اس کی گہرائی کو منکشف کرنے کے لئے بغور ان کا مطالعہ کرے۔قرآن مجید کے لئے کسی حد کا تعین نہیں کیا جاسکتا ہے جہاں پر فہم جا کر رک جائے اس لئے یہ دوسرے کلام کی طرح کسی انسان کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ کلام ہے اس مالک کائنات کا جو سب سے بڑا عالم ہے اور لوگ اس کلام کو اتنا ہی سمجھیں گے جتنی ان کی عقلوں کی رسائی ہوگی اور ان کے افہام جس کو درک کر سکیں گے۔جب اس سے فراغت حاصل کرلے تو اس کے بعد وہ منتقل ہو

۱۰۔**فقہی کتابوں** کی پڑھنے کی طرف۔سب سے پہلے ان کتابوں میں سے وہ کتاب پڑھے جس کے ذریعے فقہی مطالب اور بنیادی مسائل سے آگاہ ہو جائے اور فقہاء کی اصطلاحات اور ان کے قواعد جان لے۔دوسرے علوم کے برعکس اسے صرف اساتذہ کی زبانی ہی سیکھا جاسکتا ہے۔اس کے بعد دوسری ایسی کتاب شروع کرے جو بحث واستدلال پر مشتمل ہو اور اصول سے فروع کے استنباط کو واضح کرتی ہو اور فروع کو اس سے مناسب علم کی طرف پلٹاتی ہو اور حکم وقانون خداوندی کا قرآن اور حدیث سے استفادہ کرے خواہ نص کے ذریعے یا استنباط کے وسیلے سے ایسا استنباط جو عموم لفظ یا اس کے اطلاق کا نتیجہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ احکام کو حدیث حسن اور صحیح اور اس طرح کی دیگر احادیث سے استخراج کرے تاکہ اسے بتدریج ان مطالب کی مشق اور تمرین ہو جائے علم فقہ سے بڑھ کر کوئی ایسا علم نہیں جس کا ارتباط تمام علوم سے ہو اور دیگر علوم کے مقابلے میں معاشرہ کو اس کی ضرورت ہو۔لہٰذا اس علم کے حصول کے لئے تمام تر کوششیں اور کاوشیں صرف کردے، بلکہ جدوجہد میں اضافہ کرے اس لئے کہ یہی بلند ترین مقصد اور اعلیٰ ترین ہدف

ہے۔ یہ انبیاء کی میراث ہے اور یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہوگا جب خدائے متعال کی جانب سے موہبت اور قوت قدسیہ شامل حال ہو جو اسے اس انتہا تک پہنچادے اور اسے یہ رتبہ دلا دے اور اللہ تعالیٰ کے دین کو سمجھنے کا یہ بہترین اور عمدہ ذریعہ ہے اور بندے کے لئے اس میں کوئی حیلہ بہانا نہیں ہے بلکہ یہ ایک عطیہ الٰہی اور تحفہ ربانی ہے اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کام کے لئے منتخب کر لیتا ہے مگر یہ کہ جد و جہد، مجاہدہ اور اللہ کی طرف توجہ اور سب سے کٹ کر اللہ سے لولگانا فیض قدسی کے عطا کئے جانے میں واضح اثر رکھتا ہے: **وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ** (۱)

اور جولوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستوں کی جانب رہنمائی کر دیتے ہیں اور یہ جان لو کہ اللہ یقیناً احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

جب علم فقہ سے مکمل طور پر فراغت پالے تو

۱۱۔ **پورے قرآن کریم کی تفسیر** شروع کردے۔ یہ تمام علوم اس کے لئے مقدمہ کی مانند ہیں اور جب اسے توفیق مل جائے تو مفسرین نے جو کچھ استخراج کیا ہے صرف اسی پر اکتفا نہ کرے بلکہ قرآن کے معانی میں کثرت سے غور وفکر کرے اور اس کے راز ہائے سربستہ سے آگاہ ہونے کے لئے اپنے نفس کو صاف ستھرا بنائے اور اللہ سے گڑگڑا کر دعا کرے کہ وہ اپنی جانب سے اسے اپنی کتاب کا فہم اور اپنے خطاب کے اسرار کا تحفہ عطا کرے تو اس وقت اس پر ایسے حقائق منکشف ہوں گے جن تک دیگر مفسرین کی رسائی نہیں ہوئی تھی اس لئے کہ قرآن مجید ایک موج زن سمندر کی مانند ہے جس کی گہرائیوں میں درشہوار ہیں اور جس کے ظاہر میں دل ربیاں ہیں اور لوگ اپنی قوت وطاقت بھر اور خدا نے جتنا ان پر ظاہر کرتا ہے اس کے موتی چننے اور حقائق دریافت کرنے میں مصروف ہیں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ تفاسیر، مفسرین کے مراتب اور ان کی اصلی مہارت کی بنا پر مختلف ہیں۔ ان تفاسیر میں سے بعض تفسیریں ایسی ہیں جن میں عربیت (عربی ادبیات) کا غلبہ ہے جیسے زمخشری کی تفسیر الکشاف اور بعض ایسی ہیں جن میں حکمت اور کلامی برہان کا غلبہ ہے جیسے فخر رازی کی تفسیر مفاتیح الغیب اور بعض ایسی ہیں جن میں واقعات کو بیان کیا گیا ہے جیسے تفسیر ثعلبی ہے اور ان میں سے بعض حقائق کی تاویل پر غالب ہیں ظاہری (الفاظ) کی تفسیر پر نہیں جیسے عبدالرزاق کاشانی کی تفسیر تاویل الآیات اور دیگر تفاسیر اور جیسا کہ مشہور روایت ہے:

....

۱۔ سورۂ عنکبوت/۶۹.

''اِنَّ لِلْقُرآنِ تَفْسِیراً وَ تَاوِیْلاً وَحَقَائِقَ وَ دَقَائِقَ وَ اِنَّ لَهُ ظَهْراً وَ بَطْناً وَ حَدّاً وَ مَطْلَعاًذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیهِ مَن یَّشَاءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ.''

''یقیناً قرآن کے لئےتفسیر وتاویل، حقائق اور دقائق ہیں اوراس کا ظاہر و باطن اور حداور مطلع ہےاور یہ فضل پروردگار ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہےاور خداوند صاحب فضل عظیم ہے۔''

اور جب اس سے فراغت حاصل کر لےاور ترقی اور تکمیل نفس کا خواہاں ہوتو اسے چاہئے کہ

۱۲۔ **کتب حکمت طبیعی، ریاضیات اور حکمت عملی** کا مطالعہ کرے جو تہذیب اخلاق پر مشتمل ہوں۔اس کے بعد منتقل ہو حقیقی علوم اور ضروری فنون کی جانب اس لئے کہ وہ ان علوم کا خلاصہ اور ہر معلوم کا نتیجہ ہیں اوران کے ذریعے وہ مقربین کے درجے تک پہنچ سکتا ہےاوراسے خدارسیدہ بندوں کی نشست گاہیں مل سکتی ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں سب کواس بارگاہ میں پہنچا دے۔بے شک وہ کریم اور عطا کرنے والا ہے۔

یہ سب ترتیب اس کے لئے ہیں جوان علوم کے حاصل کرنے کا اہل ہےاور وہ ان علوم کوحاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہےاوران کے فہم وادراک کی قابلیت رکھتا ہو۔لیکن وہ لوگ جواس مقام تک پہنچنے سے قاصر ہیں اور رکاوٹیں آڑے آجاتی ہیں اورانہیں اس مقصد تک پہنچنے سے روکتی ہیں تو ایسے طلاب کو چاہئے کہ وہ ان علوم میں سے جس قدر حاصل کر سکتے ہوں ہمارے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق بتدریج ان تک پہنچیں اوراگران کے لئے ان تمام علوم تک پہنچنا دشوار ہوتو کم ازکم وہ علوم شرعی اوراحکام دینی پر اکتفا کریں۔

پس اگر وقت تنگ ہو یا ان کی طبیعت اس سے اکتا گئی ہوتو تمام علوم میں سے سب بہتر، علم فقہ ہے چونکہ اسی پر نبوتوں کا دار و مدار ہےاوراسی بنیاد پر امر معاد و معاش استوار ہےاوراس میں اضافہ کرتے ہوئے جس کی رعایت ضروری ہے جیسے تہذیب نفس اوراصلاح قلب جونفسانی علم طب میں سے ہے اس لئے کہ اسی کے ذریعے وہ عدالت مترتب ہوتی ہے جس پر آسمان وزمین قائم ہیں اور تقویٰ و پرہیز گاری پر ہرامر کا دارومدار ہے۔

جتنے علوم انسانوں کے لئے معرض وجود میں آئے تھے جب ان سب سے فراغت حاصل کر لے تو ان پر عمل کرنے میں مشغول ہوجائے اس لئے کہ عمل تمام علوم کا خلاصہ ہےاور تخلیق کی سبب ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ''(سورۂ ذاریات/۵۶) ہم نے جنوں اورانسانوں کو

محض اپنی عبادت کے لئے خلق کیا ہے۔

یہ تمام علوم عمل کے لئے ایسے آلات کی مانند ہیں جو قریب ہیں یا دور ہیں جیسا کہ ہم نے واضح کر دیا ہے اور کس قدر جاہل، احمق اور خسارے میں ہے وہ شخص جو کسی صنعت کو اس لئے سیکھے کہ وہ اپنے کسی کام میں اس سے فائدہ اٹھائے اور پھر وہ اپنی پوری عمر اسی پر صرف کر دے اور اپنی تمام تر کوششیں اور کاوشیں اس کے آلات کی تحصیل میں لگا دے اور ایسی مصروفیت کو نہ اپنائے جس کے ذریعہ وہ اپنی منزل مقصود کو پالے۔ اس بارے میں غور وفکر کرو۔ ان شاءاللہ تعالیٰ کامیاب وکامران ہو جاؤ گے۔

تتمۂ کتاب

شہید ثانیؒ کی طلبہ کو نصیحت اور انھیں خواب غفلت سے جگانا

جان لو! اللہ تمہیں کامیاب کرے، میں نے تمہیں راستہ دکھا دیا اور اس پر چلنا سکھا دیا اور اس کے مکمل آداب سے تمہیں واقف کرا دیا اور اس دروازے میں داخل ہونے کیلئے تمہیں آمادہ کر دیا اب کوشش و کاوش کرنا تمہارا کام ہے۔ تمہیں چاہئے کہ عمر کوتاہ کو غنیمت جانو اور اسے فضائل نفسانی کو سمیٹنے میں اور علمی ملکات کو حاصل کرنے میں صرف کرو اس لئے کہ یہ ابدی سعادت کا سبب اور دائمی و سرمدی کمال و نعمت کا موجب ہے۔ یہ تمہارے انسانی نفس کے کمالات میں سے ہے اور یہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے کبھی معدوم نہیں ہوگا جیسا کہ علوم حکمت میں ثابت ہو چکا ہے اور آیات قرآنی اور احادیث نبوی بھی اس جانب رہنمائی کرتی ہیں۔ اس مختصر سی مہلت میں اگر تم نے کمال حاصل کرنے میں کوتاہی کی تو یہ ایک طولانی اور دائمی حسرت کا سبب بن جائے گا۔

اگر تم صاحب بصیرت ہو تو اپنے آپ سے دریافت کرو کہ اپنے ہم جنس افراد سے جو تمہارے شہر یا تمہارے محلے میں رہتے ہیں تم ان سے پیچھے رہنا کسی طرح پسند نہ کرو گے اور اگر ان کا علم تمہارے علم سے بڑھ گیا اور اس کی عظمت سے تمہاری عظمت زیادہ ہوگئی تو تمہیں اس بات کا نہایت ہی دکھ ہوگا۔ باوجودیکہ تم اور وہ ایک پست گھر اور کم مایہ اور بہت جلدی فنا ہو جانے والے عیش و آرام میں ہو اور تمہارے اس نقص اور کمی سے باہر کے بہت کم افراد واقف ہوں گے تو اگر ذرا سی بھی عقل رکھتے ہو تو سوچو کہ کل جب تم دار فنا سے دار بقا میں جاؤ گے اور وہاں پوری کائنات کے افراد جمع ہوں گے، انبیاء، مرسلین، شہداء، صالحین، علمائے راسخین اور ملائکہ مقربین اور تم وہاں پر ان کی منزلتوں کا مشاہدہ کرو گے جو انہوں نے ان کمالات کی

بنیاد پر حاصل کی ہوں گی جو انہوں نے دنیا میں رہتے ہوئے اور زائل ہونے والی مدت میں حاصل کئے تھے اور تم جوتوں کے پاس بالکل آخری صف میں کھڑے ہو قبل اس کے کہ ایسا مقابلہ درپیش ہو تم ابھی کمال حاصل کرنے پر قدرت رکھتے ہوا گر تم نے ایسا نہیں کیا تو یہ سراسر تمہاری عقل کا قصور یا سستی و کاہلی ہے۔ ہم اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں غفلت کی نینداور لغزش کی خرابی سے۔

یہ سب اسی وقت ممکن ہوگا جب ہم یہ فرض کرلیں کہ آخرت کے دن جہاں عظیم خطرات اور جہنم کا عذاب ہوگا تم اپنے آپ کو امان میں رکھو،لیکن سوچو وہاں امان کیسے ملے گا جب کہ تمہیں معلوم ہے ان علوم میں سے اکثر علوم واجب ہیں اور اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا وہ واجب عینی ہیں یا واجب کفائی اور اگر واجب کفائی کو کافی افراد بجانہیں لائیں گے تو اس کے ترک کرنے پر سب کے سب گناہگار ہوں گے اور اس کا حکم بھی واجب عینی کی طرح ہوگا۔

اس زمانے میں بلکہ ہر دور میں ان علوم شرعی کو حاصل کر کے اس واجب کو قائم کرنے والے اور علوم شرعی کے پسندیدہ درجہ کو حاصل کرنے والے کہاں ہیں؟ بالخصوص (تفقہ فی الدین) دین میں سمجھ بوجھ اس لئے کہ اس کا کمترین مرتبہ واجب کفائی ہے اور جس سے یہ واجب ادا ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر علاقہ میں اس کے لئے ایک ایسا شخص اٹھ کھڑا ہو جس کے ذریعہ یہ انجام پا جائے اور یہ ممکن نہیں ہوگا جب تک کہ زمین کے مختلف حصوں پر فقہاء کی کثرت نہ پائی جائے اور یہ بات اس زمانے میں کہاں پائی جارہی ہے؟

اس واجب کو ترک کر دینا اور اس علم اور اس کے مقدمات میں مشغول نہ ہونا بہت بڑی نافرمانی بن گیا ہے خواہ وہ بصورت عبادت ہی کیوں نہ ہو جیسے دعا یا قرآن کی تلاوت کرنا۔ قیامت کی ہولناک حالات سے وہ کہاں امان میں رہ سکتا ہے جو علوم شرعی کے حصول کو چھوڑ بیٹھے؟!

اگر ہم فرض کرلیں کہ وہ قیامت کی ہولناکی سے سلامت رہ جائے گا تو یہ سمجھ لو کہ تمام حیوانات سے تمہارا امتیاز یہ قوت عاقلہ ہے جس سے اللہ نے تمہیں امتیاز بخشا ہے جو درست اور نادرست کو تمیز دیتی ہے غلط اور صحیح میں امتیاز کرتی ہے جو دنیا اور آخرت میں فائدہ پہنچانے والے علوم کی تحصیل کا موجب ہے، لہٰذا اس قوت عاقلہ کے استعمال کو مقصد تخلیق سے روک دینا اور تمہارا صرف کھانے، پینے میں مصروف ہو جانا اور ان کے علاوہ ایسے امور بجالانا جن میں تمام حیوانات تمہارے ساتھ شریک ہیں، یہاں تک کی کیڑے مکوڑے بھی اس لئے کہ وہ بھی کھاتے، پیتے روزی جمع کرتے اور نر و مادہ جنسی تعلقات قائم کرتے ہیں اور

اولاد پیدا کرتے ہیں۔ بلکہ تم اپنے علم و عمل کی قوت کو استعمال کر کے ملائکہ مقربین کے زمرے میں شامل ہو سکتے ہو بلکہ عظمت میں ملائکہ سے بھی آگے بڑھ سکتے ہو اور اگر ایسا نہ کیا تو سوائے واضح خسارے اور نقصان کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

اے میرے برادران ایمانی اور میرے دوستو! بیدار ہو جاؤ -اللہ ہمیں اور تمھیں خواب غفلت سے بیدار رکھے -فرصت کے ان ایام کو غنیمت جانو اور اپنی کوتاہیوں کی تلافی کرو قبل اس کے کہ امکان زائل ہو جائے اور وقت گزر جائے اور حاصل کرنا صرف زمانہ ماضی بن کر رہ جائے۔ ہائے افسوس اس حسرت پر کہ کوتاہی کرنے والا جس کا تدارک نہیں کر سکتا اور ایسی ندامت و پشیمانی پر جس کا رنج والم دائمی ہو جائے!!! اللہ ہمیں اور تمہیں فطری خواب گاہوں سے جگا دے اور اس مہلت کے جتنے دن باقی رہ گئے ہیں انہیں علوم شریعت کے حصول میں لگا دے اور اپنے دار کرامت میں ہم سب کو بلند ترین منازل میں جگہ عطا کرے۔ بیشک وہی سب سے بڑھ کر کرم کرنے والا ہے اور تمام سخاوت مندوں سے بڑھ کر سخاوت کرنے والا ہے۔

اس مقام پر ہم اپنے رسالے کو اختتام تک پہنچاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے اور خاتم المرسلین اور ان کے اہل بیت عصمت و عدالت پر درود و سلام بھیجتے ہوئے اور اپنے گناہوں سے استغفار کرتے ہوئے یقیناً وہی مغفرت کرنے والا اور مہربان ہے۔

اس کتاب کی تالیف سے اس کا مولف - عفو و رحمت پروردگار کا محتاج - زین الدین بن علی بن احمد الثانی العاملی جمعرات کی صبح ۲۰ ربیع الاول ۹۵۴ھ میں فارغ ہوا۔ اللہ اپنی رحمت سے اس کتاب کو شرف قبولیت عطا کرے اور اسے اپنے دست کرم و رحمت میں لے لے۔ بیشک وہ جواد و کریم ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ